It's A Story Of Domestic Violence
دل درد سے خالی نہیں
نیلم ریاست

ناول

نیلم ریاست

دل درد سے خالی نہیں

شیلٹر ہاؤس کی سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آتے ہوئے۔نینسی کی نظر سیدھی اُس جوان پر پڑی جسے وہ پچھلے ایک ماہ سے مسلسل دیکھتی آ رہی تھی۔وہ ہر روز بلا ناغہ وہاں پر ایڈمٹ اپنی مریضہ کو دیکھنے آتا تھا۔مگر وہ ہر روز اُس کو ملنے سے انکار کر دیتی تھی۔وہ بھی ایسا ڈھیٹ تھا۔اگلے دن دوبارہ سے آ موجود ہوتا۔نہ جانے کیوں وہ سمجھتا تھا۔وہ پُرانی ہر بات بھول کر اُسے قبول کر لے گی۔حالانکہ جتنا سر نینسی اپنی مریضہ کے ساتھ اس گزرے وقت میں کھپا چکی تھی۔اُسکو مد نظر رکھتے ہوئے یہ بس دیوانے کا خواب ہی معلوم ہوتا جو شائد کبھی پورا نہیں ہونا تھا۔

نینسی عین اُسکے سر پہ پہنچ کر رکی۔جو سر جھکائے بیٹھا فرش کو گھور رہا تھا۔

''تم اپنی حرکتوں سے کب باز آؤ گے؟۔۔

نینسی کی آواز پر وہ ایک دم حرکت میں آیا۔چہرے پر سے ساری بے زاری جاتی رہی

اُٹھ کر کھڑا ہوا

''آج آپ لیٹ آئی ہیں۔''

نینسی نے جواب دینے کی بجائے سوال کر دیا۔

”مجھ سے پوچھ رہے ہو یا مجھے بتا رہے ہو؟۔۔“

”نہیں بتا نہیں رہا ہوں۔صرف پوچھا ہے۔“

”اچھا اِن دیٹ کیس۔۔میں بتا دیتی ہوں۔میری گاڑی خراب ہے۔لوکل آئی ہوں۔اسلیے تھوڑی دیر ہوئی ہے۔مگر تم تو آج بھی اپنے وقت پر موجود ہو۔“

اُس نے نینسی کا طنز نظر انداز کر دیا۔

”گاڑی خراب تھی تو مجھے کال کر دی ہوتی میں لے آتا۔“

”اچھا کیا تم سارے شہر کو یونہی اپنی سروسز پیش کرتے ہو؟۔۔“

”سارے شہر کو تو نہیں البتہ اپنوں کو تو کرتا ہی ہوں۔اور آپ میری عزیز ہستی کی کئیر ٹیکر ہیں۔“

”جسکو تم اپنی عزیز ترین ہستی کہتے ہو۔وہ تمہیں دور کا اپنا بھی نہیں مانتی۔۔“

”اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔اُس کے جُھٹلانے سے سچ تو نہیں بدلے گا۔“

نینسی نے تاسف سے نفی میں گردن ہلائی۔ایک تو وہ اس لڑکے کے کھڑے ہو کر بات کرنے سے ہمشہ ہی چڑ جاتی تھی۔کیونکہ اُس کے کھڑے ہونے کی صورت میں نینسی کو اپنی گردن اُٹھا کر اُس ذرافے کی گردن والے کو دیکھنا پڑتا تھا۔کیونکہ اُسکے چھ فُٹ سے اوپر کے قد کے سامنے نینسی کو اپنا چار فٹ سات انچ کا قد اور بھی چھوٹا معلوم ہوتا۔اس وقت بھی وہ ایویں ہی چڑ گئی۔

”مجھے ایک بات تو بتاؤ کیا تمہیں دنیا کا اور کوئی کام اپنی جانب متوجہ نہیں کرتا؟ جب وہ تم سے ملنا ہی نہیں چاہتی ہے۔تو کیوں اُسکو بھول نہیں جاتے؟ کیوں اُسکو اُسکے حال پہ نہیں چھوڑ دیتے؟۔۔“

وہ نینسی سے نظر چُرا کر تھکے ہوئے لہجے میں بولا تو صرف اتنا۔”میں اُسکو ملنے کے لیے تو نہیں آتا ہوں۔آپ چاہیں تو ریسپشن سے پوچھ سکتی ہیں۔میں نے کبھی بھی اندر یہ پیغام نہیں بھجوایا کہ ملنا چاہتا ہوں۔میں تو صرف یہ چاہتا ہوں۔وہ جان لے میں یہاں ہوں۔صرف اُسکے لیے ہوں۔وہ اکیلی نہیں ہے۔“

”پہلی بات تو یہ تم پیغام نہیں بھجواتے تو کیا فرق پڑتا ہے۔کیونکہ وہ تو جانتی ہے۔تم روز آتے ہو۔اور دوسرا یہ کہ آج کل وہ تنہائی ہی چاہتی ہے۔تم جانتے ہو وہ کتنی مُشکل سے بولنے پر آمادہ ہوئی ہے۔میں نے اُس پر بہت

محنت کی ہے۔تب کہیں جا کر وہ بولنے لگی ہے۔مگر تمہاری یہاں آمد کو لیکر وہ واپس خاموشی میں پناہ ڈھونڈتی ہے۔ اُس کے لیے بہت ضروری ہے۔وہ اپنے احساسات کو بیان کرے ہنسے' بولے' نارمل زندگی گزارے۔میں جانتی ہوں۔تم بھی یہی سب چاہتے ہو۔پر مسلہ یہ ہے۔تمہارا عمل میری مدد نہیں کر رہا۔بلکہ میرے لیے مشکلات پیدا کر رہا ہے۔اگر تم واقعی اُسکی مدد کرنا چاہتے ہو۔تو کُچھ عرصہ اُسکو اُسکے حال پر چھوڑ دو۔اُسکو ماضی بھولنے دو۔"

اُس نے مایوسی سے اپنے بالوں میں ہاتھ چلایا۔

"میں اُسکو اکیلا کیسے چھوڑ دوں؟ اُسکا میرے سوا ہے کون؟ خدا کے لیے اُسکو بولو ایک دفعہ اپنا دل بڑا کر کے مجھے معاف کر دے۔جو بھی توڑ پھوڑ ہوئی ہے۔میں ہر چیز ٹھیک کر دونگا۔صرف ایک دفعہ میرا اعتبار تو کرے۔۔"

"اچھا ٹھیک ہے۔"

نینسی نے تسلی کے طور پر اپنا ہاتھ اُسکے بازو پر رکھا۔

"میں بات کرنے کی کوشش کرونگی۔مگر تم ایک بات بھول رہے ہو۔زندگی میں ہونے والے کُچھ نقصانات کبھی پورے نہیں ہوتے۔تم جو مرضی کر لو۔اب وہ زندگی میں کبھی وہ عورت نہیں بن سکے گی۔جسکو تم جانتے تھے۔ اپنا خیال رکھنا۔۔"

اُسکو آگہی کا خنجر مار کر نینسی خود آگے بڑھ گئی۔

اُس جوان کے تصور میں ایک شاداب چہرہ نمودار ہوا۔

سُرخ لپ اسٹک کے پیچھے چُھپے سفید موتی' کاجل کی دھار والے کالے نین' اُسی کی کسی بات پر وہ بے تحاشہ ہنس رہی تھی۔

اذیت سے اُس نے اپنی آنکھیں زور سے میچ لیں۔

"وہ اب زندگی میں کبھی وہ عورت نہیں بن سکے گی۔جسکو تم جانتے تھے۔"

نینسی کی آواز ہتھوڑے کی طرح دماغ پر لگ رہی تھی۔

بینچ پر رکھی اپنی جیکٹ اُٹھا کر وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے نکلتا چلا گیا۔

اُچیاں لمیاں لال کھجوراں تے پتر جنہاں دے ساوے

جس دم نال سی تانگ اساں کوُ سا کوا وُدم نظر نہ آوے۔۔۔

گلیاں سُنجیاں ویران دیس، سا کو ویڑا کھاون آوے

غلام فریدا اُوتھے کی وسنہ، جتھے یار نظر نہ آوے۔۔۔

☆......☆......☆

اُس نے آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر سامنے اُبھرتے اپنے عکس کو بغور دیکھا۔

وہی آبلے ہیں وہی جلن، کوئی سوزِ دل میں کمی نہیں

جو لگا کے آگ گئے تھے تم، وہ لگی ہوئی ہے بجھی نہیں

جانے کتنے لمحے گزر گئے۔ یک ٹک اپنی بے نور آنکھوں میں دیکھتی رہ گئی۔

تیری یاد ایسی ہے باوفا، پسِ مرگ بھی نہ جُدا ہوئی

تیری یاد میں ہی ہم مٹ گئے، تیری یاد دل سے مِٹی نہیں

آنکھوں کے نیچے گہرے ہلکے تھے۔ کیونکہ جو مرضی کرتی۔ چاہے نیند کی گولیاں ہی لیتی ساری رات میں دو ڈھائی گھنٹے سے زیادہ نیند مہربان نہ ہوتی۔ حالانکہ دن میں وہ نوکری کرتی تھی۔ جہاں اُسکو مسلسل چاک و چوبند رہنا پڑتا تھا۔ زرد رنگت سوکھے ہونٹ وہ روزانہ بڑی مہارت سے میک اپ کی دبیز تہہ میں یوں چھُپاتی کہ اب تک کوئی یہی نہ جان پایا تھا کہ شوخ و شریر نظر آنے والی لڑکی اندر سے کیا ہے۔ مگر اب کام کی فکر بھی نہ رہی کیونکہ کام سے اُسکو مستقل چھٹی دے دی گئی تھی۔

نہ فنا میری، نہ بقا میری، مجھے اے شکیل نہ ڈھونڈیئے

میں کسی کا حُسنِ خیال ہوں، میرا کوئی وجود و عدم نہیں

وہ تو نہ جانے کب تک یونہی بیٹھ کر خود شناسائی کے عمل سے گزرتی رہتی۔ اچانک کمرے کا دروازہ کھول کر اُسکی رومیٹ لیزا نے سر اندر نکالا۔۔۔

"ہیلو خوبصورت لڑکی۔۔۔!! تمہارے پاس تیار ہونے کو صرف گنتی کے پانچ منٹ ہیں۔ اسکے بعد ہم لوگ نکل رہی ہیں۔ اور دیکھو آج زیادہ نہیں پینی کیونکہ واپسی پر بھی گاڑی تم ہی چلا کر لاؤ گی۔"

اتنا کہہ کر جیسے آئی تھی۔ ویسے ہی بغیر بتائے غائب ہو گئی۔

کسی خیال کے زیرِ اثر اُسکی آنکھوں میں ہلکی سی نمی جا گی تھی۔ جسکو نظر انداز کرتے ہوئے اُس کے ہاتھ تیزی کے ساتھ چہرے پر فاؤنڈیشن کا کوٹ کرنے لگے۔ اُسکو اس کام میں اتنی مہارت ہو چکی تھی۔ پورے پانچ منٹ گزرے وہ میک اپ مکمل کر لینے کے بعد اپنا تنقیدی جائزہ لے رہی تھی۔ ساتھ ہی بیڈ کے نیچے سے اپنی ہیل نکال کر پہننے کے بعد بالوں کو ہاتھ سے سیٹ کیا۔ جنکو وہ پہلے سے ہی کرل کر چکی تھی۔ ڈھیر سا پرفیوم چھڑکنے کے بعد اپنا پاؤچ پکڑ کر کمرے سے نکل آئی۔۔۔

جب وہ لابی میں موجود اپنے گروپ کے ہمراہ باہر نکلی تو پیروں میں ابھی سے لڑکھڑاہٹ جاگ رہی تھی۔ حالانکہ ابھی ساری رات پیتے اور ناچتے گزرنے والی تھی۔۔۔

☆......☆......☆

نوال نے بڑا دل لگا کر آج فراز کے لیے کھانے کے ساتھ ساتھ کیک بھی گھر پہ ہی تیار کیا تھا۔ کھانے میں ساری چیزیں فراز کی پسند کی بنائی تھیں۔ کچن کا سارا کام ختم کر کے وہ بیڈ روم میں آئی۔ فراز کے پہنچنے میں صرف پندرہ منٹ بچے تھے۔ اور وہ اُسکے آنے سے پہلے تیار ہو کر اُسکا استقبال کرنا چاہتی تھی۔ پہلے سے نکال کر رکھے ہوئے کپڑوں کو زیب تن کیا۔ کچے پیلے رنگ کا کلیوں والا فراک تھا۔ جس پر سُرخ کام بنا ہوا تھا۔ کانوں میں چاندی کے بُندے اور دونوں کلائیوں میں بھر بھر کر سُرخ کانچ کی چوڑیاں پہنیں۔۔۔ آخر میں آئینے میں اُبھرتے اپنے عکس کو دیکھ کر ہونٹوں پر مدہم سی مُسکراہٹ اُبھر آئی۔

جب تک اُس نے برتن نکال کر سیٹنگ روم کے ایک کونے میں پڑے دو کُرسیوں والے ڈائننگ ٹیبل پر لگائے باہر اطلاعی گھنٹی بج گئی۔ دھڑکتے دل نے ایک بیٹ مس کی تھی۔

پہلے اُس نے کیک پہ لگی موم بتی جلائی۔ اپنی طرف سے فراز کے لیے خریدا ہوا گفٹ بھی کیک کے قریب رکھ دیا۔ پھر سیٹنگ روم کی لائیٹ بند کرتے ہوئے دروازہ کھولنے آئی۔

"اسلام علیکم۔۔!"

دروازہ کھول کر سامنے کھڑے فراز کو خوشدلی سے سلام کرتے ہوئے۔ اُس نے سامنے سے ہٹ کر اندر

آنے کا راستہ دیا۔

"ایک تو انسان سارے دن کا تھکا ہارا گھر آتا ہے۔ پھر دروازے پہ اتنا وقت کھڑا ہو کر زلیل ہونا پڑتا ہے۔ دروازہ کھولنے میں اتنی دیر کیوں لگائی ہے؟۔۔"۔

"آپ اندر تو آئیں۔۔"

اُس نے فراز کی نظروں میں موجود سرد تاثر کو نظرانداز کر دیا۔ فراز کے ہاتھوں سے بیگ لیکر ایک جانب رکھا۔ اپنے پیچھے باہر کا دروازہ بند کیا۔ اور اپنے دونوں ہاتھ فراز کے آنکھوں پر جما دیئے۔

وہ بل کھا کر یوں پلٹا جیسے نوال نے اُسکی کمر میں چُھرا گھونپ دیا ہو۔

"یہ کیا کر رہی ہو۔؟۔۔۔"

لہجے میں قطعاً گُنجائیش نہ تھی۔

"آپ کے لیے ایک سرپرائز تھا۔ اسلیے میں چاہتی۔ آپ اپنی آنکھیں بند کریں۔"

"تم جانتی ہوناں۔۔!! مجھے ایسی اوچھی وفضول حرکتیں پسند نہیں ہیں۔"

نخوست کا اظہار کرتے ہوئے ہوئے اُس نے آگے بڑھ کر سیٹنگ روم کی لائٹ جلا دی۔

میز پر جلتی شمع پر اُس نے تمسخر بھری نظر ڈالی۔۔

"نوال بیگم یہ اسطرح کے چونچلے جوان لوگوں کو اچھے لگتے ہیں۔ تمہیں تو ہرگز ایسی ادائیں زیب نہیں دیتی ہیں۔ اور ویسے بھی ہم مسلمان ہیں۔ اسلام میں سالگرہ منانے کا کوئی رواج نہیں ہے۔ اُٹھاؤ یہ فضولیات اور کھانا لگاؤ مجھے بھوک لگی ہوئی ہے۔"

ساری خوشی سارا شوق آہستہ آہستہ اپنی موت آپ مر گیا۔ اور بظاہر وہ پُرسکون ندی جیسے کھڑی مسلسل مُسکرائے جا رہی تھی۔

"آپ بیٹھیں تو۔۔۔! کیک کاٹیں اور یہ آپکا گفٹ ہے۔"

وہ آج جیسے فیصلہ کر چکی تھی۔ چاہے کُچھ بھی ہو ہمت نہیں ہارنی۔

سرد نظریں اُس کی طرف اُٹھی تھیں۔ اُس میں جرات نہ ہوئی کہ اُن میں دیکھ پاتی۔ جبکہ فراز نے اپنے

سامنے کھڑی خشبوئیں اُڑاتی عورت کو سر سے پاؤں تک غور سے دیکھا۔ جو خوبصورتی کے ہر پیمانے پر پوری اُترتی تھی۔ بس کمی رہی تو یہ کہ وہ اُسکے دل میں نہ اُتر سکی۔

لکھ بھاویں ہار سنگھار کرے

پئی نخرے ناز ہزار کرے

جُنوں پریتم اپنا نہ سمجھے

اوا جے سُہاگن ہوئی نہیں۔۔۔

"میرے ہی پیسوں سے مجھے گفٹ دیکر کیا ثابت کرنا چاہتی ہو؟۔۔اس فضول خرچی کی آخر ضرورت ہی کیا تھی۔ دو دن بعد میری گاڑی کی قسط جانی ہے۔ مگر تم کیوں ایسی باتوں کا خیال کرنے لگیں۔ مفت کا مال ملا ہوا ہے۔ اندھا دھند اُڑاؤ۔۔۔اب مہربانی کر کے کھانا نکال دو۔"

دل کی گہرائیوں میں بڑا درد جاگا تھا۔

وہ تو حکم دیکر باتھ روم میں بند ہو گیا۔

نوال نے سپاٹ چہرہ لیے کسی ربوٹ کی طرح میز سے کیک اُٹھا کر واپس کچن میں رکھا۔

اندر باہر گہری خاموشی چھا گئی تھی۔ نہ جانے کس کے سوگ میں ساری مُسکراہٹیں ساری روشنیاں گُل کر دی گئیں تھیں۔

اپنے ٹوٹے ہوئے دل کر کرچیوں کو اپنے پیروں تلے روندھتے ہوئے۔ اُس نے اپنی آستین کے ساتھ سُرخ لپ اسٹک رگڑ کر صاف کر دی۔

دماغ نے کتنا سمجھایا تھا۔ مگر اُس نے ہمیشہ کی طرح دل کی ہی مانی۔ دل رولتا ہے۔ برباد کرتا ہے۔ ہمیشہ دھوکا دیتا ہے۔ خوش فہمیوں سے نکلنے ہی نہیں دیتا۔

فراز نے ابھی ایک نوالا ہی منہ میں ڈالا تھا۔ نجانے اُسکو کس کیڑے نے کاٹا۔ اُس نے سالن اُٹھا کر پوری قوت سے فرش پہ دے ماری۔

فاختہ کا سہما ہوا دل کانپ گیا۔ ہرنی جیسی وحشت زدہ نظروں سے اُس نے بلکتے جھکتے فراز پر سے نظر ہٹا کر

کارپٹ پر بکھری چیزوں کو دیکھا۔ جبکہ فراز اپنی جگہ سے کھڑا ہو کر اپنی بیوی کے قریب آیا اور بے دردی سے اُسکے نرم گالوں پر پے در پے دو تین تھپڑ مار دیئے۔

"تمہاری ماں نے تمہیں فیشن کرنے اور ادائیں دیکھانے کے علاوہ کُچھ اور بھی سیکھایا ہوتا۔ تو آج تم کسی کام کی ہوتیں۔"

"جس دن سے میری زندگی میں آئی ہو۔ ناکامیوں اور مایوسیوں کے علاوہ کُچھ نہیں ملا۔"

سائیں سائیں کرتے کانوں اور کانپتے وجود کے ساتھ نیچے بیٹھ کر ٹوٹی ہوئی پیالی کی کرچیاں اکٹھی کرنی چاہیں۔

ظالم کو ذرا رحم نہ آیا۔ دل توڑ کر بھی سکون نہ ملا۔ جو اُسکی کلائی پر اپنے بھاری جوتے سمیت اپنا سارا وزن ڈال کر کھڑا ہو گیا۔

کانچ کی ساری چوڑیاں ایک ہی بار میں ٹوٹ گئیں۔ تکلیف کی شدت سے وہ سسک اُٹھی۔

"بلڈی بدصورت بانجھ عورت۔۔۔!!۔۔۔"

فلیٹ سے نکلنے کے بعد اپنے پیچھے دروازہ پوری قوت سے بند کر کے گیا تھا۔

ہمیشہ کی طرح فراز کا کہا ایک ایک لفظ اُسکے دماغ میں ہتھوڑے کی طرح لگ رہا تھا۔ کارپٹ پہ سالن کے بعد پانی اور اب خون کے دھبے بھی نمایا ہو رہے تھے۔ لڑکھڑاتے قدموں کے ساتھ وہ باتھ تک آئی اور سنک کا نل کھول کر اپنی خون آلود کلائی پانی کی دھار کے نیچے رکھ دی۔

سُرخ کانچ کے باریک باریک ذرے اُسکی جلد میں کُھبے نظر آ رہے تھے۔ ٹھنڈے ٹھار پانی نے جیسے جسم کا وہ حصہ نم کر دیا۔ دوسرے ہاتھ کی کانپتی اُنگلیوں کی مدد سے اُس نے ایک ایک کر کے سارے ٹکڑے نکالے۔ اپنے ہاتھ سے زیادہ اُسکو کارپٹ کی فکر ہو رہی تھی۔ نہ جانے اب ہلدی کا نشان اُترے گا بھی کہ نہیں۔ اور اگر نہ اُترا تو ہو سکتا ہے۔ فراز پھر سے ہاتھ اُٹھائے کیونکہ حال ہی میں اُس نے وہ کارپٹ نیا دلوایا تھا

ٹھنڈے پانی نے خون بھی روک دیا تھا۔ بازو پر ڈریسنگ لگا کر اُس نے کارپٹ صاف کیا۔ پھر سارے برتن اُٹھا کر واپس رکھ دیئے۔ ساری بتیاں بُجھا کر وہیں بیرونی دروازے کے پاس فرش پر گھٹنوں میں سر دیکر بیٹھ

گئی۔ آنکھوں سے کوشش کے بغیر ہی پانی بہتا جا رہا تھا۔

☆......☆......☆

کالی لیدر کی پتلون، ٹی شرٹ کے اوپر بھاری لیدر کی جیکٹ کی زپ بند کرتا وہ اپنے فلیٹ سے نکلا۔ تیزی سے دروازہ لاک کیا۔ کندھے پہ موجود بیگ میں اپنا کیمرہ رکھنے کے بعد سٹریپ کو مضبوطی سے کندھے پر ڈال کر بند کیا۔

بھاری بوٹوں کی دھمک پیدا کرتا۔ وہ بڑی سپیڈ میں سیڑھیاں اُتر رہا تھا۔ باہر اُسکی موٹر سائیکل پر اچھی خاصی برف جمع ہو چکی ہوئی تھی۔ اُس نے پہلے برف جھاڑی اور موٹر سائیکل پر سوار ہو کر سڑک پر جمی برف کی تہہ کو چیرتا ہوا۔ اپنی منزل کو روانہ ہو گیا۔

دسمبر کے دنوں میں برطانیہ کے شہر گلاسکو کی سردی رگوں میں خون منجمند کرنے والی تھی۔ مگر لوگوں کی روزمرہ کی روٹین معمول کے مطابق ویسے ہی چل رہی تھی۔

گھروں کے اندر ریڈ ئیٹرز اور فائر پلیس ہمہ وقت چلتے رہتے۔ راتیں لمبی اور دن انتہائی چھوٹے تھے۔ اس وقت بھی رات کے آٹھ بجے ہی آدھی رات کا گماں ہو رہا تھا۔

موٹر سائیکل والا بڑے غیر محسوس انداز میں ایک گاڑی کے پیچھے جا رہا تھا۔ اور وہ یہ جانتا تھا۔ نئے ماڈل کی بی ایم ڈبلیو کہاں اور کس مقام پر پہنچ کر رُکے گی۔ ہیلمٹ کے پیچھے چھُپے اُسکے لب سختی سے ایک دوسرے میں پیوست تھے۔ جیسے نہ ہی تو کچھ بولنا چاہتا ہو۔ یا پھر سارے الفاظ کہیں کھو گئے ہوں۔

بی ایم ڈبلیو ایک ریسٹورنٹ کے سامنے رُکی تھی۔ اپنی موٹر سائیکل کو پارکنگ میں لے جانے کی بجائے باہر سڑک پر ہی سٹینڈ کر کے اُس نے اپنے بیگ میں سے کیمرہ برآمد کیا۔ اُسے آن کر کے مطلوبہ سیٹنگ لگائی ہیلمٹ کا سامنا شیشہ چڑھا کر آگے بڑھ آیا۔

بی ایم ڈبلیو والا آدمی ریسٹورنٹ کے اندر پہلے سے بک شُدہ میز پر جا کر بیٹھ گیا تھا۔ بیٹھنے سے پہلے وہاں پہ موجود افراد کے گالوں پہ خوش دلی سے بُوسے دیئے۔ اور باہر کھڑے کیمرہ مین نے یہ مناظر اپنے کیمرے کے میموری باکس میں محفوظ کر لیے تھے۔

جب وہ واپس اپنی بائیک اُڑاتا ہوا۔ اپنی اگلی منزل کی طرف رواں دواں تھا۔ بی ایم ڈبلیو والے کو اونچی آواز میں گالیاں دیتا جا رہا تھا۔

☆......☆......☆

"میرے ہونہار' میرے منتوں مرادوں والے لختِ جگر' میرے رشکِ چمن' میرے موتی چور لڈو۔۔ میرے بیف برگر' میرے مینگو شیک' اُٹھ جاؤ آخر کب تک سوتے رہو گے۔"

سعدیہ اپنے مخصوص انداز میں اُسکو جگانے کو آئیں تھیں۔ آگے بڑھ کر پہلے کمرے کے بلائینڈ اُٹھائے۔ پھر اپنے بیٹے کے بیڈ کے پاس آئیں۔ چہرے پر سے رضائی ہٹائی سامنے سیاہ بالوں والا سر نظر آیا۔

"اُٹھ جا میرے نکھے نکھٹو۔۔۔ دنیا چاند پر پہنچ گئی اور تم رہ گئے سوتے کہ سوتے۔۔۔"

"ماں اپنے شوہر کو یہ ملی ترانے سُنا کر شوق پورا نہیں ہوتا۔ جو میری شامت بُلاتی ہیں۔ رات دیر تک کام کرو صبح کوئی دیر تک آرام بھی نہیں کرنے دیتا۔"

"میرے بچے تُو آرام کر کر کے کر کر کے آرام خور ہو گئے ہو۔ ابھی پانچ منٹ میں نکلو بستر سے ورنہ باہر تمہارا باپ ڈولی کے ساتھ سنو بال فائیٹ کھیل رہا ہے۔ سارے بال لا کر تمہارے سر پر نہ مارنے پڑیں۔"

اُس نے نیم وا آنکھوں سے سائیڈ دراز پہ رکھے کلاک کو دیکھا۔ صبح کے ساڑھے سات ہوئے تھے۔

"ہائے ہم بیچارے باپ بیٹا کہاں آپ کی تحویل میں پھنس گئے۔ اماں اتنی صبح سکول جانے والے بچے نہیں اُٹھتے ہیں۔ جتنی صبح ہم لوگوں کو ہائی الرٹ کر دیتی ہیں۔ اگر آج مجھے ناشتے میں پراٹھا نہ ملا تو بتا رہا ہوں۔ واپس بستر میں گھس جاؤنگا۔ پھر چاہے کام سے پکی چھٹی ہی کیوں نہ مل جائے۔"

"تم باپ بیٹا انتہائی پیٹو ہو۔ اطلاع کے لیے عرض کر دوں۔ پہلے ہی تمہارے باپ کی فرمائیش پر آلو کے پراٹھوں کا آمیزہ تیار کر کے آ رہی ہوں۔ کاش اللہ نے مجھے دو تین بیٹیاں اور دی ہوتیں۔ ایک ہی بیٹی ملی وہ بھی شادی کے بعد دوسرے شہر چلی گئی ہے۔ خیر اللہ اُسکو خوش رکھیں۔ تم یہ بتاؤ نیا گھر کیوں خریدا ہے؟۔۔"

ماں کے سوال پر اُس نے ایک جھٹکے سے سر اُٹھایا۔ پھر آنکھیں گھماتے ہوئے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔۔۔

"یہ ابا بھی نا مجال ہے۔ جو کوئی بھی بات آپ سے چُھپا جائیں۔"

”مجھے تو سُن کر خوشی ہوئی ہے۔ آخر تمہیں اپنے جوان ماں باپ کی پرائیوسی کا خیال آ ہی گیا۔ میں تو یہ کہنا چاہ رہی تھی۔ کہ جب گھر لے ہی چکے ہو تو روز روز ادھر کیوں نظر آتے ہو۔ اپنا سامان کب تک لے جا رہے ہو؟ تمہارے سامان نے میرے تین کمرے ایک گیراج گھیرا ہوا ہے۔“

”میری بھولی خوش فہم ماں۔۔۔!! یہ آپ نے کیسے سوچ لیا میں آپکو آزادی دیکر یہاں سے چلا جاؤنگا۔ میں ایک چھوڑ دس گھر بھی لے لوں۔ رہنا میں نے آپ کے ساتھ ہی ہے۔“

”دیکھو احمد لڑکے شادی کرتے ہیں۔ اُنکی بیوی کا مطالبہ ہوتا ہے۔ الگ گھر میں رہنے کا تب لڑکے کو وداع ہو کر نئے گھر جانا ہی پڑتا ہے۔ میرے بیٹے شادی ہی کر لے تا کے کوئی لڑکی تمہیں ساتھ لے جائے۔“

”میں رہا ایسی بیوی سے۔۔۔“

”میرے پیارے بیٹے احمد۔۔۔“

”جی میری پیاری ماں سعدیہ فرمائیں۔“

”میرے بچے اپنے چھ فُٹ لمبے قد کو دیکھ' اپنی تیس سالہ عمر کو دیکھ' اپنے ماں باپ کی جوانی کو دیکھو اور کُچھ شرم کھاؤ۔ تمہاری بہن تم سے چھوٹی ہے۔ اور اُسکے ماشاللہ دو بچے ہیں۔ اور تم ابھی تک ایک کے بعد ایک گرل فرینڈ کھیلا رہے ہو۔“

”اوہ خُدایا۔۔۔!! پھر سے آپکا قومی ترانہ شروع ہو گیا۔“

اُس نے رضائی ایک طرف ڈالی اور اُٹھ کر بیٹھ گیا۔

”قومی ترانے کے بچے میرے بات سُنو' میری نظر میں ایک رشتہ ہے۔“

”پاکستانی مائیں نہیں بدلنے والیں۔ بات ادھر کی ہو رہی ہو۔ یا اُدھر کی بیچ میں رشتوں کا ذکر ضرور لائیں گی۔“

”آپ اتنی باشعور عورت ہیں۔ ماں میرا آپ سے ایک سوال ہے۔۔؟۔۔۔“

”جیسے میں تمہارے سوالوں کو جانتی نہیں ہوں۔ پوچھو کیا پوچھنا ہے؟۔“

”کیا آپ چاہتی ہیں۔ میں اپنے والد صاحب کی ازدواجی زندگی سے کُچھ نہ سیکھوں؟ بچے اپنے بڑوں ہی

سے تو سیکھتے ہیں۔ میں تیس سال سے دیکھ رہا ہوں۔ والد صاحب ڈکٹیٹر شپ کے انڈر زندگی گزار رہے ہیں۔ نہ دن اُنکا اپنا ہے۔ نہ رات' بچارے اپنی پسند کا ٹی وی چینل تک نہیں لگا سکتے۔ اور آپ چاہتی ہیں۔ میں بھی اپنی دل عزیز آزادی لپیٹ کر کسی عورت کے قدموں میں رکھ دوں؟۔۔"

"معاف کیجیے گا یہ کام مجھ سے نہ ہوگا۔"

"اچھا تو گھومتے رہو۔ یونہی چھڑے چھانٹ۔۔ جب مر مرا جاؤنگی۔ تب کرنا شادی تا کہ تمہارے بچوں کو دادی کا پیار نہ ملے۔"

"اُف یار آپ بڑی ہی ظالم حسینہ ہو۔"

اپنی جگہ سے تڑپ کر اُٹھا تھا۔ اور جا کر بیڈ روم صوفے پہ براجمان سعدیہ کے ماتھے پہ پیار کیا۔

"ماں ایسی باتیں مذاق میں بھی نہیں کہنی چاہیں۔ نہ جانے کب کونسی بات سچ ہو جائے۔ اور اگر اللہ نہ کرے آپ کو کچھ ہوا تو آپکا یہ 'لختِ جگر' بھی نہیں جی پائے گا۔"

"پیچھے ہو لفاٹیے۔۔" "اموشنل بلیک میل نہ کیا کرو۔ یہ بتاؤ شادی کے لیے کب سیریس ہونا ہے؟۔۔"

"میں سیریس ہی سیریس ہوں۔ آپ بس ڈھونڈ لائیں کوئی اپنے جیسی۔۔"

"ہائے تو کیا اڑتالیس سال کی کمرہ کمر کی عورت سے شادی کرو گے؟۔"

احمد کا قہقہہ کافی فریش اور بلند تھا۔

"فیگر اور عمر جو بھی ہو۔ اُسکا دل میری ماں جیسا ہونا چاہیے۔"

وہ باتھ روم میں بند ہونے سے پہلے اپنی بات مکمل کر گیا تھا۔

"تم نہیں بدلو گے۔"

سعدیہ نفی میں سر ہلاتی ہوئیں اُٹھ کر کمرے سے باہر آ گئیں۔

پندرہ منٹ بعد وہ اٹین شن موڈ میں کچن میں داخل ہوا۔

"اسلام و علیکم ابا حضور۔۔"

احتشام صاحب نے ایک پل کو اخبار سے نظر اُٹھا کر اپنے خوشبوؤں میں بسے بیٹے کو سر ہلا کر سلام کا جواب

دیا۔وہ اپنا بیگ کُرسی پہ ڈال کر فریج سے اورنج جوس کا کارٹن نکالنے کے بعد سٹینڈ سے گلاس پکڑ رہا تھا۔

اشتام صاحب نے اخبار نیچے رکھا۔عینک اُتار ہر اخبار کے اوپر رکھ دی۔اور پورا فوکس بیٹے کی جانب کیا۔

"کیا آج فارغ ہو؟"

جوس کا گھونٹ بھرتے ہوئے اُس نے بھونیں اچکا کر احتشام صاحب سے پوچھا۔۔۔

"کیا آپکو مابدولت کی خدمت درکار ہے؟۔۔"

"میری گاڑی کی ایم او ٹی ہونے والی ہے۔"

"کیا ایسے سارے بورترین کام کرنے کو میں ہی ملتا ہوں؟۔"

"بھئی میرے بیٹے ہو۔آخر میرا بھی تم پہ کوئی حق ہے۔"

"تو پھر باپ ہونے کا حق ادا کریں۔میرے گھر کی مارگیج میں چالیس ہزار پاؤنڈ کم ہیں۔وہ ادا کردیں۔ میں آپکی گاڑی کی خاطر دو چار گھنٹے سردی میں اکڑ لونگا۔"

"چالیس ہزار کی میری گاڑی نہیں ہے۔اور تم میری گاڑی کو مکینک تک لے جانے کے چالیس ہزار مانگ رہے ہو۔"

"دیکھیئے والدِ محترم اگر بڑے آدمی سے کام لینے کا شوق ہے۔تو بڑے آدمی کی ڈیمانڈ ماننی بھی آنی چاہیے۔ گاڑی کو مکینک تک لیکر جانا آسان کام ہوتا تو آپ مجھے کیوں اس کام کے لیے چُنتے؟۔۔اس سے ثابت ہوا۔ آپ کو بھی علم ہے۔یہ کام لیجنڈ ہی کر سکتے ہیں۔اب بتائیں چالیس ہزار کب دیں گے۔مجھے اسی ہفتے چاہیں۔"

"چالیس ہزار چھوڑ میں چالیس پیسے بھی دینے کو تیار نہیں ہوں۔لوگوں کے بیٹے کما کر باپ کو دیتے ہیں۔ ایک میرا بیٹا ہے۔ہر وقت باپ کی کمائی پہ نظر ہوتی ہے۔"

"اپنے بے مروت شوہر کی باتیں سُن رہی ہیں۔انکو ذرا یاد کروادیں۔میں اتنا سا تھا۔جب سے انکی اُنگلی تھام کر چلنا سیکھا تھا۔آج بڑا ہو گیا ہوں۔مجھے یہ صلہ مل رہا ہے۔اس سے بہتر تھا۔میں بچہ ہی رہتا۔"

"میرے پیارے بس گرل فرینڈز بنانے کے معاملے میں بڑے ہوئے ہو۔باقی ویسی کی ویسی ہیں۔"

"ابا جھوٹ کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔اگر میں آپ لوگوں کا احساس کرکے اپنے سارے کام آپ سے

کرواتا ہوں۔ تو اسکا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے۔ آپ یوں مجھے انکار کریں۔ اب بتائیں پیسے کب دیں گے۔"
"تم دونوں پانچ دس منٹ خاموشی سے بیٹھ کر کھانا کھالو۔ اُس کے بعد اپنے کاروبار پر بحث کرتے رہنا۔"
"سعدیہ شیطان خاموشی سے کھانا کھاتا ہے۔ مسلمان کھانے کے دوران گپ شپ کرتا ہے۔ کیوں سعدیہ کے شوہر صاحب میں ٹھیک کہہ رہا ہوں؟۔"

احتشام صاحب نے گرما گرم پراٹھا اپنی پلیٹ میں نکالتے ہوئے جواب دیا۔

"ہاں سعدیہ کے بیٹے بھلا تم نے کبھی کوئی بات غلط بھی کی ہے۔"

"آپ دونوں سے بات کرنا ہی فضول ہے۔ مجھے تو کئی دفعہ ایسا لگتا ہے۔ بھنڈوں کے ساتھ رہتی ہوں۔"

"سُن لو بھائی اور کرواس عورت کے سامنے بزنس کی باتیں۔ یہ ہم باپ بیٹے کو آگے بڑھتا دیکھ ہی نہیں سکتی ہے۔ پر میں تمہیں چالیس دینے کو تیار ہوں۔ اگر تم میرے اگلے پراجیکٹ میں ففٹی پرسنٹ کے شیئرز خریدنے کی حامی بھرتے ہو۔"

"آپ نے ابھی تک تین دفعہ میرا سرمایا ڈبویا ہے۔ جسکی وجہ سے یہ نوبت آئی کہ مجھے آپکی مدد مانگنا پڑی۔ آپ اس قدر بگڑے ہوئے باپ ہیں۔ کتنی دفعہ کہہ چُکا ہوں۔ ٹیک اوے کا بزنس آپکے مطلب کا نہیں ہے۔ اُس میں آپکا تجربہ صفر ہے۔ اگر اس دفعہ بھی کسی ایسے کام میں ہی گردن پھنسانی ہے۔ تو میری جانب سے معذرت ہے۔"

"نہیں ٹیک اوے کو دفعہ کر دیا ہے۔ اس کام میں اب کوئی جان نہیں رہی۔ ایک ہی جگہ پہ اگر ایک اچھا چلنے لگتا ہے۔ دو اور کُھل جاتے ہیں۔ اس دفعہ میں ایک پراپرٹی پہ انوسٹ کرنا چاہ رہا ہوں۔ بہت بڑا گدام ٹائپ کوئی سٹور ہے۔ اگر ہمیں مل جائے تو اُس جگہ پہ سُپر سٹور کی پرمیشن مل سکتی ہے۔ اگر تمہارے پاس وقت ہو تو ہم ابھی جا کر وہ جگہ دیکھ آتے ہیں۔"

اب وہ پوری توجہ سے احتشام صاحب کو سُن رہا تھا۔

"مجھے آفس کے کام سے جانا ہے۔ پر دوپہر کے وقت آسکتا ہوں۔ اگر تب آپ نہ مصروف ہوئے تو چکر لگا آئینگے۔"

''چلو ٹھیک ہے۔ساڑھے بارہ بجے آ جانا۔''

''تم دونوں سے میں نے بھی ایک ضروری بات کرنی ہے۔''

دونوں کے سر ایک ہی وقت میں سعدیہ کی جانب پلٹے۔۔۔

دونوں کی توجہ حاصل کرتے ہی وہ بولیں۔

''میں کچھ دنوں کے لیے فری کے پاس جانا چاہ رہی ہوں۔''

''نو وئے اماں۔۔۔!! آپکو جانے کی کیا ضرورت ہے۔اُسکو فون کر دیں۔چکر لگا لے گی۔ویسے بھی بچوں کو کرسمس اور نیو ائر کی چھٹیاں ہونی ہیں۔''

''احمد ٹھیک کہہ رہا ہے۔ہم بھی بچوں سے اُداس ہیں۔اُسکو بولو چھٹیاں شروع ہوتے ہی آنے کا پروگرام رکھے۔میں ٹرین کی ٹکٹیں ایڈوانس میں بُک کروا دونگا۔''

''اس دفعہ چھٹیوں میں وہ نہیں آ پائے گی۔اُسکی لندن والی نند نے آنا ہے۔اور ایڈنبرا سے اُسکا دیور دیورانی بھی اپنے بچوں سمیت چھٹیاں اُسی کے ہاں گزارنے جا رہے ہیں۔''

''وہ پہلے ہی اتنی مصروف ہوگی۔آپ مزید کام بڑھانے کا سوچ رہی ہیں۔''

''کبھی سوچ سمجھ کر مت بولنا۔تمہیں جو تکلیف ہے نا وہ میں اچھی طرح جانتی ہوں۔میں کہیں جانے کا نام لوں ساتھ ہی تم لوگوں کو پیٹ درد شروع ہو جاتا ہے۔میری تو جیسے کوئی زندگی ہی نہیں ہے۔بس مفت میں کھانے بنانے والی ملی ہوئی ہے۔''

''ابا بالکل متاثر نہیں ہونا۔جذباتی طور پر بلیک میل کر رہی ہیں۔جانے کی اجازت نہیں دینی''

''میں نے تم دونوں سے اجازت نہیں لی ہے۔بلکہ اپنا فیصلہ سُنایا ہے۔فری کو کہہ کر میں نے اگلے ہفتے کی ٹکٹ کروالی ہے۔''

دونوں مرد حضرات کھانا بھول کر سعدیہ کا منہ دیکھ رہے تھے۔جو اپنی مسکراہٹ دباتی ہوئیں کُرسی سے اُٹھ کر احمد کے کپ میں کافی نکالنے لگیں۔

''آپ جانتی ہیں۔اس گھر میں آپ ایک پل کو نظر نہ آئیں گھر کھانے کو دوڑتا ہے۔''

”ہاں تم تو چوبیس گھنٹے گھر پہ بندر ہتے ہو۔ ابھی کے گئے شام ڈھلے واپس آ ؤ گے۔“

احتشام صاحب نے پریشانی سے پوچھا۔۔۔

”کتنے دن رہنا ہے؟۔۔“

”کم از دو ہفتے تو لگ ہی جائیں گے۔“

دونوں ایک ساتھ چلائے۔۔۔

”دو ہفتے۔۔۔!!۔۔“

”اتنے زیادہ دن۔۔۔ ہرگز بھی نہیں۔ ابا آپ انکے ساتھ جائیں دو ایک رات رہ کر بچوں سے مل آئیں۔ بس بہت ہے۔ یہ اکیلی گئیں دو ہفتے تک ہم باپ بیٹا یہاں اکیلے سڑتے رہیں گے۔“

”تم لوگ انتہا کے خود غرض ہو۔“

”ہماری محبت کو ہماری خود غرضی مت سمجھو نور جہاں زیادہ سے زیادہ چار دن اس سے زیادہ نہیں رُک سکتی ہیں۔ کیوں ابا حضور۔۔۔؟۔۔“

”ہاں ٹھیک کہہ رہے ہو۔ اور سعدیہ اگر زیادہ دن ہی رہنا ہے۔ تو ہم دونوں کو بھی ساتھ ہی لے جانا۔“

سعدیہ نے اپنا سر پیٹ لیا۔ ہر دفعہ یہی ہوتا تھا۔ پر اس دفعہ وہ بھی اپنا کا ذہن بنا چکی تھیں۔

☆......☆......☆

لیلٰی نے اپنے تازہ ترین سٹریٹن کیئیے بالوں کو ایک جھٹکا دیا۔ اور اپنی گود میں بیٹھے تیرہ ماہ کے بیٹے کو ایک ٹانگ سے دوسری پر منتقل کیا۔

وہ مسلسل اپنے سامنے بیٹھے شخص کو فش برگر' فرائز اور لارج سائز میلک شیک سے لطف انداز ہوتے دیکھ کر گھور رہی تھی۔

ندیدوں کی طرح میرے نوالے گننے بند کرو۔ اور اپنی کافی کی جانب دھیان دو جو ٹھنڈی ہو رہی ہے۔

”حدید میں نے ایک چھوٹا سا کام تمہارے ذمہ لگایا تھا۔ چار ماہ ہو گئے تمہیں پوچھتے ہوئے آخر تم مجھے کوئی جواب کیوں نہیں دیتے۔“

”کس بارے میں جواب چاہتی ہو؟۔۔“

آنکھیں سکیڑ کر بڑے انداز سے پوچھا گیا تھا۔جواب میں لیلیٰ ضبط کرتے ہوئے بولی۔

”حدید میں یہ میلک شیک تمہارے اُلجھے ہوئے بالوں میں انڈیل دونگی۔“

”اور تم یہ ظلم کیوں کر کرو گی؟۔۔“

”تمہاری یادداشت واپس لانے کے لیے۔۔“

”اُس کے لیے اتنی سردی میں اتنا مہنگا شیک باتھ دینے کی کیا ضرورت ہے۔سیدھے سے بتا دو۔کس بات کی جانب اشارہ کر رہی ہو۔اتنے ڈھیر سارے کام یہاں سے وہاں بکھرے پڑے ہوتے ہیں۔مجھے تو اپنا نام تک بھول جاتا ہے۔“

لیلیٰ نے جیسے سر پیٹ لیا۔

”میں اچھی طرح جانتی ہوں۔سب ڈرامے کر رہے ہو۔پھر بھی یاد کروا دیتی ہوں۔میں نے تم سے درخواست کی تھی کہ میرے شوہر پر نظر رکھو۔اور مجھے اُسکے بارے میں تفتیش کر کے بتاؤ آیا وہ واقعی اپنی ماں کے ساتھ رہتا ہے۔یا میرے ساتھ جھوٹ بول رہا ہے؟۔۔“

اک لمحے کے لیے لیلیٰ کو حدید کے چہرے پر بڑا سنجیدہ اور انجانا سا تاثر نظر آیا تھا۔مگر اگلے ہی لمحے غائب ہو گیا۔

”اوہ اچھا تمہارا بچارہ شوہر۔۔۔“

”او بی بی سیدھا سادہ سا شریف آدمی ہے۔اور جب وہ بچارہ کہتا ہے کہ اپنی ماں کے ساتھ رہتا ہے۔تو تمہیں اُسکی بات پر یقین کرنا چاہیے۔ویسے بھی لیلیٰ ڈیئر تفتیش کرنی بھی ہو ناں تو شادی سے پہلے کرتے ہیں۔بعد میں نہیں۔اب کیا ہوت جب چڑیاں چُگ گئیں کھیت۔۔“

”کیا مطلب ہے تمہارا؟اگر شادی کے بعد شوہر جھوٹا نکل آئے تو اُسکو کُچھ نہیں کہنا چاہیے؟“

”جی ہاں۔۔!!بس گلے پڑا ڈھول بجانا چاہیے۔“

”حدید تم مجھے ڈرا رہے ہو۔کیا وہ میرے ساتھ جھوٹ بول رہا ہے؟۔۔“

”بس تم عورتوں کا بھی کوئی حال نہیں اتنا سا دل ہوتا ہے۔“

”اُس نے جو کُچھ تمہیں کہا ہے۔سب سچ ہے۔“

”تم کیسے کہہ سکتے ہو؟۔۔“

”ایسے کہہ سکتا ہوں۔کیونکہ میں اُسکے پیچھے اُسکے گھر گیا تھا۔“

”کیا سچی میں؟۔۔“

اب کہ وہ حیران ہوئی تھی۔

”ہاں تو اور کیا۔تمہاری خاطر میں نے دودھ کی نہر نہ کھودی ہو پر اتنا خطرناک کام کر گیا ہوں۔بجلی کا میٹر پڑھنے والا بن کر گیا تھا۔دروازہ اُسکی ماں نے کھولا تھا۔“

”تم مجھے اُسکے گھر کا پتا بتاؤ۔ابھی جا کر اُسکی ماں کے سامنے اُنکا پوتا رکھوں گی۔پھر دیکھنا بھلا کیسے وہ مجھے قبول نہیں کریں گی۔“

”تم آدھی نہیں پوری پاگل ہو۔اُس نے ماں کو شادی تک کا نہیں بتایا ہوا۔تم چلی ہو پوتا لیکر۔۔۔کیا پاکستانی ماؤں کو جانتی نہیں ہو؟۔۔“

”تو پھر کیا کروں؟۔۔اُس نے مجھے گھر لیکر دیا ہے۔پر رہتا اپنی ماں کے ساتھ ہے۔میں بڑی تنگ آ گئی ہوں۔“

لیلی اس مقام پر خود کو بڑا بے بس محسوس کر رہی تھی۔

”کرنا کُچھ بھی نہیں ہے۔آرام تحمل سے اپنے گھر بیٹھو۔بچہ پالو دو سال کا ہوتا ہے۔تو کسی ڈے کیئر پر ڈال کر خود اپنی جاب پر واپس آؤ۔گھر بیٹھ کر ساس بہو سازشی ڈرامے دیکھ دیکھ کر تمہارے ذہن کو زنگ لگ رہا ہے۔باقی کے معاملات اپنے اُس اُلو پر ہی چھوڑے رکھو۔“

”تم میرے سامنے میرے شوہر کو اُلو بول رہے ہو۔۔“

”سامنے بولنے پر اعتراض ہے۔چلو کوئی نہیں تمہارے پیچھے بھی بول دونگا۔اب خوش؟۔۔“

لیلی نے ہنستے ہوئے اُسکے بازو پر ایک چپت لگائی۔

"تم نہیں سُدھر سکتے۔۔"

"ہم نے سُدھر کر کیا کرنا ہے۔ ہمارا کونسا کاروبار رُکا ہوا ہے۔ کیوں بھئی اُلو کے بچے؟ لو یہ چپس کھاؤ تمہارے باپ کی کمائی سے ہے۔"

لیلٰی اُسکو گھورتے ہوئے چلائی۔

"حدید۔۔۔!!۔۔"

"آہستہ بولو کان کا پردہ پھاڑو گی۔۔"

"کان کا پردہ نہیں تمہارا سر پھاڑونگی۔"

وہ ہنستا چلا گیا۔۔۔

☆......☆......☆

غماں دی رات لمبی اے

یا میرے گیت لمبے نے؟

نہ پیڑی رات مُکدی اے

نہ میرے گیت مُکدے نے۔۔۔

شیو کمار بٹالوی

بہت سی راتوں کی طرح اُس دن کی رات بھی گُزر ہی گئی تھی۔ وہ پورا ہفتہ اپنے بائیں ہاتھ سے کُچھ کام نہ کر پائی تھی۔ کیونکہ کلائی میں سوجن ہو جانے اور دوا نہ لینے کی وجہ سے زخم بڑھ گیا تھا۔

فراز اُس رات کیا نکلا اگلے دن گھر آیا تھا۔ اور ایسا تو اب بہت زیادہ ہونے لگا تھا۔ جب بھی وہ لڑ بھڑ کر گھر سے نکلتا کئی بار دو دو دن تک گھر نہ آتا۔ نوال نے یہ جاننے کی کوشش ہی نہ کی کہاں رہتا ہے۔ ظاہری بات ہے اتنے سارے تو اُسکے دوست تھے۔ کہیں بیٹھا رہتا ہوگا۔ اُسکو پوچھ کر وہ ایک نئی جنگ کی شروعات نہیں چاہتی تھی۔ وہ اُسکے لعن طعن کے ساتھ ساتھ ہر قسم کے رویے کی عادی ہوتی جا رہی تھی۔ اور یہ کوئی اچھی بات تو نہیں تھی۔

فراز کے ساتھ اُسکی شادی پاکستان میں ہوئی تھی۔ جہاں فراز کی ساری فیملی مقیم تھی۔ جس میں دو بڑے

بھائی اور ایک چھوٹی بہن کے علاوہ ماں تھیں۔ والد کے انتقال کو بڑا عرصہ ہو چکا تھا۔ خود نوال کی امی کا انتقال اُسکی پیدائیش کے وقت ہوا تھا۔ پرورش ابو اور پھوپھو نے کی اُس کی شادی کے چھ ماہ بعد ہی ابو ڈائبیٹیز کے سامنے ہار گئے۔ اب ایک پھوپھو ہی تھیں۔ جن کے ساتھ کبھی کبھار فون پر رابطہ ہو جاتا تھا۔ بنیادی طور پر اُسکا سب کچھ اب بس فراز ہی تھا۔ جسکی وجہ سے وہ اُسکے ہر جائز و ناجائز رویے کو برداشت کرتی۔ جیسے آپ اپنے اکلوتے لاڈلے بچے کی ہر بات پر چُپ اوڑھتے ہیں۔

شروع شروع میں جب وہ یہاں آئی تھی۔ فراز نے صاف لفظوں میں کہہ دیا تھا۔ کہ اُسکو اپنا خرچ آپ اُٹھانا ہوگا۔ اسلیے وہ جاب بھی کرتی رہی تھی۔ مگر ہر دوسرے دن چہرے یا جسم کے دوسرے کسی حصے پر اُبھرنے والے نشانات نے اُسکا کام کرنا ناگزیر بنا دیا۔

اب بھی وہ تھوڑے پیسے اخبار و میگزین میں کالم لکھ کر بنا لیتی تھی۔ جو اُس کے ذاتی خرچ کے لیے ناکافی ہوتے۔ اس صورت میں فراز سے مدد لینا پڑتی تھی۔ یا کبھی وہ خود ہی اپنی ذمہ داری کا احساس کر کے خرچہ دے دیا کرتا تھا۔

اُسکے علاوہ کمیونٹی سینٹر میں فری اُردو کی کلاسیں دیتی تھی۔ اور خود وہاں بیکنگ کی کلاسیں لیتی تھی۔ وہیں سے ابتدائی کلاسوں میں سیکھ کر ہی اُس نے فراز کے لیے کیک بنایا تھا۔

آج اُسکے موبائل پر میسیج موصول ہوا تھا۔ بیکنگ کی ٹیچر آج ٹیسٹ لے گی۔ اب تک جو بھی سکھایا گیا تھا۔ ٹیسٹ اُسی پر مبنی ہوگا۔ پچھلا پورا ہفتہ وہ گھر سے نکلی ہی نہ تھی۔ مگر آج تو جانا ضروری تھا۔

درجہ حرارت مسلسل کم رہنے کی وجہ سے سنو اب سخت برف میں تبدیل ہو کر پھسلن بن چکی تھی۔ اسلیے بڑی احتیاط سے چلنا پڑتا ورنہ کوئی بھی آسانی کے ساتھ ایک نہ ایک ہڈی تڑوا سکتا تھا۔

سُرخ گرم کوٹ کے ساتھ ہائی بوٹ، سر پہ اونی ہیٹ و مفلر اور دستانے پہنے وہ آہستہ قدموں سے کمیونٹی سینٹر کو جا رہی تھی۔ جب ایک دم پیچھے سے آنے والے ایک ہاتھ نے اُسکی گرفت سے باسکٹ اُچک لی۔ جس میں وہ آئیسنگ وغیرہ کے لیے مُختلف سامان لیکر آئی تھی۔

”ہیلو مس نوال اتنے دنوں سے آپ کہاں غائب تھیں۔؟۔“

ابھی وہ چونک کر پلٹنے ہی والی تھی۔ کہ گرمجوش لہجہ پہچان کر گردن وہیں اکڑ گئی۔اس آدمی سے وہ سخت عاجز تھی۔آج تو پھٹ ہی پڑی۔

”محمد میں تمہیں ایک سو ایک دفعہ یہ تاثر دے چکی ہوں۔ میں تم سے بات کرنے میں دلچسپی نہیں رکھتی ہوں۔ تو پھر تم مجھے مخاطب کرنا اہنا فرض کیوں سمجھتے ہو؟۔آتے جاتے کلاسوں میں مسلسل سر کھاتے ہو۔“

”کمال کرتی ہیں آپ۔۔۔!! آپ نے خود ہی تو رضا مندی دی تھی۔اپنی مرضی سے ہاں کہی تھی۔“

”اوئے پائی کونسی رضا مندی کیسی ہاں؟۔۔

محمد کی نظریں نوال کی سُرخ ہوتی ناک پر تھیں۔جنہیں محسوس کر کے نوال کو اور غُصہ آیا۔

”بھول بھی گئی ہیں۔ جب میں نے آپ سے پوچھا تھا۔کیا میری دوست بنیں گی۔تو جواب میں آپ خاموش رہی تھیں۔اب مشرق میں تو لڑکیوں کی خاموشی کا مطلب ہاں ہی ہوتا ہے۔“

”اگر تم اپنی آنکھوں کا استعمال بھی کر لیتے تو جان جاتے۔میری خاموشی میں ہاں نہیں نہ تھی۔کیونکہ میں تم سے بات ہی نہیں کرنا چاہتی تو دوستی کیسی؟۔۔“

”اب پہلی اور آخری مرتبہ بتا رہی ہوں۔اپنے کام سے کام رکھا کرو۔ادھر کرو میری باسکٹ اور شرافت سے اپنا راستہ ناپو۔۔۔“

”چلیں دوست نہ سہی میری اُردو کی اُستانی تو ہیں ہی ناں۔تو شاگرد ہونے کی حیثیت سے میں آپکی مدد کر ہی سکتا ہوں۔ویسے اتنی بھاری باسکٹ میں کیا کچھ رکھ کر لائی ہیں۔؟۔۔“

وہ نوال کا بڑھا ہوا ہاتھ نظر انداز کرتا دو چار قدم آگے بڑھ گیا۔

غُصے سے اُسکو گھورتے ہوئے نوال نے پیر پٹخے اور لمبے لمبے ڈگ بھرتی اُس سے پہلے کمیونٹی سینٹر کا گیٹ پار کر گئی۔

محمد کی وہاں پر ریسپشنسٹ سے لیکر جینیٹر تک سے دوستی تھی۔ ہر کلاس کے اُستاد اور طالبِ علموں سے واقفیت بنائی ہوئی تھی۔سب سے ہیلو ہائے کرتا جب وہ کلاس میں پہنچا تو اُنکی بیکنگ ایکسپرٹ مسز مارگریٹ پوری کلاس کو دو دو لوگوں کے گروپ میں تقسیم کر کے آلمنڈ کیک بنانے کا ٹاسک دے چکی تھیں۔

باقی کی ساری کلاس تو اپنے کام میں مصروف ہوگئی تھی۔ بس نوال کھڑی تھی۔ جیسے مسز مارگریٹ کے فیصلے پر اعتراض تھا۔

''آپ پلیز میرے ساتھ کسی اور کی ٹیم بنا دیں۔ میں ہرگز بھی محمد کی پارٹنر نہیں بنوں گی۔''

''کیوں؟۔۔''

پچاس سالہ مارگریٹ نے ناسمجھی سے پوچھا۔

''کیونکہ وہ کسی بھی کلاس میں سیکھنے کی طرف تو توجہ دیتا نہیں ہے۔ اپنے ساتھ ساتھ وہ مجھے بھی مفت میں فیل کروائے گا۔''

''مس نوال پورا ہفتہ آف رہنے کے بعد یہ اپنی سزا ہی سمجھو۔ چلو اب شاباش اپنا کام شروع کرو۔ تم لوگ پیچھے رہ گئے ہو۔''

مارگریٹ سے مایوس ہوکر نوال واپس اپنے کاؤنٹر پر آئی۔ ایک نظر محمد کو گھورا۔۔

کیپ کے نیچے کالی موٹے عدسوں والی عینک میں محمد کی آنکھیں ضرورت سے زیادہ بڑی نظر آتی تھیں۔

مارگریٹ نے اپنی ہنسی چھپائی۔

محمد نے اُسکی باسکٹ لاکر کاؤنٹر کے اوپر رکھ دی۔

''ویسے مجھے اندازہ نہیں تھا۔ آپ مجھے اس قدر ناپسند کرتی ہیں۔۔''

محمد کی آواز کو نظرانداز کرتی وہ کاؤنٹر کے درازوں میں سے مطلوبہ چیزیں نکالتی رہی۔

''میں تو بچپن سے ہی لوگوں کے روڈ رویوں کا عادی ہوں۔ پھر جب مجھے کوئی یہ احساس دلواتا ہے۔ کہ میں ایک مکمل اور نارمل انسان نہیں ہوں۔ تو بہت دُکھ ہوتا ہے۔''

اب کی بار وہ ٹھٹھک گئی۔ ہاتھ میں پکڑا بڑا سا باؤل ایک طرف رکھ کر پیچھے مڑی۔

تاثرات یکسر بدل چکے تھے۔ ابنارمیلٹی ڈھونڈنے کی نیت سے اُس نے محمد کو سرتاپاؤں جانچا۔ گھسی ہوئی جینز' ملکی ماؤس والا سُرخ اونی سوئٹر۔۔۔' پیروں میں بھاری بوٹ' کلین شیو چہرے پر ساری توجہ آنکھیں گھیر لیتی تھیں۔ چوڑے شانے دراز قامت پر اپنی باتوں سے وہ پورا بنا بنایا گدھا لگتا تھا۔

”میرا تو ایسا کوئی مقصد نہیں تھا۔ سچی بات تو یہ ہے۔ مجھے تو تم اچھے خاصے معقول انسان ہی لگتے ہو۔ بس سر بڑا کھاتے ہو۔ اور باتیں بھی کبھی کبھار کھسکے ہوؤں سی کرتے ہو۔“

نوال کے چہرے پر ہمہ وقت رہنے والے سرد تاثرات میں کمی ہوتی دیکھ کر محمد کی ہمت بندھی۔

”اصل میں بچپن میں بہت دیر سے میں نے باتیں کرنا شروع کی تھیں۔ اُسی خوشی میں کبھی کبھی بہت زیادہ بول جاتا ہوں۔ ورنہ یقین کریں سارے رشتے دار میرے والدین کو مبارک دیکر گئے۔ کہ بیٹا تو گونگا ہے۔“

نوال کے ہونٹوں پر بے اختیار مُسکراہٹ دوڑ گئی۔

”محمد کیا خیال ہے اب کیک بنائیں؟ سارے لوگ اتنی سپیڈ سے آگے نکل گئے ہیں۔ ہم لوگ پکے فیل ہونے والے ہیں۔“

”ہم لوگ کبھی فیل نہیں ہونگے۔“

قطعی انداز میں کہتے ہوئے محمد کے لہجے میں ایسا کُچھ ضرور تھا۔ جس نے نوال کو اُسکی طرف دیکھنے پر مجبور کر دیا۔ گڑبڑا کر محمد نے کہا۔

”میں بہت تیزی سے انڈے اور مکھن مکس کر سکتا ہوں۔ چینی کو بھی دو منٹوں میں یک جان کر دوں گا۔ جیت ہماری ہی ہوگی۔“

”اچھا دیکھتے ہیں۔ آثار تو ہار کے ہی ہیں۔“

وہ ملانے والے سارے اجزا اُسکے سامنے رکھتی گئی۔ جنہیں وہ اپنے کہنے کے مطابق منٹوں میں تیار کر کے اُسے پیش کرتا گیا۔ یہ الگ بات کہ اُسکا سوئٹر' ہاتھ' چہرہ' کاؤنٹر' فرش' ہر طرف میدہ ہی میدہ نظر آ رہا تھا۔

پھر بھی دونوں پورے وقت پر کیک اوون میں رکھ چکے تھے۔ اُس طرف سے تھوڑی تسلی ہونے کے بعد رُخ کاؤنٹر کی طرف کیا تو گہری سانس بھر کر رہ گئی۔ انڈوں کے چھلکے' بادام کے چورے والے خالی پیکٹ' آٹا' چینی۔۔ یہاں سے وہاں ہر طرف بکھرے تھے۔ اور عین کاؤنٹر کے اوپر بیکنگ پاؤڈر کا جار اُلٹا پڑا تھا۔

مسز مارگرٹ نے دوسرے سبھی کاؤنٹرز کی جانب اشارہ کر کے خاموشی سے اُنکو شرم دلوائی۔

نوال نے محمد کو دیکھ جس نے جواب میں سپنج اور سپرے دیکھا کر پوز مارا۔

جب تک کیک تیار ہوا۔ دونوں صفائی ہی کر پائے تھے۔ جبکہ باقی ٹیمیں اپنی اپنی آئیسنگ تیار کر رہی تھی۔ مسز مارگریٹ کے ساتھ ججز میں اُن کی ایک دوست بھی شامل تھیں۔ جب وہ ہاتھ میں فورک اور پیپر پلیٹ لیکر اُس لمبی سی میز کے قریب آئیں۔ جس پہ سبھی نے اپنے تیار شدہ کیک لائن سے رکھے ہوئے تھے۔ سارے کیک سادہ مگر خوبصورت انداز میں سجائے گئے تھے۔ سوائے ایک کیک کے۔ جو سائز میں سب سے بڑا تھا۔ سیدھی سادی ڈیکوریشن کی بجائے کیک کے اوپر پورا باغیچہ بنا ہوا تھا۔ ساتھ میں ایک طرف پولٹری فارم نظر آرہا تھا۔ نیلے پیلے ہرے رنگوں کا امتزاج، ججز کے علاوہ ساری کلاس اُس کیک کی باری آنے پر قہقہوں میں نہائی تھی۔ مگر جسکا وہ کارنامہ تھا۔ وہ یوں سنجیدہ شکل بنائے کھڑا تھا۔ جیسے زندگی موت کا فیصلہ ہو۔ نوال کو ہمدردی مہنگی پڑی تھی۔ وہ صرف مُسکرا کر بولی تھی۔ اور محمد نے کیک کے اوپر بھی لکھ دیا تھا۔ ''دوستی زندہ باد'' آخر جیت دوستی کی ہی ہوئی۔ کیونکہ دیکھنے میں وہ کیک جتنا اوٹ پٹانگ تھا۔ مزے میں سب سے اچھا بنا ہوا تھا۔

محمد نے شوخ نظروں سے اُسکو دیکھتے ہوئے جتایا۔

''دیکھا پھر مسٹر مسلز کا کمال۔''

''زیادہ بنو مت سارے اجزا کی پیمائش تو میں نے ہی کی تھی۔ ورنہ دیکھتی تم کیسے جیتتے۔۔۔''

''یعنی سارا کریڈٹ آپ لینا چاہتی ہیں۔''

''نہیں بس اگلی دفعہ میں مکسنگ کرونگی۔ اور تم پیمائش کرو گے۔''

''منظور ہے۔ مگر یاد رکھنا میں نے آپ کو ہرا دینا ہے۔''

بعد میں سارے کیک ہال میں رکھ کر سارے میمبرز کو دعوت دی گئی۔ چائے اور کافی کے ساتھ گپوں کے دوران سارے کیک چٹ کیئے گئے۔

جس وقت وہ واپسی کے راہ پر گامزن ہوئی۔ اندھیرا اپھیل چکا تھا۔ پارک کے ساتھ ساتھ بنے جنگلے کو تھامے وہ قدم بڑھا رہی تھی۔ ہنسی کا خول اُتر چکا تھا۔ گہری اُداسی نے ایک دفعہ پھر اپنی آغوش میں لے لیا۔ جیب میں رکھے فون پہ میوزک لگا کر ہیڈ سیٹ کانوں میں ٹھونسا۔

کوئی اپنا نہیں غم کے مارے ہیں ہم

آپ کے در پہ فریاد لائے ہیں ہم

ہو نگاہِ کرم ورنہ چوکھٹ پہ ہم

آپکا نام لے لیکے مر جائیں گے۔۔۔

تاجدارِ حرم ہو نگاہِ کرم

سُنسان فُٹ پاتھ پر چلتے ہوئے۔اُسے پتا بھی نہ چلا۔نہ جانے کب آنکھوں سے پانی نکل آیا۔

چہرے پر پھیلنے والی نمی کو دستانوں مین جذب کر کے منہ اور ناک اے بھاپ نکالتی وہ برف پر پیروں کے نشان چھوڑتی ہوئی اکیلی ہی جا رہی تھی۔بس اکا دُکا گاڑیاں آ جا رہی تھیں۔

موبائل کی بیل ہوئی۔نمبر نظر نہیں آ رہا تھا۔مگر کُچھ سوچتے ہوئے اُس نے کال اُٹھالی۔ہوسکتا ہے۔پاکستان سے کال ہو۔

"نوال زہرہ۔۔"

دوسری جانب مدھم مگر بھاری آواز میں تصدیق نہیں کی گئی تھی۔بلکہ بڑے یقین سے اُسکا نام لیا گیا تھا۔

"کون؟۔۔"

دوسری جانب اُسکے سوال کو نظر انداز کر دیا گیا۔

"ایک بات ذہن نشین کر لو نوال زہرہ کے آج کے بعد تم نے یہ سوچ کر آنسو نہیں بہانے ہیں۔کہ دنیا میں تمہارا اپنا کوئی نہیں ہے۔"

(ابھی وہ یہی سوچ کر رو رہی تھی)۔۔یہ کون تھا؟۔جسکو اُسکی سوچ تک رسائی تھی۔

"ک کون؟۔۔"

"تمہارے سامنے چند قدم کی دوری پر لیٹر باکس نظر آ رہا ہے۔"

میکانکی انداز میں اُس نے اپنے سامنے دیکھا۔سُرخ لیٹر باکس چند قدم کے فاصلے پر ہی تھا۔اب وہ ڈر گئی تھی۔اپنے چاروں اور نظر دوڑائی۔۔۔

"لیٹر باکس پر تمہارے لیے ایک لفافہ رکھا ہوا ہے۔وہ اُٹھا لو۔۔۔"

”تم کون ہو؟ میرا نام کیسے جانتے ہو؟ میں بھلا کیوں کوئی لفافہ اُٹھاؤں؟۔۔تمہیں اگر یہ علم ہے کہ لیٹر باکس مجھ سے تھوڑا دور ہے۔تو یقیناً تم اس وقت مجھے دیکھ رہے ہو۔“

دوسری جانب تمام سوالوں کے جواب میں خاموشی رہی۔

”پندرہ لینگ سائیڈ روڈ پر تمہارا فلیٹ دوسری منزل پر ہے۔اگر لفافہ نہیں اُٹھاؤ گی۔تو میں پوسٹ کردونگا۔“

ساتھ ہی لائن بے جان ہوگئی۔

اُسکے قدم تیزی سے آگے بڑھے۔وہ دیکھ لینا چاہتی تھی۔لفافے میں ایسا کیا ہے۔یا شائد فون کرنے والے کا کوئی سُراغ ہی مل جائے۔

سٹریٹ لیمپ کی روشنی میں لفافہ چاک کرنے سے پہلے اُسکو ئی خیال آئے۔ہوسکتا ہے۔کوئی دھماکہ خیز مواد ہو۔ادھر میں پکڑوں اُدھر کوئی بٹن دبا دے۔پر ایسا کام فراز کے علاوہ کون کرے گا؟۔چلو اچھا ہے مرجاؤں اُسکی بھی جان چھوٹے گی۔“

مگر جو چیز اُسکے سامنے آئی وہ رونگٹے کھڑے کرنے کو کافی ثابت ہوئی۔ایک بعد دوسری تیسری چوتھی اور نہ جانے کتنی فورائے سائز کی تصویریں تھیں۔مدہم روشنی میں بھی وہ ہر تصویر میں نظر آنے والے چہرے کو پہچان سکتی تھی۔

سارے جسم سے جان نکلتی ہوئی محسوس ہوئی۔وحشت زدہ ہوکر اُس نے سڑک کے آگے پیچھے نظر دوڑائی اور پھر دوڑنا شروع کردیا۔جنگلے کو تھام کر دوڑتی چلی گئی۔

تصویریں اُسکے سینے میں بھینچی ہوئی تھیں۔پھولی ہوئی سانسوں کے درمیان سیڑھیاں پھلانگتے ہوئے۔فلیٹ تک آئی۔کانپتے ہاتھوں سے چابی لگا کر گھمائی۔کلک کی آواز کے ساتھ ہی وہ دروازہ دھکیلکر اندر داخل ہوئی۔تب ہی وہاں پر کسی کی موجودگی کا احساس ہوا۔

ہال کی بتی بجھی ہوئی تھی۔مگر سیٹنگ روم سے ٹی وہ کی آواز آ رہی تھی۔

”تو کیا فراز آج جلدی گھر آ گیا ہے؟۔۔“

بے اختیار ہاتھ میں پکڑے لفافے پر گرفت مضبوط ہوئی۔

''تم بھاگتی ہوئی آئی ہو؟۔۔''

اندر سے آنے والے سوال نے فراز کی موجودگی کی تصدیق کردی۔

اُس نے ہونٹوں پر زبان پھیر کر سینے میں ہوا کھینچی۔دروازے تک گئی۔تصویریں پشت کے پیچھے کرلیں۔

''وہ اندھیرا پھیل گیا تھا۔اسلیے ڈر لگ رہا تھا۔''

''کیا تمہیں بھی کسی چیز سے ڈر لگتا ہے؟۔۔''

فراز نے اک لمحے کو سکرین سے نظر ہٹا کر اُسکی جانب دیکھا۔

اُس نے کوئی جواب نہ دیا۔شائد وہ اُسکی آنکھوں میں چمکتے پانی کو دیکھ کر نرم ہوا تھا۔یا اپنے کسی مطلب کو۔۔۔

''مجھے کال کر دیتیں میں تمہیں پک کر لیتا۔''

''میرے علم میں نہیں تھا۔کہ آپ گھر پہ ہیں۔''

''اب یقیناً مجھے یہاں موجود پا کر مایوسی ہوئی ہوگی۔''

''نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں۔آپ کو دیکھ کر مجھے ہمیشہ خوشی ہی ہوتی ہے۔''

کُچھ دیر وہ اُسکو چُبھتی' آر پار جاتی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے۔تولتا رہا پھر بولا۔

''جلدی سے تیار ہو جاؤ۔۔آج نو بجے ایک پرائیویٹ کلینک پر تمہاری اپوائنمٹ لی ہوئی ہے۔''

اُداسی کی چادر گہری سے گہری تر ہوتی چلی گئی۔مگر خوبصورت چہرے پر مُسکراہٹ اُجاگر رہی۔

''جی اچھا۔۔۔کیا پہلے آپ کے لیے کھانے کو کُچھ لاؤں؟۔''

''ہاں چائے بنا دو۔ساتھ میں فرج میں ڈونٹ اور مفنز وغیرہ لایا ہوں۔وہ دے دو۔۔۔''

(تم میٹھا خرید کر لائے ہو۔وہ کیا جو میں نے محبت سے تمہارے لیے بنایا تھا؟۔)

دل کی زمین گیلی گیلی ہی رہتی تھی۔یہ بھلا کوئی نئی بات کب تھی۔

''جی اچھا ابھی لائی۔۔۔''

وہیں سے سیدھی کچن میں آ گئی۔کُوئی سمجھ نہ آیا لفافے کو کہاں چُھپایا جائے۔واشنگ مشین کے اوپر رکھی

ڈُھلے کپڑوں والی ٹوکری میں ہی نیچے کر کے رکھنے کے بعد کپڑوں سے ڈھانپ کر چُھپا دیا۔

کوٹ وغیرہ اُتار کر چائے رکھی۔ ساتھ بازار سے آئی چیزوں کو سلیقے سے پلیٹوں میں نکالا۔ مگر ذہن میں سارا وقت تصویریں ہی گھومتی رہیں۔ تیار ہوتے ہوئے بھی' گاڑی میں فراز کے برابر بیٹھ کر جاتے ہوئے بھی' کلینک کے ویٹنگ روم میں بیٹھے ہوئے بھی۔ مگر ڈاکٹر کے سامنے بیٹھتے ہی فراز کی زبان سے ٹوٹ ٹوٹ کر گرنے والے الفاظ نے کُچھ دیر کے لیے اُسکو اُسکا اپنا آپ بھی بُھلا دیا۔

پاکستان کا شائد ہی کوئی ڈاکٹر ہم نے چھوڑا ہو۔ اور جب سے یہ دو سال پہلے یہاں آئی ہے۔ میں ایک کے بعد دوسرے ڈاکٹر کے پاس لیے گھوم رہا ہوں۔"

(کون کہتا تھا کہ وہ ایک تعلیم یافتہ انسان ہے۔)

"میرے ایک جاننے والے نے آپکا ذکر کیا تھا۔ کہ آپ کے ہاتھ میں بڑی شفا ہے اسی لیے اپنی بیوی کو آج آپکے پاس لیکر آیا ہوں۔"

فراز کی اتنی لمبی تقریر سُننے کے بعد ڈاکٹر مُسکراتی ہوئی بولی۔

"آپ کا کیا مسلہ ہے؟۔"

"ہماری اولاد نہیں ہے۔"

فراز چہک کر بولا۔ ڈاکٹر نے ایک نظر مجرم بنی بیٹھی نوال پر ڈالی اور بولی۔

"تمہارا نام کیا ہے؟۔"

وہ براہِ راست نوال سے مُخاطب تھی۔ اسلیے اُس نے ڈھونڈ ڈھانڈ کر آواز نکالی۔

"نوال۔"

"نوال تمہاری عمر کیا ہے؟۔"

"چھبیس سال۔"

"کب سے کنسیو کرنے کی کوشش کر رہی ہو؟۔"

اس دفعہ جواب فراز نے دیا۔

”پچھلے ڈھائی سال سے ہم کوششوں میں ہیں۔“
ساتھ ہی اُس نے ایک فائل آگے بڑھائی۔۔۔
”یہ میری بیوی کی رپورٹس ہیں۔“
ڈاکٹر اپنے کام کی ماہر تھی۔ اُس نے ایک سرسری سی نظر رپورٹس پر ڈالی۔ پھر بغور نوال اور فراز کو دیکھا جیسے تول رہی ہو۔
”کیا یہ صرف آپکی بیوی کی رپورٹس ہیں؟“
”جی ہاں۔۔“
”مجھے میاں بیوی دونوں کی رپورٹس چاہیئے ہیں۔ چلیں بیوی کی تو میں یہ دیکھ لونگی۔ آپ ابھی باہر نرس کے پاس جائیں۔ وہ آپکو گائیڈ کر دے گی۔ اگر ابھی وقت دُرست لگے تو ٹھیک ورنہ آپ اپنی مرضی کا وقت مقرر کر سکتے ہیں۔“
”دوسری بات جو اہم ہے۔ آپ دونوں ابھی جوان ہیں۔ اور جہاں تک میرا اندازہ ہے۔ صحت مند بھی ہیں۔ ڈھائی سال کوئی اتنا بڑا عرصہ نہیں ہے۔ جسکو اس قدر سر پہ سوار کیا جائے۔ ہوسکتا ہے۔ کسی دوا کا ریکشن ہو گیا ہو۔ ایک نیچرل سسٹم کو اگر آپ بغیر ضرورت کے ڈسٹرب کریں گے تو مسائل پیدا ہونگے۔ پر آپ رپورٹس بنوائیں اور اپنے ڈاکٹر کی تفصیل سے بھی آگاہ کر دیں۔ تا کہ میں آپکی ساری ہسٹری جان سکوں۔“
ڈاکٹر کی باتوں نے نوال کو بڑا خوش کیا تھا۔ مگر فراز کوئی خاص خوش نظر نہ آیا۔
کیونکے اُسکے خیال میں مرد کو کیا ہونا ہے؟ نری بکواس صرف پیسے بٹورنے کا ذریعہ بنایا ہوا ہے۔“
رات کو فراز کے پہلو میں لیٹتے ہوئے بھی نوال کو تصویریں ہی تنگ کر رہی تھیں۔ اور اُنکے ساتھ بے شمار سوالات جنم لے رہے تھے۔
اگلے دن فراز کے آفس جانے کے بعد دروازہ لاک کرتے ہی وہ بھاگتی ہوئی کچن میں آئی۔ ٹوکری کے کپڑے اتھل پتھل کر کے لفافہ برآمد کیا۔۔۔
اگلے ہی پل تصویریں اُسکے ہاتھ میں تھیں۔ جن میں کوئی اور چہرہ نہیں تھا۔ وہ خود تھی۔ ہاں نوال زہرہ کی

تصویریں تھیں۔
کچن کے باہر کھلنے والی بالکونی میں پڑی گارڈن چیئر پہ نیم دراز وہ سوئی ہوئی تھی۔ایک ہاتھ گال کے نیچے دوسرا گود میں دھرا تھا۔
لباس کو پہچان کر اندازہ ہوا یہ ایک ماہ پہلے کی تصویر تھی۔جب وہ نہا کر باہر دھوپ میں بیٹھے بیٹھے وہیں سوگئی تھی۔
بیس کے قریب اُسکی تصویریں مختلف اوقات میں جب وہ بالکونی میں بیٹھی چائے پیتی' کوئی میگزین دیکھتی یا فون کرتے ہوئے'پودوں کو پانی دیتے ہوئے۔
آخری پانچ تصویریں دیکھ کر اُس کے رہے سہے اوسان بھی خطا ہوگئے۔ایک تصویر فراز کی سالگرہ والی رات کی تھی۔اُس میں نوال کالپ اسٹک صاف کرنے والا منظر بند تھا۔ایک میں فراز اُسے تھپڑ مار رہا تھا۔ایک میں وہ کیک اُٹھا کر کچن میں آئی تھی۔ایک میں بے تحاشہ روتے ہوئے۔اُسکے بے جان ہوتے ہاتھوں سے ساری تصویریں چھوٹ کر نیچے گرگئیں۔جب اُسکی نظر ایک اُلٹی گری تصویر پر رقم تحریر پر پڑی۔
"بعض اوقات اپنی شکل کسی اور کے آئینے میں دیکھنا بھی صحت مند ثابت ہوتا ہے۔کیونکہ انسان کا اپنا آئینہ کبھی کبھار اصل دیکھانے میں کنجوسی کر جاتا ہے۔اسی لیے تمہیں یہ سین قید کرکے بھیجے ہیں۔دنیا میں سب سے بڑا ظلم وہ ہے۔جو انسان خود اپنی ذات پر کرتا ہے۔آخر وہ کیا بات ہے کہ تم ایسی تھرڈ کلاس زندگی گزارنے پر مجبور ہو؟۔۔
"نوال زہرہ یہ دنیا کا آخری مرد ہوتا۔تب بھی جائز نہیں ہونا تھا۔کہ تم خاموشی سے اسکے ظلم سہی رہو۔خاص کر جس معاشرے میں تم رہ رہی ہو۔وہاں تو قدم قدم پر مدد موجود ہے۔پھر اپنی زبان پر تالا ڈال کر کس وقت کا انتظار کر رہی ہو؟ جب یہ تمہیں جان سے ماردے گا؟۔۔"
"میرے پاس تمہارے شوہر کے خلاف اتنے ثبوت موجود ہیں۔ابھی جا کر پولیس میں دے دوں تو اگلے چوبیس گھنٹوں میں حوالات کے پیچھے ہوگا۔مگر میں چاہتا ہوں نوال زہرہ خود اپنے لیے کھڑی ہو۔۔۔
کتنی دیر تک تو یہی یقین نہ آسکا کیا یہ سب اُس کے اپنے ساتھ ہو رہا ہے۔یعنی تصویریں لینے اور بھیجنے والا

جو کوئی بھی ہے۔ وہ نوال کی زندگی کے بارے میں جانتا ہے۔ یہاں تک کہ اُسکے گھر کے معاملات بھی چُھپے ہوئے نہیں ہیں۔ کوئی چوبیس گھنٹے اُسکے گھر پر نظر رکھے بیٹھا اُسکی ہر حرکت نوٹ کر رہا ہے۔

صورتحال کی گہرائی تک جاتے ہی غُصے سے اُسکے دماغ میں شرارے پھوٹنے لگے۔ کیبنٹ سے ماچس نکال لی۔ ساری تصویروں کو توڑ موڑ کر اُٹھایا اور باہر بالکونی میں رکھ کر آگ لگا دی۔ ایک ایک کر کے ساری جلا دیں۔ راکھ کو برش مار کر ڈسٹ بن میں پھینکا۔ بالکونی کا دروازہ بند کر کے پردے گرا دیئے۔

سیٹنگ روم میں یہاں سے وہاں ٹہلتے ہوئے۔ اپنا غُصہ کم کرنے کی کوشش میں تھی۔ جب اُسکے موبائل کی ٹون بجی۔

موبائل ہینڈ بیگ میں تھا۔ جب تک نکالا کافی دفعہ بیل ہو چکی تھی۔

سامنے وہی ہیڈن نمبر سے آنے والی کال تھی۔

اُس نے فوراً آن کر کے کان سے لگانے کے بعد احتیاط کے طور پر دھیرے سے ہیلو کیا۔۔ پھٹ پڑنے سے پہلے اُس نے تصدیق کرنی ضروری سمجھی۔ کال کسی اور کی بھی ہو سکتی ہے۔

مگر دوسری طرف سے آنے والی آواز نے نوال کو حیران کر دیا۔۔

''تصویریں جلانے سے کیا فائدہ میرے پاس تو نیگٹیو موجود ہیں۔''

''اوہ۔۔۔تم۔۔۔۔!!۔۔کون ہو تم؟ بے غیرت انسان ایک دفعہ مجھے اپنا نام پتا بتا وٴ پھر بتاتی ہوں کیوں تصویریں جلائی ہیں۔''

''کہا میرے گھر آ کر میرا شکر یہ ادا کرنا چاہتی ہو؟''

''ہاں تمہارے گھر آ کر تمہارے منہ پر تھوکنا چاہتی ہوں۔''

دوسرے طرف تھوڑی خاموشی چھائی۔۔۔

''اگر کہو تو ابھی تمہارے دروازے پر آ جاتا ہوں۔ اگر میرے منہ پہ تھوکنے سے تمہاری زندگی کے مسائل حل ہو جاتے ہیں۔ تو ایسا ہی کر لو۔''

''اوئے بے غیرت انسان۔۔!! میرے ساتھ زیادہ سمارٹ بننے کی کوشش مت کرنا۔ اگر اتنے ہی بہادر ہو

نہ تو یہ پارسل لیکر خود میرے سامنے آتے تاکہ میں تمہیں پولیس کے حوالے کرتی کہ یہ دو ٹکے کا انسان میرے گھر میں انتشار پھیلانے کی کوشش میں ہے۔تم نے اس پر تو ریسرچ کر لی کہ شوہر' بیوی پر تشدد کرنے کے کیس میں کتنا عرصہ جیل جا سکتا ہے۔اب ذرا یہ بھی گوگل سے پوچھنا کہ کسی کی اجازت کے بغیر کسی کی پرائیوسی اور گھر میں ہونے والے معملات کو تصویروں یا وڈیوز کی شکل میں اپنے پاس محفوظ کرنے کی کیا سزا ہے۔"

"کسی بھی اجنبی کہ تصویر اُس سے پوچھے بغیر لینا کتنا بڑا جرم ہے۔آئے بڑے قانون دان کہیں کے۔اور خبردار جو تم نے آئیندہ میرا نمبر ملانے کی کوشش بھی کی تو۔۔سیدھا پولیس میں جاؤ نگی۔۔۔"

فون بند کر کے صوفے پر پھینکا۔۔۔

"کوئی نہ کوئی مصیبت میرے لیے تیار ہی رہتی ہے۔پہلے گھر کے غم تھوڑے تھے۔اب یہ باہر کی سر درد جاگ گئی۔نہ جانے کب کب اور کس کس حال کی تصویریں کھینچتا رہا ہوگا۔۔۔"

دونوں ہاتھوں میں سر تھام کر رہ گئی۔۔۔

☆......☆......☆

آج لیلی اور ذی کی شادی کو چار سال مکمل ہونے پر دونوں نے ہر سال کی طرح اس دفعہ بھی اپنے سارے دوستوں کو مدعو کر کے اچھا خاصہ ہنگامہ مچایا ہوا تھا۔

"تم لوگ اتنے کنجوس کیوں ہو؟ ہر دفعہ پارٹی گھر پر رکھتے ہو۔کبھی تو کسی ہوٹل وغیرہ کو بھی موقع دو۔"

حدید کی بات پر لیلی نے اُسکو گھورا۔

"کیا تم یہاں میری بے عزتی کرنے آئے ہو؟ چلو اُٹھاؤ یہ گوشت والی ٹرے اور جا کر باربی کیو پر دھیان دو۔"

"میں تمہارا نوکر لگا ہوا ہوں؟۔۔اپنے آدمی کو بولو کرے سب آخر اُسکی ویڈینگ اینیورسری ہے۔میری نہیں۔"

دونوں کچن میں کھڑے تھے۔باہر سے تیز میوزک کی آواز مسلسل اندر آ رہی تھی۔جان نیو مین چیخ چیخ کر پوچھ رہا تھا۔کہ اے میری محبوبہ مجھے اتنا بتا دے کیا تو مجھ سے ایک دفعہ پھر محبت کر سکتی ہے؟۔۔۔

”کبھی کبھی مجھے لگتا ہے۔تم ذی سے جلتے ہو۔“

اُس نے بے ہنگم قہقہہ مارا۔۔۔

”نہیں مجھے بس سالے پہ رشک آتا ہے۔میری بچپن کی دوست کو کیسے لے اُڑا ہے۔“

”جیسے تم نے مجھ سے شادی کرنی تھی ناں۔۔۔“

”نہیں خیر میرے اتنے بُرے دن بھی نہیں آئے کہ تم سے شادی کے خواب دیکھتا۔نہ ہی تم اتنی خوش قسمت ہو۔“

”اب تم اسکے علاوہ اور کہہ بھی کیا سکتے ہو۔چلو اُٹھاؤ یہ چیزیں اور میرے ساتھ باہر آؤ۔“

”جان چھوڑو میری۔۔۔اتنا تیار ہو کر میں تمہارے خانساما کا رول نبھانے نہیں آیا ہوں۔“

”ہاں ہاں دیکھ چکی ہوں۔جس نمونے کو اپنے ساتھ امپریس کرنے کو لائے ہو۔شرم تو نہ آئے گی۔میں اتنا کام کررہی ہوں۔اور تم اُسکے ساتھ جا کر گپیں مارو گے۔ویسے وہ ہے کون۔۔؟“

”میرے آفس میں کام کرتی ہے۔اُسکا بوائے فرینڈ جرمنی کا ہے۔اپنی فیملی سے ملنے جرمنی گیا ہوا ہے۔بچاری کافی اُداس رہتی تھی۔میں نے سوچا جتنے دن وہ واپس نہیں آتا۔میں اسکو کمپنی دیتا ہوں۔“

”ہائے حدید کبھی کبھی مجھے تمہارے لائف سٹائل سے بڑی جلن ہوتی ہے۔نہ فکر نہ فاقہ عیش کر کاکا۔۔۔“

”ہاں تم نے تو جیسے ساری دنیا سر پہ اُٹھائی ہوئی ہے۔نائن ٹو فائیو کی جاب میں کرتا ہوں۔اپنے کمرے کی صفائی میں خود کرتا ہوں۔اپنی لانڈری خود کرتا ہوں۔اُسکے علاوہ ایک سو ایک دھندے ہیں۔تم اپنے سارے کام اپنی اماں سے کرواتی ہو۔بیٹا تمہارا ابھی آلموسٹ وہی پال رہی ہیں۔صبح اُٹھتی ہو۔سارے مارننگ شو دیکھتی ہو۔باہر لنچ کرتی ہو۔آئے روز شاپنگ پہ جانا تمہاری عادت ہے۔ایک ہفتہ کوئی تمہیں شاپنگ پر جانے سے روک لے ناں تو تم مرہی جاؤ۔اور اسکے باوجود تمہیں میری چند پل کی آزادی سے بھی جلن ہوتی ہے۔تم کیسی دوست ہو؟۔۔“

”اچھا جاؤ جا کر اپنی فرینڈ کو کمپنی دو۔بچاری شُتر مرغ کی طرح گردن نکال کر تمہیں ڈھونڈ رہی ہے۔“

حدید نے اپنے ہاتھ میں تھامی سپارکلنگ بیریز کی بوتل کا بڑا سا گھونٹ لیتے ہوئے گردن موڑ کر باہر دیکھا۔

کیرا ایڈورڈ واقعی اسکوڈ ھونڈ رہی تھی۔

بیئر کی ایک بوتل اُٹھا کر وہ باہر نکل آیا۔

"کیا بور ہو رہی ہو۔۔؟"

بوتل کیرا کی جانب بڑھاتے ہوئے اُس نے پوچھا تھا۔

جواب میں اُسکو دیکھتے ہی کیرا کے چہرے پر رونق آ گئی۔

"کہاں چلے گئے تھے۔"

"میں ذرا لیلی سے باتیں کر رہا تھا۔وہ کہہ رہی تھی۔کیرا بڑی خوبصورت لڑکی ہے۔"

"اوہ۔۔کیا سچ میں؟لیلی بہت اچھی ہے۔"

"میری دوست اچھی کیوں نہیں ہوگی؟یہاں رہنا ہے یا باہر لان میں چلیں۔۔"

"میرا خیال ہے۔باہر ہی چلتے ہیں۔ادھر تو گرمی لگ رہی ہے۔"

چھ فٹ لمبی کیرا ایڈورڈ اُسکے پہلو سے لگی بڑے خمار آلود لہجے میں پوچھ رہی تھی۔

"حدید تمہارا محبت کے بارے میں کیا خیال ہے؟۔۔"

اپنے کندھے سے کندھا ملا کر کھڑی کیرا کو اُس نے گردن موڑ کر ڈائریکٹ آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بھنویں اُچکا کر پوچھا۔

"کس محبت کا پوچھ رہی ہو؟۔۔"

"کیا مطلب کس محبت کا پوچھ رہی ہوں۔کیا محبت کی قسمیں بھی ہوتی ہیں۔؟۔۔"

"ہاں۔۔۔کیا جو محبت تمہیں اپنی ماں سے ہے۔ویسی ہی محبت جراڈ سے ہے؟۔"

"نہیں جو محبت مجھے جراڈ سے ہے۔ویسی محبت اپنی ماں سے نہیں ہے۔"

"تو اب اپنے سوال کا جواب مل گیا؟۔۔"

"بتاؤ جیسی محبت مجھے جراڈ سے ہے۔کیا تمہیں کبھی ویسی محبت کسی سے ہوئی؟۔۔"

"ہاں بہت دفعہ ہوئی ہے۔سب سے پہلے ڈرو بیری مور سے ہوئی تھی۔اُف یار کیا لڑکی تھی۔اُسکے لیے میں

پاگل تھا۔خاص کر سینڈریلا ایور آفٹر میں دیکھ کر دل کرتا کاش میں وہ پرنس ہوتا جسے اُس نے سیب مارا تھا۔جسکو اُٹھا کر چل پڑی تھی۔۔۔‘‘

کھلی فضا میں کیرا کے قہقہے روشنی بن کر پھیلتے جا رہے تھے۔

تب ہی وہاں زی آیا اور ہنستے ہوئے بولا۔۔

’’کیا تم کبھی کسی بات کا جواب سنجیدگی سے بھی دے سکتے ہو؟‘‘

حدید بولا۔

’’جناب جب سوال ایسے ہونگے تو جواب اور کیا دونگا۔پھر آپ ہی بتائیں محبت کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟۔۔‘‘

’’محبت میں دو دل یک جان ہو کر دھڑکتے ہیں۔جیسے میں اور لیلیٰ۔۔۔‘‘

’’ارے واہ کیا بات ہے۔۔!!۔۔‘‘حدید نے داد دی پھر اگلا سوال داغ دیا۔

’’سچ بتائیں کیا شادی شدہ لوگوں کی زندگی میں بھی محبت ہوتی ہے۔؟‘‘

زی نے حدید کے مذاق کو خوب انجوائے کیا تھا۔بلند قہقہے کے بعد بولا۔

’’یہ تم مجھے اور لیلیٰ کو دیکھ کر ہی نتیجہ اخذ کرلو۔‘‘

حدید نے مسکرا کر سر اثبات میں ہلایا۔اور لیلیٰ کی تلاش میں اندر کی جانب آ گیا۔

’’یہ تمہارا گفٹ۔۔"

حدید نے ایک باکس لیلیٰ کی جانب بڑھایا۔

’’تھینک یو سو مچ پارٹنر۔۔۔‘‘

لیلیٰ کو اپنا یہ دوست بڑا عزیز تھا۔دوستوں کی فہرست میں حدید کا نام سب سے اوپر تھا۔

’’اس میں کیا ہے۔‘‘

’’خود ہی کھول کر دیکھ لو۔‘‘

لیلیٰ نے ایک نظر اُس پہ ڈالی اور مسکراتے ہوئے ریپر کھولا۔۔اندر سے بلی کا پنجرہ نکلا۔۔

”یہ تو خالی ہے؟۔۔“

حدید نے سر ہلا کر تصدیق کی۔۔۔

لیلٰی نے خوشی سے اُچھلتے ہوئی پوچھا۔۔

”کیا تم نے میرے لیے بلی خریدی ہے؟۔۔“

”نہیں۔۔“

وہ مایوسی سے بولی۔

”کیوں؟۔۔“

”کیونکہ اس دفعہ میرے پاس صرف پنجرے کے پیسے تھے۔اگلی دفعہ بلی خرید دونگا۔“

”اوہ میرے خُدایا حدید کنجوس انسان تم مجھے ایک بلی تک نہیں گفٹ کر سکتے۔“

”میں بچارہ بھی کیا کروں۔تمہارا تو یہ روز کا کام ہے۔پہلے تمہارے شوہر کا برتھ ڈے آیا۔پھر تمہارے بیٹے کا پھر تمہاری دادی کا اُس کے بعد تمہارے ابا کا اُویار میری سال کی آدھی تنخواہ تو تم ہی کھا جاتی ہو۔“

لیلٰی مارنے کے لیے اُس کے پیچھے بھاگی تھی۔اور وہ ایک ہی جست میں گھر سے باہر تھا۔

اُسکو پارکنگ کی جانب بڑھتا دیکھ کر وہ چلائی تھی۔

”اپنی ماؤں کو اندر چھوڑ کر خود کہاں دفعہ ہو رہے ہو؟۔۔“

وہ ہنسا مگر پلٹا نہیں۔۔۔

”وہ مائیں آج تمہیں کمپنی دیں گی۔کیرا کو تمہارا شوہر ڈراپ کر رہا ہے میں گھر جاؤنگا۔“

”اتنی جلدی کیوں؟۔۔“

وہ کہنا تو چاہتا تھا۔پارٹی سے دل اُچاٹ ہو گیا مگر بولا۔۔

”صبح آفس جانا ہے۔“

”میں جانتی ہوں۔تم کتنے وقت کے پابند ہو۔جھوٹے انسان اور یہ بھی جانتی ہوں۔یہاں سے جانے کی جلدی کیوں ہے۔“

وہ جیب سے چابی نکالتے ہوئے ایک دفعہ پھر ہنسا۔۔۔

”جب پہلے سے ہی جانتی ہو۔تو پھر پوچھتی کیوں ہو؟۔۔

لیلی ہنستے ہوئے واپس مُڑ گئی۔جبکہ وہ اپنی گاڑی کی جانب بڑھا۔۔۔

☆......☆......☆

تیرے دروازے پہ چلمن نہیں دیکھی جاتی
جانے جاں ہم سے یہ اُلجھن نہیں دیکھی جاتی

پچھلے ڈھائی گھنٹے سے وہ گھر کی ساری بتیاں گُل کر کے سیٹنگ روم کی کھڑکی کے قریب صوفے پہ بیٹھ کر مسلسل باہر دیکھ رہی تھی۔

یہ نہیں تھا کہ اُسکی گلی بڑی پُر رونق تھی۔ ہر گھر کی کھڑکی میں کہیں کرسمس ٹری نظر آ رہا تھا۔کہیں ویسے ہی لائٹنگ کی گئی تھی۔حالانکہ اب تو کرسمس کو گزرے بھی پانچ دن ہو گئے تھے۔آج نیو ائیر ایو تھی۔نئے انگریزی سال کی نئی صبح طلوع ہونے میں کم وقت بچا تھا۔

آج اُس نے خاص مینیو چُن کر کھانا بنایا تھا۔تا کہ دونوں مل کر ڈنر کریں گے۔اور نئے سال کا استقبال اکٹھے بیٹھ کر کریں گے۔اگر ممکن ہوا تو ٹاؤن میں ہونے والی آتش بازی دیکھنے چلیں گے۔مگر چونکہ یہ سارے پروگرام اُسکے اپنے دماغ میں بنے تھے۔اسلیے تمام نا کام ہو گئے۔کیونکہ فراز آج لیٹ تھا۔چھ بجے کی قریب قال کر کے اُس نے بتا دیا تھا۔اُسکے باس کو اسکی مدد کی ضرورت ہے۔جس کی وجہ سے اُسکا آج اور کل کا دن آفس میں ہی گزرے گا۔گھر آنے کے بارے میں کوئی وقت نہیں بتا پاتا تھا۔کیونکہ ہوسکتا ہے۔اُسکو باس کے ساتھ ایک میٹنگ میں حصہ لینے کے لیے پیرس جانا پڑے۔

نوال اُس سے شکوہ کیا کرتی وہ اسی بات پہ شُکر گزار تھی۔فراز نے اسکو مطلاع تو کر دیا۔ورنہ وہ ساری رات اُسکے انتظار میں جاگتی۔

جیسے اب تو وہ سو ہی جائے گی۔

نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ٹانگوں کے گرد بازو باندھ کر گھٹنوں پہ سر رکھے مسلسل باہر دیکھ دیکھ کر اب تو

گردن میں درد ہونے لگا تھا۔

تنہائی اور یادیں کُچھ لوگوں کا ساتھ کبھی نہیں چھوڑتی ہیں۔ کئیوں کو رشتے شائد راس ہی نہیں آتے ہیں۔ ورنہ میں آج اس پل یہاں اکیلی تو نہ بیٹھی ہوتی۔

اچانک گلی میں شور کہ آوازیں اُٹھنے پر وہ اپنے خیال سے چونکی۔۔۔

سامنے والی بلڈنگ میں رہنے والے بوڑھے جوڑے کے شائد پوتیاں پوتے آئے تھے۔ مسٹر اینڈ مسز جمی کو جانتی تھی۔ آتے جاتے ہیلو ہائے ہو جایا کرتی تھی۔ وہ اُسکے سامنے والی بلڈنگ کے گراؤنڈ فلور والے ایک فلیٹ میں رہتے تھے۔ دونوں کے تین بچے تھے۔ جنکے آگے بچے جوان تھے۔ جب بھی اُن میں سے کوئی انکو ملنے آتا۔ مسز جمی کی پُر جوش آواز ساری گلی میں سُنائی دیتی۔۔

نوال کے جسم میں حرکت ہوئی۔

میز پہ رکھے فون کی سکرین روشن کر کے وقت دیکھا۔

سوا گیارہ ہوئے تھے۔

کسی خیال کے آتے ہی وہ اپنی جگہ سے اُٹھی سلیپرز میں پیر اڑھسا کر تیزی سے کچن کی جانب آئی۔

سارے برنر آن کر کے کھانا گرم کرنے کے لیے رکھا۔

اچھی طرح گرم ہونے پر ساری ڈیشز سلیقے سے باکسز میں نکال لیے۔

ایک بڑے سے تھیلے میں تمام باکسز کو ترتیب سے اوپر نیچے رکھ کر تھیلے کو گرہ لگائی۔

فراز کی کال سے پہلے وہ نیا لباس پہن کر تیار ہوئی تھی۔ مگر کال سُننے کے بعد لباس بدل کر ڈھیلا سا ٹراوزر اور ٹی شرٹ پہن لی تھی۔

اب اُسی کے اوپر اپنی جیکٹ پہن لی ساتھ میں ویلی بوٹ پہنے کیونکہ باہر برف باری ہوئی تھی۔

تھیلا ہاتھ میں پکڑا اپنے پیچھے گھر کا دروازہ لاک کیا اور سیڑھیاں اُترنے لگی۔

چند منٹ بعد وہ مسز جمی کے دروازے پہ دستک دے رہی تھی۔

دروازہ کسی بچے نے کھولا تھا۔

’’ہیلو۔۔؟۔۔‘‘

بچہ تعجب سے اسکو دیکھتے ہوئے بولا تھا۔

’’ہیلو۔۔۔میرا نام نوال ہے۔میں مسز جمی سے ملنے آئی ہوں۔‘‘

بچہ گرینی گرینی آوازیں دیتا اندر بھاگ گیا۔

چند سیکنڈ بعد مازجمی کا چہرہ اُبھرا۔۔۔

’’ہیلو نوال کیسی ہو؟۔۔۔‘‘

’’میں بالکل ٹھیک ہوں۔‘‘

’’باہر اتنی ٹھنڈ میں کیوں کھڑی ہو۔ریڈیو پہ بتا رہے تھے۔اس وقت گلاسگو کا درجہ حرارت مائنس چھ ہے۔ جو اگلے چند گھنٹوں میں مائنس دس تک جا سکتا ہے۔‘‘

’’اللہ ہمارے حال پہ رحم کریں۔سردی تو جسم میں خون کی آمدورفت منجمد کر رہی ہے۔میں اندر نہیں آسکتی۔ میری فیملی بارہ بجتے ہی مجھے ویڈیو کال کرنے والی ہے۔اسلیے مجھے فوراً واپس اپنے فلیٹ میں جانا ہوگا۔ہاں یہ بیگ رکھ لیں۔اس میں تازہ گرما گرم کھانا ہے۔جو میں نے اپنے شوہر کے لیے بنایا تھا۔مگر بدقسمتی سے وہ آفس میں پھنس گیا ہے۔دس منٹ پہلے میں نے آپکی فیملی کو آتے دیکھا تو یہ کھانا آپ کے لیے لے آئی ہوں۔دیسی اور چائنیز کھانا ہے۔مگر مرچیں بہت کم ہیں۔مجھے اُمید ہے آپ لوگوں کو کھانا پسند آئے گا۔بشرطِ کہ آپ یہ قبول کر لیں۔‘‘

’’نوال۔۔۔تم کتنی اچھی ہو۔تمہیں یقین ہے۔کہ تم واقعی یہ کھانا ہمارے ساتھ بانٹنا چاہتی ہو؟۔۔‘‘

’’بالکل کیوں نہیں مجھے بہت خوشی ہوگی۔‘‘

اُس نے پلاسٹک پیپر سے بنا تھیلا مسز جمی کے حوالے کیا اور اُسکا پُر خلوص شکریہ قبول کرتی واپس مُڑ آئی۔ اپنی بلڈنگ کی جانب بڑھتے ہوئے اُسکی نگاہیں ساری گلی کا جائزہ لے رہی تھیں۔برف کی سفید چادر اور ہر عیسائی گھر سے اُٹھنے والی رنگا رنگ مصنوعی روشنیاں عجیب سا چارم پیدا کر رہی تھیں۔نوال کو اپنے اندر مزید اُداسی اُترتی محسوس ہوئی۔

یقیناً ہر کوئی رواں انگریزی سال کے آخری لمحات اپنے پیاروں کے ساتھ گُزار رہا تھا۔ پردے ہٹے کھڑکیوں میں پوری پوری فیملی ٹی وی کے سامنے بیٹھی نظر آ رہی تھی۔ بی بی سی " چینل فور " ایس ٹی وی پہ نئے سال کی آمد کے حوالے سے لائیو شو دیکھائے جا رہے تھے۔ جن میں زیادہ تر مختلف میوزیکل بینڈ لوگوں کو دھر دھنیں یا اپ بیٹ میوزک سے لطف اندوز کر رہے تھے۔ لوگوں کی ایک بڑی تعداد ہر سال کی طرح اس دفعہ بھی دریائے تھیم کے کنارے موجود تھی۔ جو بے فکری سے ناچ گا رہے تھے۔ مختلف جگہوں پہ ٹی وی چینل والے لوگوں سے مخاطب ہو کر سوالات کرتے۔ گئے سال کی باتیں آنے والے لمحات کی خوشی۔۔۔ جانے والے کو الوداع بولنے کی ہلکی سی اُداسی۔۔۔

شو کی باقاعدہ شروعات کاؤنٹ ڈاؤن سے ہوتی ہے۔ جب آخری دس سیکنڈ رہ گئے۔ ہر کوئی دس تک گنی جانے والی الٹی گنتی کا آغاز کر چُکا تھا۔ ٹی وی سکرین سے باہر موجود افراد کت چہروں پہ بھی اُتنا ہی جوش تھا۔ جتنا ٹی سکرین میں موجود لوگوں کے چہروں سے جھلک رہا تھا۔

بارہ بجتے ہی لندن ٹاور نے بارہ گھنٹیاں بجائیں اور اُس کے بعد لاجواب آتش بازی کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

جھاڑیوں میں شائد گلہری بھاگی تھی۔ جس نے نوال کو حال کی دنیا میں لا پٹخا۔ وہ حیران ہوئی وہ اب تک باہر ہی کھڑی تھی اور کیسے کسی کی کھڑکی سے جھانک کر اُن کا ٹی وہ دیکھ رہی تھی۔

تھوڑی شرمندگی محسوس کرتے ہوئے وہ پلٹی تو نگاہ سفید جھاڑیوں کے درمیان رکھی اُس سٹول پہ ٹک گئی۔ جس کے اوپر ایک پلیٹ موجود تھی۔ اور اُس پلیٹ کے اندر ایک مفن رکھا تھا۔ مفن کے اوپر تنہا کھڑی موم بتی بڑے ناز سے جل کر اپنے گرد ماحول کو خوابناک بنا رہی تھی۔

نوال نے بے اختیار اپنے اردگرد کا جائزہ لیا۔ کہیں کوئی زی روح گھر کے باہر نظر نہ آیا۔

پھر جھاڑیوں کو غور سے کھوجا وہاں بھی کوئی نہیں تھا۔

موم بتی جل رہی تھی۔ اوف نوال کی سمجھ سے باہر تھا۔ آخر یہ ادھر رکھا کس نے؟۔۔ ہو سکتا ہے۔ کسی جب پریت کا سایہ ہو۔ اندھیری رات میں ایک حسین لڑکی کی توجہ حاصل کرنے کو یہ ڈھونگ رچایا ہو۔

اپنی سوچ پہ مسکراتی ہوئی تھوڑا اور آگے بڑھی۔۔۔

سفید پلیٹ کے نیچے خالی لفافے کی جھلک نظر آئی۔

نوال کے قدم تھم گئے۔دل نے بیٹ مس کی۔

"کیا یہ۔۔۔؟۔۔"

اس کے آگے سوچے بغیر اُس نے واپس گھر کو دوڑ لگا دی۔

پھولی ہوئی سانسوں کے ساتھ فلیٹ کا دروازہ اندر سے لاک کرتے ہی تیزی سے کھڑکی کی جانب آئی۔

سٹول کے پاس کوئی کھڑا تھا۔

نوال کو لگا دل پسلیاں توڑ کر باہر آ جائے گا۔

موبائل کی بیپ پہ بے اختیار ہاتھ میز پہ رکھے فون کی جانب اُٹھا۔اس اُمید پہ کہ فراز کا میسج ہوگا۔اُسکو بولتی ہوں ابھی اسی وقت گھر آئے۔

مگر فون پہ اُسی انجان نمبر سے میسج تھا۔

کانپتے ہاتھوں سے نوال نے میسج کھولا۔۔۔

سامنے اُسکی تصویر تھی۔کھڑکی میں بیٹھی نوال کے چہرے پہ لیمپ پوسٹ کی روشنی چھن کر پڑ رہی تھی۔

تصویر کے نیچے لکھا تھا۔

"اس نئے سال کی شروعات تم نے میرے سنگ کی ہے۔کیا تھا جو تم موم بتی بُجھا کر مفن کاٹ دیتیں۔"

اپنے اندر اُٹھتے خوف کے تحت اُس نے فون دیوار میں دے مارا۔۔

پردے برابر کیئے۔اور لینڈ لائن سے فراز کا بر ملایا۔اور بار بار ملایا۔مگر دوسری جانب اُسکا فون ہر بار وائیس میل پہ جاتا رہا۔آخر میں جب کوئی بس نہ چلا تو اچھی طرح روئی۔۔۔منہ دھویا۔دودھ کے گلاس کے ساتھ اپنے وٹامنز اور نیند کی گولی لیکر سو گئی۔

قطرہ قطرہ کر کے میری زندگی پگھل گئی
کیوں یار کو نہ میرے اس حال کی خبر گئی

☆......☆......☆

”احمد۔۔۔!!۔۔“

سعدیہ پوری حلق سے چلائی تھیں۔

مگر گیراج میں ایک تو تیز میوزک چل رہا تھا۔دوسرا مشین کا شور تھا۔احمد کے کان پہ جوں تک نہ رینگی۔وہ چہرے پر پروٹیکشن ماسک لگائے ہنوز اپنے کام میں مصروف رہا۔بڑے ماہرانہ انداز میں لوہے کو مشین کے ذریعے پالش کرر ہا تھا۔اسکے بعد اُس نے اسکے اوپر پینٹ کرنا تھا۔

ایک دو دفعہ مزید اُسکو متوجہ کرنے کی نیت سے ہانک لگانے کے بعد سعدیہ نے آگے بڑھ کر اُسکی مشین کا پلگ نکال دیا۔یک دم چھا جانے والی خاموشی میں بس میوزک کی چھنکار رہ گئی۔

اُس نے ہیلمٹ اُٹھایا اور ماں کو وہاں دیکھ کر چونکا۔

”ماں۔۔۔!! کتنی دفعہ کہہ چُکا ہوں۔اس طرح سوئچ بند کر کے کام کا مزا خراب نہ کیا کریں۔“

”اور میں بھی کئی دفعہ کہہ چکی ہوں۔اپنے شوق فارغ وقت میں پورے کیا کروں۔“

”جہاں تک میری معلومات ہیں۔اس وقت میں بالکل فارغ ہی ہوں۔اور اگر آپ نے اپنا کوئی کام نکال کر رکھا ہوا ہے۔تو اُسکے بارے میں مجھے الہام ہونے سے تو رہا۔“

”میرے ڈاکٹر سے ساتھ اپائنٹمنٹ ہے۔پندرہ منٹ رہتے ہیں۔یہاں سے فوراً نکلو۔۔۔“

”ابو کدھر ہیں؟۔۔“

”اللہ ہی جانیں۔آدھا گھنٹہ ہو گیا گاڑی لیکر نکلے ہوئے ہیں۔ابھی تک نہیں آئے۔“

”آپ نکلیں مجھے بس پانچ منٹ دیں میں شاور لے لوں۔“

اُسی وقت سارے اوزار رکھ کر اندر کی جانب بڑھ گیا۔سات منٹ بعد صاف سُتھرے حلیے میں ماں کے ساتھ جا رہا تھا۔

ڈاکٹر نے سعدیہ کا تفصیلی معائنہ کرنے کے بعد دوا لکھ دئی۔

وہ لوگ وہاں سے نکلے۔۔احمد ماں سے مخاطب ہو کر بولا۔۔

”یہ لیں گاڑی کی چابی آپ گاڑی میں بیٹھیں میں فارمسی سے آپکی دوا لے آتا ہوں۔“

”ادھر سے رہنے دو۔ مور یسنز چلتے ہیں۔تم دوا لے لینا اُتنی دیر میں تھوڑی گروسری خرید لونگی۔“

سعدیہ جانتی تھیں۔آج کل پاگلوں کی طرح اپنی کار پہ کام کر رہا ہے۔اور اس وقت صرف اُنکی خاطر سارا کام چھوڑ کر آیا ہے۔مارکیٹ کا سُن کر ایک دفعہ منہ پھلائے گا۔اسلیے اُسکے چہرے پر اُبھرنے والے تاثرات کو مکمل طور پر نظر انداز کرتی ہوئی آ کر گاڑی میں بیٹھ گئیں۔

وہ تھوڑی دیر اُنکی پُشت کو گھورتا رہا پھر اُنکے پیچھے چل پڑا۔

”آپ دنیا کی سب سے بڑی بلیک میلر ماں ہیں۔اپنی صحت کا بہانہ بنا کر ساتھ لاتی ہیں۔ساتھ ہی آپکو شاپنگ یاد آ جاتی ہے۔“

ماں کو اُسکی خوبیوں اور خامیوں کا اچھے سے علم تھا۔اب بھی جانتی تھیں۔اُسکی کوفت زیادہ زیادہ چھ سات منٹ تک ہی قائم رہنی تھی۔اسلیے چُپ چاپ اُسکی بڑبڑاہٹیں سُنتی رہیں۔جیسے گاڑی پارک کر کے وہ لوگ مارکیٹ میں داخل ہوئے اُس نے ماں کے ہاتھ سے لسٹ کی اور ٹرالی لیکر شروع ہو گیا۔

اکیلا ہوتا تو یہ کام وہ سو کی سپیڈ سے کرتا تھا۔مگر ماں کے ساتھ آہستہ آہستہ چلتا ہوا فروٹ اور سبزیوں کے سیکشن سے ہوتا ہوا ساری مطلوبہ چیزیں اُٹھا اُٹھا کر ٹرالی میں رکھتا گیا۔

انڈوں کے باکس کو کھول کر اُنکی سلامتی دیکھ رہا تھا۔جب اُسکے کان میں وہ آواز پڑی۔۔۔آواز اس قدر قابل توجہ تھی کہ سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں اُس نے گردن موڑ کر دیکھا۔وہ لڑکی جو کوئی بھی تھی۔احمد کی امی سے ہی مخاطب تھی۔مگر احمد اُسکا چہرہ نہیں دیکھ پایا کیونکہ وہ اُس لڑکی کی پُشت پہ کھڑا تھا۔

”اسلام وعلیکم آنٹی کیا آپ میری تھوڑی سی مدد کر سکتی ہیں۔“

سعدیہ سدا کی مہربان احمد کو ڈر ہوا کہیں یہ لڑکی فراڈ تو نہیں۔

”وعلیکم اسلام بیٹی بولو کیا مدد چاہیے؟۔۔“

”وہ دراصل میں مچھلی خریدنا چاہ رہی تھی۔مگر مجھے علم نہیں ہے۔کہ کونسی مچھلی حلال ہوتی ہے۔پلیز آپ میری مجھے بتا سکتی ہیں۔کونسی مچھلی حلال ہوتی ہے؟۔۔“

احمد کا قہقہہ اس قدر جاندار تھا۔ایک لمحے کو تو وہ ڈر ہی گئی۔مگر جب تک وہ مڑی وہ اپنی ماں کی گھوری دیکھتے

ہی وہاں سے ہٹ چکا تھا۔

اُس لڑکی کے چہرے پر سُرخی دوڑتے دیکھ کر وہ شفقت سے بولیں۔

”تم دھیان نہ دو۔ میرا بیٹا ایسا ہی منہ پھٹ ہے۔ بیٹے مچھلی ایک حلال جانور ہے۔ تمہیں کنڈوں والی بھی مل جائے گی۔ اور بغیر کنڈوں کے بھی اب تمہاری پسند پر منحصر ہے۔ جہاں تک حلال حرام کی بات ہے۔ وہ میں نے بتا دیا۔ ساری حلال ہیں۔“

”آپکا بہت شُکریہ۔ اب مجھے یاد آیا ہے۔ مچھلی کو تو پہلے سے ہی تکبیر ڈالی گئی ہے۔ کتنی پاگل ہوں۔ اس وقت خود کو دنیا کا احمق ترین انسان محسوس کر رہی ہوں۔ تبھی آپکا بیٹا میرے پہ ہنس کر گیا ہے۔“

سعدیہ دھیرے سے مُسکرائیں۔

”تمہارا کیا نام ہے؟۔“

”میرا نام نوال ہے۔ اور آپکا۔۔۔“

”میں سعدیہ ہوں۔ نوال بیٹا شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ کبھی کبھی ہم کسی اور مسلے میں اُلجھے ہوتے ہیں۔ دماغ پوری طرح حاضر نہیں ہوتا۔ اسلیے باتیں بھول جاتے ہیں۔“

نوال کا دماغ واقعی حاضر نہیں تھا۔ اسلیے فوراً اتفاق کرتے ہوئے بولی۔۔۔

”یہ تو آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ خیر میں آپکی مشکور ہوں۔ آپ اتنی شفقت سے پیش آئیں۔ ورنہ اپنے بیٹے کی طرح ہنس کر مذاق بھی اُڑا سکتی تھیں۔“

”لگتا ہے۔ احمد کی حرکت کو دل پہ لے گئی ہو۔ اگر چاہو تو وہ تم سے معذرت کر لے گا۔ میں دیکھتی ہوں۔ یہیں ہوگا۔۔“

”ارے نہیں آنٹی کیا بات کر رہی ہیں۔ بات دل پہ لینے کی بجائے مجھے تو خود اب ہنسی آ رہی ہے۔ خیر میں چلتی ہوں۔ آپ اپنا خیال رکھیے گا۔ ایک دفعہ پھر سے شُکریہ۔۔۔“

مزید کُچھ کہنے کا موقع دیئے بغیر آگے بڑھ گئی۔

سعدیہ احمد کی تلاش میں نکلیں تو اُسے کاؤنٹر پہ موجود پایا۔

”جو چیزیں لسٹ پہ تھیں سب لے لیں؟۔۔“

”ہاں کچھ وہ بھی لے لیں جو لسٹ پہ نہیں تھیں۔ پیسے دیئے دینگی ناں۔۔۔“

سعدیہ نے جائزہ لیا۔شاپنگ میں دو سُرخ کارڈ ایک بُکے اور تین چاکلیٹ کے باکس موجود پائے۔

”یہ چیزیں کس کو دینی ہیں۔ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے۔رشتے داروں میں تو کسی کا برتھ ڈے نہیں ہے۔“

”اوہ یہ میری دوستوں کے لیے ہیں۔“

”ایک تو تمہاری دوستیاں تمہیں ایک دن کنگلا کر دیں گی۔“

”اسی لیے تو میں آپکے ساتھ رہتا ہوں۔مالدار ماں باپ کے ہوتے ہوئے پیسوں کی تنگی نہیں آتی۔“

”بیٹا تو فکر نہ کر بہت جلد میں نے تمہیں گھر سے عاق کر دینا ہے۔“

”گھر سے عاق کرنے سے کیا ہونا ہے۔بات تو تب ہو جب آپ مجھے اپنے دل سے عاق کریں۔“

”جانتے ہو ناں ایک ماں ایسا کبھی نہیں کر سکتی۔سُرخ کارڈ یہی بتا رہے ہیں۔جس دوست کو دیئے جانے ہیں۔وہ یقیناً خواتین ہیں۔“

”ظاہر ہے امی لڑکوں کو چاکلیٹ دینے سے رہا۔میں اپنی دوستوں کو یہ باور کروانا چاہتا ہوں۔میری ماں نے میری تربیت اتنی شاندار کی ہے۔جو بھی میری دوست بنے میں اُسکو اپنے رویے سے یہ احساس دلواتا ہوں کہ وہ خاص ہیں۔“

”میرے لختِ جگر سارے سیارے کی لڑکیوں کو خاص اہمیت دینے کے چکر میں یہ بات نہ بھول جانا کہ ایک تمہاری ماں کیا چاہتی ہے۔“

اوہ یہ میں بھولنا چاہتا ہوں۔مگر بدقسمتی سے بھول نہیں پاتا۔کیونکہ جو آپ مجھ سے چاہتی ہیں۔وہ بڑا مشکل کام ہے۔اپنی زندگی کا اختیار کسی اور کے ہاتھ میں دے دوں۔کسی اور کے ساتھ اپنا کمرہ بانٹوں' اُسکے میکے لیکر جاؤں' شاپنگ کرواؤں' بچوں کی ریں ریں سُنوں“

اسی بحث کے دوران دونوں سٹور سے نکل کر گاڑی تک آ گئے تھے۔سارا سامان اُس نے بوٹ میں رکھا۔ایک ڈونٹ کا پیکٹ لیکر اپنی سیٹ پہ بیٹھا اور ڈونٹ نکال کر نوالے لینے لگا۔

گاڑی جس جگہ پارک تھی۔سٹور کے داخلی و خارجی دروازے صاف نظر آرہے تھے۔اور احمد کی نظریں اُسی جانب لگی ہوئی تھیں۔سعدیہ نے اُسکو بڑے آرام سے بیٹھا دیکھ کر پوچھا۔

''کس کا انتظار ہے؟۔۔''

وہ برجستہ بولا۔۔۔

''حلال مچھلی کا۔۔۔''

سعدیہ نے ہنستے ہوئے بتایا۔۔

''اُسکا نام مچھلی نہیں نوال ہے۔''

''کیا تیز آنٹیوں والی سروس ہے۔پہلی ہی ملاقات میں نام پتہ سب پوچھ لیتی ہیں۔''

''نام پوچھنا مجھے اچھا لگتا ہے۔اور تم نوال کا انتظار کیوں کر رہے ہو؟۔۔''

''اُسکی آواز بتا رہی تھی۔لڑکی خوبصورت ہے۔اب سوچ رہا ہوں۔دیکھے بغیر جانا زیادتی ہوگی۔ایویں دل میں خیال آتا رہے گا۔کیا تھا جو میں اُسکا چہرہ دیکھ لیتا۔''

''وہ اتنی پیاری ہے۔چہرہ دیکھ کر تمہارا دل چاہے گا۔کاش دوستی ہی کر لیتا۔''

''اگر پیاری ہوئی تو کارڈ چاکلیٹ بوٹ میں ہی پڑے ہیں۔ابھی کے ابھی دوستی کر لونگا۔''

''لو وہ آگئی۔۔۔''

احمد کی نگاہیں پہلے ہی اُس طرف تھیں۔

''کیا وہ جو واکنگ سٹک کی مدد سے چل رہی ہے؟ آواز سے تو جوان لگ رہی تھی۔اور ماں اس مائی نے آپ کو آنٹی بولا تھا۔اللہ معافی قیامت کی نشانی ہے۔''

سعدیہ نے ہنستے ہوئے اُسکے ہاتھ پہ ایک جڑی۔۔۔

''وہ نہیں اُس کے ساتھ والی جس نے براؤن لباس پہنا ہوا ہے۔میرا خیال ہے اُسکے پاس گاڑی نہیں ہے۔چلو اُسکو لفٹ دے دیتے ہیں۔''

ماں کے مشورے پر وہ با آواز بڑبڑایا۔

”استغفراللہ۔۔“

انجن اسٹارٹ کر کے گاڑی پارکنگ سے نکالی اور زن کرتا نوال کے قریب سے نکال کر لے گیا۔

”گاڑی اتنے شوخے انداز میں کیوں بھگائی۔وہ سڑک پار کر رہی تھی۔اگر اُسے گاڑی لگ جاتی تو؟۔۔“

”لوگوں کا بڑا خیال رہتا ہے۔اپنے بیٹے کی کوئی فکر نہیں جو اتنا اہم کام چھوڑ کر آپ کے ساتھ آیا ہے۔“

”بھئی سیدھی بات پوچھو تو مجھے تمہارے شوق کی کوئی سمجھ نہیں آتی احمد۔۔۔اتنے پُرانے ماڈل کہ کھٹارہ کار جس کا ایک بھی پُرزہ سلامت نہیں ہے۔باڈی ساری زنگ آلود تھی۔تم نے پانچ ہزار پاؤنڈ اُس پر ضائع کر کے وہ کار خریدی۔۔اب تک نہ جانے اوپر کتنی رقم لگا چکے ہو۔پھر جو اتنی جسمانی مشقت کر رہے ہو۔اوپر سے جو گیراج میں گند ڈالا ہوا ہے۔وہ الگ ہے۔“

”بس آپ اتنا ہی تو جانتی ہیں کہ کونسی مچھلی حلال ہے۔جو کار مجھے سکریپ میں پانچ ہزار کی ملی ہے۔وہ ٹھیک حالت میں کتنا دام دیگی اس بات پہ غور کیا ہے؟۔۔“

”مگر اس کا تمہیں کیا فائدہ ہوگا۔؟۔۔“

”ظاہری بات ہے۔ایک تو میری ہابی ہے۔دوسرا انویسٹمنٹ ہے۔ماں یہ عام کار نہیں ہے۔وینٹیج ہے۔اسکی قیمت لاکھوں میں جاتی ہے۔میں کل نیٹ پہ دیکھ رہا تھا۔اس جیسی ہی ایک کار سکریپ میں بارہ ہزار پاؤنڈ کی بکی ہے۔میں تو بڑا لکی رہا تھا۔صرف پانچ ہزار میں ہی بے بی مل گئی۔۔“

”ویسے احمد کیا تھا اگر تم نوال کو لفٹ دے دیتے میں اسی بہانے پتا کر لیتی وہ شادی شدہ ہے یا نہیں۔۔۔“

اپنی گلی کا موڑ کاٹتے ہوئے اُس نے لاعلمی سے پوچھا۔۔

”کون نوال۔۔؟؟۔۔“

”ارے وہی مچھلی والی۔۔۔“

”مائے گاڈ سیریسلی ماں۔۔؟؟ اُس نے نفی میں سر ہلایا۔۔۔

”مجھ سے زیادہ تو آپ خود لڑکیوں کو تاڑتی ہیں۔آپکے چار پانچ بیٹے ہونے چاہیں تھے۔جہاں جاتیں ایک بیٹے کی منگنی یا شادی کر کے ہی آتیں۔میں تو بچارہ ایویں بدنام ہوں۔۔۔“

”ہائے اے کاش ایسا ہوتا ذرا سوچو ہمارے گھر میں کتنی رونق ہوتی۔ میری چار پانچ بہویں ہوتیں۔ پھر اُنکے بچے کتنا مزا آنا تھا۔ پر واہ رہ قسمت تیس سال کا بیٹا نہ بہو نہ کوئی پوتی پوتا۔“

”اتنا دُکھی ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ ابھی کسی یتیم خانے میں لے جاتا ہوں۔ جتنی بچے چاہیں پسند کرلیں۔ ہرایک کے باپ والے خانے میں اپنا نام لکھوادونگا۔“

”آئے بڑے کسی حاتم طائی کی اولاد۔۔“

اُس نے گاڑی گھر کے سامنے روکی۔ انجن بند کر کے باہر نکلا آ کرامی کا دروازہ کھول کر اُنکو باہر نکلنے میں مدد دی۔

”آپ یہ کیوں نہیں سوچتی ہیں۔ اگر کل کو آپ میری شادی کرتی ہیں۔ جیسی بہو مسز ملک کو ملی ہے۔ ویسی ہی آپکو مل گئی تو؟۔۔“

”تو کیا کم از کم میرے پاس اپنی بہو کی بُرائی کرنے کو تو کُچھ مواد ہوگا۔ اب تو جب بھی مسز ملک آتی ہیں۔ وہی بولتی ہیں۔ میں تو مجبوراً بیٹھ کر سُنتی ہوں۔“

آپ اندر چلیں میں گاڑی سے شاپنگ نکال لاتا ہوں۔ اُتنی دیر میں ایک کپ کافی بنا دیں۔ کافی پینے کے بعد مجھے واپس گیراج میں جانا ہے۔“

”پھر سے گریس اور گرد سے کالے کلوٹے بن جاؤ گے۔ آج کے لیے اتنا ہی کام کافی ہے۔ اب کل کرنا۔“

”دیکھا میری چند گھنٹوں کی دوری تو آپ سے برداشت ہوتی نہیں ہے۔ ویسے آپ مجھے نئے گھر شفٹ نہ ہونے کے طعنے مارتی ہیں۔“

”ہفتوں میں کہیں ایسا موقع آتا ہے۔ جب تم شام گھر پہ گزارتے ہو۔ میں نہیں چاہتی اس موئی گاڑی کو ہی سارا وقت دو۔“

ماں بیٹا آگے پیچھے چلتے اندر آئے۔

”خوشبو بتا رہی ہیں۔ چائے بن چکی ہے۔“

گھر کے اندر قدم رکھے ہی سعدیہ کے چہرے پہ مُسکراہٹ دوڑ گئی۔

تبھی کچن سے گرے بالوں والے اُنکے شوہر نے سر نکال کر مطلع کیا۔

"نہ صرف چائے بلکہ سموسے بھی تلے جا چکے ہیں۔ آؤ ہم دونوں ڈیل اور نو ڈیل دیکھتے ہیں۔ چائے نکالنے کا کام تمہارا سعادت مند بیٹا کرے گا۔"

احتشام صاحب اپنی زوجہ کا ہاتھ تھام کر سیٹنگ روم کو لے گئے۔

احمد آنکھیں گھماتا ہوا سامان ہاتھ میں لیے کچن میں آ گیا۔

"میں آپ لوگوں کا نوکر نہیں ہوں۔ پہلے آپ کی بیوی کو ڈاکٹر کے پاس لیکر گیا ہوں۔ اُسکے بعد شاپنگ کروائی ہے۔ اور اب چائے بھی میں ہی سرو کروں۔ اسی لیے میں شادی نہیں کرتا۔ آپ بڈھے میاں بیوی نے میری بیوی کے ساتھ بھی یہی سلوک کرنا ہے۔ اس لیے بہتر ہے وہ اپنی زندگی ماں باپ کے گھر کی عیش میں ہی جئے۔۔۔"

ریموٹ سے چینل بدلتے ہوئے احتشام صاحب نے ہانک لگائی۔۔۔

"جب تمہارا مظلومیت کا ترانہ ختم ہو جائے تو یاد سے فرائز میں سے چپس نکال دینا۔"

☆......☆......☆

وقت گزرنے کے ساتھ اگر اس کی محمد کے ساتھ کوئی بہت گہری دوستی نہیں ہوئی تھی تو وہ اس سے خار بھی اب نہیں کھاتی تھی۔ اس کی بے تکی باتوں کا جواب نہیں دیتی تھی پر سنتی توجہ سے تھی اور محمد بے چارہ اسی میں خود کو افلاطون سمجھتا تھا۔ جیسے نوال کی گڈ لسٹ میں آ کر بہت بڑا معرکہ انجام دے لیا ہو۔

گرمیوں کے خوبصورت دنوں کا لطف اٹھانے کے چکر میں کمیونٹی سینٹر والوں نے ایک فیلڈ ٹرپ کا پروگرام بنایا تھا کیونکہ کمیونٹی سینٹر میں نوجوانوں سے زیادہ تعداد عمر رسیدہ اور درمیانی عمر کے لوگوں کی تھی۔ اسلئے بس ہائر کی گئی تھی جس کے لئے سب نے مل کر حسب حیثیت فنڈز دیئے تھے۔ اس طرح سبھی ممبرز کچھ نہ کچھ کھانے کا سامان وغیرہ بھی لے کر آنے والے تھے۔

ٹرپ پہ جانے کے لئے نوال بڑی پر جوش تھی۔ ایک دن پہلے ڈھیر سی شاپنگ کر کے لائی۔ وہ سب کے لئے سینڈوچز بنانے والی تھی۔ اسی حساب سے اس نے چیز، بٹر، جیم، مائنیز، ٹیونا، بے بی کارن وغیرہ خرید کر رات میں

ہی سبھی سامان تیار کر کے رکھ دیا اور اپنے کپڑے منتخب کیئے۔ وہ پر اُمید تھی کہ فراز کو بھی اپنے ساتھ لے جانے میں کامیاب ہو ہی جائے گی مگر شام پانچ بجے آنے والی فون کال نے ساری خوشی غارت کر دی۔

کال اس کے موبائل پر آئی تھی۔ اس دفعہ Unknown کی بجائے 0800 والا نمبر تھا۔

"ہیلو نوال۔ فون بند مت کرنا۔"

وہ آواز پہچان گئی تھی۔ یہ اسی انجان آدمی کی کال تھی جس نے اسے تصویریں دی تھیں۔

"تمہاری جرأت کیسے ہوئی دوبارہ سے میرا نمبر ملانے کی؟"

"نمبر ملانے کے لئے جرأت کی نہیں انگلیوں کی ضرورت ہوتی ہے اور میرے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں سلامت ہیں۔"

"تم چاہتے کیا ہو؟"

"تمہاری بھلائی۔"

"میری بھلائی چاہتے ہو تو آج کے بعد یہ نمبر کبھی مت ملانا۔"

"ایسا میں نہیں کر سکتا۔"

"تو پھر بھاڑ میں جاؤ مرو۔ میرے پاس تم جیسے اٹنشن سنیکرز کے لئے ٹائم نہیں ہے۔"

"ہاں جانتا ہوں میں کہ تمہارا سارا ٹائم اپنے دو نمبر بے غیرت شوہر کے لئے ہے۔"

تھوڑی دیر تک وہ غصے سے کچھ بول نہ پائی۔

"تم اس وقت میرے سامنے ہوتے تو میں تمہارا منہ نوچ لیتی۔"

"ہاں جانتا ہوں نیکی کا زمانہ نہیں ہے۔"

"تو کیوں میرا باپ بننے کی کوشش میں ہو؟ آخری دفعہ کہہ رہی ہوں۔ اپنے کام سے کام رکھو ورنہ پچھتاؤ گے۔"

"تم نہ بھی بتاؤ تو میں جانتا ہوں کہ میں پچھتاؤں گا۔ ابھی بھی پچھتا رہا ہوں اس لمحے کو جب تمہیں پہلی دفعہ تمہارے شوہر کے ہاتھوں تھپڑ کھاتے دیکھا تھا۔ اس لمحے میرا جی چاہا تھا سیدھا پولیس میں جا کر شکایت کر دوں مگر

پھر میں اس حیرت میں مبتلا ہو گیا کہ آخر تم خود ایسا کیوں نہیں کرتیں۔کیا چیز تمہیں اتنا بے تعلق بے وجود سا رشتہ ختم کرنے سے روک رہی ہے؟''

''تم ہو کون ذلیل انسان میری زندگی پہ تبصرہ کرنے والے؟تم تو انسانیت کے بڑے سطحی درجے سے بھی گرے ہوئے دو ٹکے کے انسان ہو۔میرا شوہر مجھ پر ہاتھ اٹھاتا ہے ناں تو سن لو مجھے وہ پھر بھی پیارا ہے۔ہاتھ اٹھائے یا جان سے مار دے۔تمہارا ہماری زندگی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔''

''وہ تمہیں اب بھی مارے گا؟نوال بیگم یہ تمہاری محض خوش فہمی ہے۔خدا کا واسطہ ہے ہوش کے ناخن لو لڑکی۔وہ تمہیں مار چکا ہے۔''

''کیا بکواس کر رہے ہو۔آئندہ مجھے فون مت کرنا۔''

نوال نے نہ صرف فون بند کر دیا بلکہ بیٹری نکال کر سم باہر نکالی اور توڑ کر بن میں پھینک دی۔اس کے چہرے سے تپش اٹھ رہی تھی۔

''آخر ایک غیر انجان آدمی کیسے میری زندگی کے بارے میں اتنا کچھ جان گیا اور مجھے اس بارے میں کیا کرنا چاہئے۔کیا فراز کو بتا دوں؟آخر اس آدمی کا مقصد کیا ہے؟چاہتا کیا ہے؟میں کیا کروں؟اپنا سر ہاتھوں میں تھام کر بیٹھتی چلی گئی۔فراز آفس سے واپس آیا تو اس نے خاموشی سے اسے کھانا دیا جسے آج اس نے بھی حسبِ معمول نقص نکال نکال کر کھایا۔

''مجھے سمجھ نہیں آتی نوال تمہارے کون سا کوئی درجن بھر بچے ہیں جن کے ساتھ تم سارا دن مصروف رہتی ہو۔ایک گھر کی دیکھ بھال اور دوسرا کھانا بنانا۔یہ دو کام کرنے ہیں اور یہی دو کام بھی تم ٹھیک سے نہیں کر پاتی ہو۔آخر وہ بھی تو عورتیں ہیں جو بچے پیدا کرتی ہیں،پالتی ہیں،گھر بار بھی سنبھالتی ہیں۔شاید اسی لئے تمہاری کوئی اولاد نہیں ہو رہی۔تم سے تو بچے بھی نہیں سنبھالے جا سکیں گے۔ہاں ایک کام تم بہت اچھی طرح سے کر سکتی ہو۔''

دل کی زمین پہ قطرہ قطرہ خون ٹپک رہا تھا اور وہ اپنی بے جان ہوتی ٹانگوں پہ اسی طرح بے حس و حرکت کھڑی رہی جس پہ اس نے دل ہی دل میں خود کو داد دی تھی (نوال تم واقعی بہت بہادر ہو)

فراز نیپکن سے ہاتھ صاف کرتا ہوا اس کے قریب آیا اور اس کے ہونٹوں پہ اپنے سیدھے ہاتھ کا انگوٹھا پھیر

کر نیچرل رنگ کی لگی ہلکی سی لپ اسٹک کو صاف کر دیا۔

"لپ اسٹک بہت سلیقے سے لگاتی ہو حالانکہ تمہارے ہونٹوں پہ سج کر خوبصورت سے خوبصورت رنگ بھی اپنی کشش کھو دیتا ہے۔"

آنکھوں کے تپتے صحرا میں پانی کی ایک بوند بھی نہ ابھری۔ وہ ایک دفعہ پھر جی بھر کر حیران ہوئی۔ (نوال تم تو جینا سیکھ رہی ہو) اب تو چوٹ لگنے پہ تمہارے جسم سے خون بھی نہیں رستا۔

سڑک کے اس پار موجود آسمان کو چھوتی عمارتوں میں سے تیسرے نمبر والی عمارت کی پانچویں منزل پہ موجود فلیٹ میں کھڑکی کے شیشے کے ساتھ سر ٹکا کر باہر گھورتے ہوئے شخص کے ہاتھ میں کیمرہ تھا۔

آج بہت دنوں بعد اسے نوال کی بالکونی کا پردہ اٹھتا نظر آیا تھا اور اس لمحے کا اس نے جس بے چینی سے اس گزرے وقت میں انتظار کیا تھا یہ وہی جانتا تھا۔

اپنے بالوں میں دائیاں ہاتھ پھیر کر اس نے ذہن میں ابھرنے والی سوچوں کو جھٹکنا چاہا۔

وہ بغیر کیمرہ زوم اِن کیئے بھی نوال کے کچن کا سارا منظر بڑی آسانی سے دیکھ سکتا تھا مگر کچن سے آگے موجود سیٹنگ روم میں دیکھنے کے لئے اس کا کیمرہ بہترین آلہ تھا۔ سیٹنگ ایریے میں اسے کچھ موومنٹ نظر آئی تو اس نے فوراً کیمرہ کی آنکھ سے زوم اِن کیا۔

نوال صوفے کے قریب کھڑی تھی اور اس کا شوہر ٹشو سے ہاتھ صاف کرتا ہوا اس کے برابر کھڑا ہوا۔ وہ کچھ کہہ بھی رہا تھا مگر کیمرے والا الفاظ سمجھنے سے قاصر تھا۔ لپ ریڈنگ بھی کام نہ آئی۔

نوال کے شوہر نے اس کے ہونٹوں پر اپنا انگوٹھا پھیرا۔ وہ کیمرے میں دیکھ رہا تھا کہ نوال کا چہرہ بالکل بے تاثر تھا۔ نہ خوشی نہ حیرت، نہ جوش نہ غم، نہ غصہ، کوئی جذبہ اُدھر موجود نہ تھا۔ بالکل ایک ڈمی معلوم ہوئی۔

ایک لمحے کو اس نے کیمرہ اپنی آنکھوں سے دور ہٹایا اور گردن کی کھڑی ہوتی لوؤں پر ہاتھ پھیرا۔ اس کو معلوم ہوا کہ اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے اور سارے جسم پر جیسے چیونٹیاں رینگ رہی تھیں۔ دونوں لب سختی سے ایک دوسرے میں بھنچے ہوئے تھے۔ ماتھے پہ سوچ کی لکیر واضح ابھری نظر آ رہی تھی جو کہ اس کی ذہنی پریشانی کی ترجمان تھی۔ ہاں وہ پریشان تھا اور بہت زیادہ پریشان تھا اور اس عورت کے لئے پریشان تھا جو اس کی کچھ بھی نہ تھی۔ کیا

رشتہ تھا؟ کچھ بھی نہ کوئی رشتہ نہ تھا۔اس نے کیمرہ دوبارہ آنکھ کے سامنے کیا۔دوسری طرف سے نظر آنے والے منظر نے اسے جو تکلیف پہنچائی تھی وہ اس تکلیف سے شاید ہی تھی جو اس عورت کا شوہر اپنی بیوی کو دے رہا تھا۔

وہ بدصورت آدمی پھل کاٹنے والی چھری کی تیز دھار والی نوک سے نوال کی نازک جلد میں اوپری ہونٹ کے بالکل آؤٹ لائن کے قریب بڑی بے دردی کے ساتھ لکیر کھینچ رہا تھا۔اتنی دور سے بھی وہ چھری کے زخم سے رسنے والے خون کے رنگ کو دیکھ سکتا تھا۔

اس کے ہاتھ سے کیمرہ چھوٹ کر فرش پر گر گیا۔

(کمینے،بدذات، کتے کے بچے میں تمہیں چھوڑوں گا نہیں،ایک ایک زیادتی کا بدلہ لوں گا)

اس نے تیزی سے اپنی جیب میں موجود موبائل برآمد کیا اور اسی تیزی سے نمبر ڈائل کیا۔فون کان کے قریب کیا۔دوسری طرف بیل جا رہی تھی۔

"بلڈی،فون اٹھاؤ۔"اس کی آواز ویرانے میں ابھرنے والی نامعلوم دھاڑ کی طرح فلیٹ کی دیواروں سے ٹکرا کر معدوم ہوگئی۔

اس کے فلیٹ کی ساری روشنیاں گل تھیں۔بلیک ٹراؤزر کے اوپر ڈھیلی سی سفید شرٹ پہن رکھی تھی۔اب وہ یہاں سے وہاں اضطرابی کیفیت میں چکر کاٹ رہا تھا۔

دوسری طرف سے فون اٹھالیا گیا اسی لمحے اس نے کال کاٹ دی اور تین سیکنڈ کے وقفے سے دوبارہ وہی نمبر ری ڈائل کیا۔دوسری دفعہ تیسری بیل پہ ہی فون اٹھالیا گیا۔

"ہیلو؟"

یہ آواز سن کر غصے سے اس کے دماغ کی شریانیں یوں لگتا تھا کہ کسی لمحے بھی پھٹ جائیں گی۔وہ چاہتا تھا کہ ریسیور میں ابھرنے والی آواز والے کو دنیا جہان کی گالیاں اور کوسنے دے۔مگر ضبط کرتے ہوئے خاموش رہا ورنہ تو اس کے لئے یہ بھی بہت آسان تھا کہ اسی وقت نوال کے فلیٹ تک جا کر اسے شوہر کے منہ پر چھ سات گھونسے مار کر آتا۔اس نے اپنی زندگی میں کبھی کس سے نفرت نہ کی تھی۔جتنی نفرت اس وقت نوال سے محسوس کر رہا تھا۔

"یہ کیسی عورت ہے؟ وہ دو ٹکے کا آدمی اس کے خوبصورت چہرے پر کبھی نہ مٹنے والے نشان چھوڑ رہا ہے اور یہ بت بنی اس کے سامنے کھڑی ہے۔ چھوڑ کیوں نہیں دیتی ایسے جانور صفت آدمی کو؟"

وہ ایک آزاد معاشرے کی پیداوار تھا۔ اس کا ذہن گھٹ گھٹ کر جینے، اپنی ذات اپنی خوشیوں کو پسِ پشت ڈال کر بے وجود رشتوں کی نشوونما کرنے والے فلسفے سے بالکل ناواقف تھا۔ یہ عورت اس کی زندگی کا اب تک کا سب سے بڑا عجوبہ ثابت ہو رہی تھی۔

اگر یہ کہا جاتا کہ وہ دنیا گھوم چکا تھا تو غلط نہ ہوتا۔ وہ ایک لیڈنگ میگزین و نیوز پیپر کا قابل اعتماد اور قابل فوٹو گرافر تھا۔ اس کے علاوہ اپنے شوق سے مختلف ڈاکو مینٹریاں بھی بنا چکا تھا۔ اس کا کمایا اس کی اپنی جیب میں جاتا تھا۔ روپے پیسے کے علاوہ بھی کسی چیز کے لئے وہ کسی کا محتاج نہ تھا۔ اپنے کام سے اس کو جنون کی حد تک عشق تھا۔ زندگی بڑی فوکس جا رہی تھی مگر اس لمحے تک جب تک وہ نوال سے نہیں ٹکرایا تھا۔

جس عورت نے ایک ہوش مند سوچ سمجھ کر اپنے فیصلے کرنے والے آزاد خیال آدمی کی سوچ ہی کیا زندگی کی ترجیحات تک متاثر کر دی تھیں۔ آج کل اپنے فارغ وقت کو چھوڑ کر اپنے کام کے دوران بھی وہ ایسے ہی سوچتا تھا۔

اس نے یہ تو سن رکھا تھا کہ ایشین لوگوں میں رسم و رواج، طور طریقے ذرا مختلف ہیں۔ ایک گھر بسانے کے چکر میں فریقین کبھی کبھار سمجھوتے بھی کرتے ہیں مگر ایسی درندگی کا اس نے تصور بھی نہ کیا تھا کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے؟ ہر دفعہ نوال کو سوچتے ہوئے اسے ٹریسی بیکر بھی یاد آ جاتی تھی۔

تیس سالہ ٹریسی اس کی ہمسائی تھی۔ جب وہ خود صرف دس سال کا تھا۔ ٹریسی اور اس کا بوائے فرینڈ دونوں ہی نشہ کرتے تھے اور نشے کی حالت میں ایک دوسرے کو گالیاں بکنا انکا معمول تھا مگر جب بھی ٹریسی کے بوائے فرینڈ نے اس پہ ہاتھ اٹھایا۔ اس نشہ کرنے والی شراب کے نشے میں دھت گھومنے والی عورت نے جواب میں اپنے بوائے فرینڈ کو ہر دفعہ ناکوں چنے چبوائے تھے کیونکہ وہ ہلکا سا تھپڑ بھی مار دیتا تو ٹریسی فوراً واویلا مچا کر پولیس کو فون کر دیتی اور اس کا بوائے فرینڈ کئی دن حوالات کی ہوا کھانے کے بعد باہر آتا اور دوسری دفعہ ہاتھ اٹھانے سے پہلے دس دفعہ ضرور سوچتا۔

ٹریسی نے تعلیم مکمل نہیں کی ہوئی تھی۔ وہ ہائی سکول چھوڑ کر اپنی دوسری سرگرمیوں میں مصروف ہوگئی تھی۔ ٹریسی کے مقابلے میں نوال کے پاس زیادہ تعلیم تھی۔ مگر زیادہ تعلیم رکھنے والی نوال کے مقابلے میں ٹریسی اپنے حقوق سے زیادہ واقف تھی۔ نشے میں ہوش گنوا کر بھی اس نے ایک مرد کو اتنی اجازت نہیں دی کہ وہ اسے بے دریغ جانوروں کی طرح مار سکے۔ اور ایک اس عورت سے وہ واقف ہوا تھا جس کا آدمی اسے ذہنی، جسمانی، جذباتی ہر قسم کی اذیت سے دوچار کرتا ہے اور وہ پھر بھی کہہ رہی ہے کہ وہ اسے پیارا ہے۔ کیا اس عورت کو اپنی زندگی سے، اپنی ذات سے رتی بھر محبت نہیں؟

تیسری دفعہ دوسری طرف سے فون بند کر دیئے جانے کے بعد اس نے دوبارہ نمبر نہیں ملایا کیونکہ کیمرہ اٹھا کر اپنی سابقہ حالت میں واپس آ گیا اور یہ دیکھ کر اسے سکون ملا کہ جس مقصد کی خاطر اس نے وہ نمبر ملایا تھا وہ مقصد کامیاب ہوا تھا۔ نوال کا شوہر نوال کو چھوڑ کر فون کی طرف متوجہ ہو چکا تھا۔ شاید وہ لاسٹ آنے والی کال کا نمبر ڈھونڈ رہا تھا جو کہ اسے کبھی بھی نہیں ملنا تھا کیونکہ وہ ہمیشہ اپنے نمبر کو ہائیڈ رکھتا تھا۔ سوائے ان نمبرز کے جو اس کے کونٹیکٹ لسٹ میں شامل تھے کوئی غیر نمبر اس کا نمبر ٹریس نہیں کر سکتا تھا۔

وہ کچن میں داخل ہوئی تھی تو سیدھی نظر اٹھتے ہوئے پردوں پر گئی۔ وہ دیکھ سکتا تھا کہ تب سے بے تاثر نظر آنے والے چہرے پہ اس وقت مختلف قسم کے تاثرات کی جیسے بارش سی ہوئی تھی۔ شاک، غصہ، جھنجلاہٹ اور اینڈ پہ بے بسی، اس کی آنکھوں میں پانی چمکا تھا۔ وہ کچن میں لائٹ کے نیچے کھڑی کھڑکی سے باہر نظر آنے والے اندھیروں کو گھور رہی تھی۔ فلیٹوں کی کھڑکیوں میں اس کا سراغ ڈھونڈ رہی تھی۔ جیسے جانتی ہو کہ کوئی بڑے شوق اور غور سے اس کا تماشہ دیکھ رہا ہوگا۔ پھر اس نے وہ عمل کیا کہ کم از کم وہ توقع نہیں رکھتا تھا وہ اسے یوں مڈل فنگر دکھا کر وہاں سے ہٹ جائے گی۔

جب تک وہ اسے کیمرے میں نظر آتی رہی وہ سانس روکے یک ٹک اس کے چہرے کو دیکھتا رہا اور سارے مناظر کیمرے میں محفوظ کرتا گیا۔ جب وہ وہاں سے ہٹ گئی۔ اس نے کب کی رکی ہوئی سانس خارج کی اور اپنی پیشانی شیشے کے ساتھ ٹکا دی۔ آنکھیں بند کر کے وہ کئی سیکنڈ تک لمبے لمبے سانس لیتا رہا۔

"کیوں کر رہی ہو؟ تم میرے ساتھ اتنا ظلم کیوں کر رہی ہو؟ تمہارے اندر ظلم برداشت کرنے کی ہمت ہوگی

مجھ میں نہیں ہے۔"

باقی کی ساری رات وہ گاہے بگاہے دیکھتا رہا مگر وہ دوبارہ نظر نہیں آئی۔

☆......☆......☆

وہ کچھ سوچنا نہیں چاہتی تھی۔ کچھ محسوس کرنا نہیں چاہتی تھی۔ کوئی بات نہ کرنا چاہتی تھی نہ سننا چاہتی تھی مگر یہ خیال دماغ کی سلیٹ سے مٹ کر نہیں دے رہا تھا کہ یقیناً وہ دیکھ رہا ہوگا۔ غیر محفوظ ہونے کی سوچ نے اسے ہلا کر رکھ دیا۔ آج کل تو سوشل میڈیا کا دور ہے۔ لوگ فیک پبلسٹی کے لئے کیسے کیسے بونگے سٹنٹ کر جاتے ہیں۔ اس آدمی کے پاس میری تصویریں ہیں۔ یقیناً اگر وہ تصویریں لے سکتا ہے تو ویڈیو بھی بنا سکتا ہوگا بلکہ بنائی ہوں گی اور اگر اس نے میری ویڈیوز کسی سوشل سائٹ پر ڈال دیں تو؟

"یا اللہ۔ میرا ہادی و غمگسار صرف تو! میرا با اختیار با کمال صرف تو! یا اللہ تجھے تیرے حبیبﷺ کا واسطہ مجھ پر وہ بوجھ مت ڈال جس کو اٹھانے کی مجھ میں ہمت نہیں۔" دل میں اپنے مالک و مختار سے مخاطب ہوتے ہوئے ہی اس نے سائیڈ دراز میں سے نیند کی گولیاں نکالیں۔ دو لے کر پانی کے ساتھ نگل کر اچھی طرح کور اوڑھ کر لیٹ گئی۔

"یا اللہ! میرا تیرے سوا اور کون ہے؟ تیرے حبیبﷺ سے بڑھ کر میرے پاس تیرے حضور پیش کرنے کے لئے اور کوئی واسطہ نہیں ہے۔ بتا تجھے تیرے پیارے کے سوا اور کس کا واسطہ دوں؟ میری عزت تیرے ہاتھ میرے پیدا کرنے والے۔

دوسرے کمرے سے ٹی وی کی آواز آ رہی تھی مگر وہ ہر چیز سے بے نیاز ہو کر بہت جلد ہی نیند کی آغوش میں چلی گئی۔

اوپری ہونٹ اور ناک کے درمیان لگی سرخ لائن جمے ہوئے خون کی تھی۔ اس نے زخم دیکھنا تو دور کی بات صاف تک نہ کیا تھا۔ پردہ ہٹا دیکھ کر وہ اپنی ساری جسمانی تکلیف بھول گئی تھی۔ پردہ یقیناً فراز نے ہٹایا تھا۔ ہونٹ پر سوجن بکھر رہی تھی۔ پر نیند کی پری نے بڑی محبت سے اسے اپنی آغوش میں بھر کر تھپکیاں دی تھیں۔

☆......☆......☆

اگلی صبح اس کی آنکھ جب تک کھلی اچھا خاصا دن نکل چکا تھا۔سورج کی کرنوں کو چھن چھن کر کھڑکی سے بیڈ روم تک آتا دیکھ کر وہ ہڑبڑا کر فوراً اٹھ بیٹھی۔فجر کی نماز جاتی رہی تھی مگر بیڈ روم سے نکل کر فلیٹ کا جائزہ لینے کے بعد اسے معلوم ہوا کہ فراز بھی کام پہ جا چکا تھا۔

وال کلاک جو کہ کچن کی سامنی دیوار پہ لگا تھا اس وقت صبح کے پونے نو بجا رہا تھا۔وہ چلتی ہوئی آکر بے دلی سے صوفے پہ بیٹھ کر ریموٹ سے ٹی وی آن کرنے لگی۔

لمبی نیند لینے کے بعد وہ فرش محسوس کر رہی تھی اور کچھ یہ بھی تھا کہ کل رات ہونے والے واقعات اس کے ذہن سے محو ہو چکے تھے مگر بے خیالی میں اپنے ہونٹوں سے چھو جانے والا ہاتھ تکلیف کا احساس جگا گیا تھا۔ساتھ ہی ساری باتیں چھن سے ذہن کے پردے پر آ گریں۔

واش روم کے آئینے میں ابھرتے ہوئے اپنے عکس کو دیکھ کر ہی وہ یہ فیصلہ کر چکی تھی کہ وہ ٹرپ کے ساتھ جا کر ہرگز بھی سب کی چبھتی اور سوالیہ نظروں کا سامنا نہیں کرے گی اور یہ کوئی نئی بات تو نہ ہوگی اس کا یوں آف ہونا، اب تو سب کی عادت ہوگئی تھی اس کے بتائے بغیر چھٹی کر لینے کی مگر تب ہی ان ڈھیروں سینڈوچز کا خیال آیا جو اس نے کل اتنی محبت اور محبت سے سب کے لئے تیار کر کے فریج میں رکھے تھے۔

گرم پانی کھول کر اس نے آہستہ دھیرے دھیرے سے زخم پر جما خون صاف کر کے جائزہ لیا۔زخم پر پلاسٹر ہرگز نہیں لگایا جا سکتا تھا۔میک اپ کے ساتھ کور ہونے والوں میں سے بھی ہرگز نہیں تھا۔

اب کرے تو کیا کرے۔تھوڑی دیر تک سوچنے کے بعد اس کے دماغ میں ایک آئیڈیا آیا جس پر عمل کرنے کی غرض سے اس نے اپنا موبائل فون نکالا اور سر قاضی کا نمبر ملایا۔

"ہیلو۔السلام علیکم انکل۔"

"وعلیکم السلام۔نوال بول رہی ہو؟"

"جی نوال ہی ہوں۔"

"کہاں ہو۔ادھر سبھی آکر اکٹھے ہو رہے ہیں اور تم ابھی تک نہیں آئی ہو۔"

"سوری۔وہی بتانے کے لئے فون کیا ہے۔میں ٹرپ کے ساتھ نہیں جا سکوں گی۔"

”مگر کیوں؟“ قاضی صاحب حیرت سے بولے۔

”میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ انکل آپ پلیز محمود کو میرے گھر بھیج دیں میں نے سنیک بنائے ہوئے ہیں آ کر لے جائے۔“

”یہ تو بڑے افسوس کی بات ہے نوال۔ آخر یوں اچانک تمہیں کیا ہو گیا۔ آواز سے تو ٹھیک ہی لگ رہی ہو۔“

”وہ دراصل (اس کی کوئی سمجھ نہ آیا کیا بہانہ کرے) میں واش روم میں پھسل گئی ہوں اور شیشے کا پیس میرے چہرے پہ لگا ہے۔“

”اوئے ہوئے۔ اللہ کی بندی۔ زیادہ تو نہیں لگ گیا؟“

”نہیں انکل۔ ٹھیک ہوں بلکہ ایک دو دن تک ٹھیک ہو جاؤں گی۔“

”وہ تو ٹھیک ہے اللہ تمہیں تندرستی دے کیونکہ آج اپنا پنڈ و پتر بھی گر کر آیا ہے۔ بائیں آنکھ ساری نیلی کالی ہوئی پڑی ہے۔“

”ہا...... محمد کیسے گرا؟۔“

ہلکی ہلکی مونچھوں کے ساتھ سر پہ رکھ کر تیل انڈیل کر درمیان سے مانگ نکال کر بالوں کا انکل جیدی سٹائل پھر چشمہ کیا کم ہوتا تھا کہ اس کے پیچھے آنکھوں میں ڈونیاں بھر بھر کر سرمہ پھر اس کی باتیں سارے پیکیج کو سامنے رکھتے ہوئے قاضی صاحب نے محمد کا نام پینڈو پتر رکھا ہوا تھا جو کہ اب دوسرے ممبرز کی زبان پر بھی عام ہوتا جا رہا تھا۔

”اپنا پینڈو پتر بتیاں دیکھنے سٹی سینٹر نکل گیا تھا۔ وہیں چلتے چلتے کسی پول میں جا سر مارا۔ ابھی ساری تفصیل نہیں پوچھی کہ کتنی لڑکیوں کا پیچھا کرتے پٹ کر آیا ہے۔“

نوال کے ہونٹوں پر ہنسی ابھری مگر درد کی شدت سے وہ لب بھینچ کر رہ گئی۔ اسے بولنے میں بھی دشواری کا سامنا ہو رہا تھا۔

”انکل! آپ محمد سے کچھ نہ کہیں میں خود لے کر آ جاتی ہوں۔“ ساتھ ہی اس نے فون بند کر دیا۔

"اب نہ جانے وہ بیچارہ کتنا برا زخمی تھا۔ کیا تکلیف دیتی خود ہی تیار ہو کر چیزیں سینٹر تک دے آتی ہوں۔"

پہلے کچن میں آ کر سارے سینڈوچ (جن کو اس نے فوئل پیپر میں علیحدہ علیحدہ سا لپیٹ کر باکسز میں بند کیا ہا تھا) اپنی مخصوص باسکٹ میں رکھے۔ کچھ اور بھی چند چیزیں فریج سے نکال کر باسکٹ میں رکھیں۔ مطمئن ہونے کے بعد ڈریسنگ میں آئی، جینز کے اوپر بلوچی کڑھائی والا سبز کاٹن کا کرتا پہننے کے بعد بالوں کو اونچے بن میں باندھا، دانت برش کیے، منہ دھویا، چہرے پہ سن بلاک لگانے کے بعد جب اس کے ہاتھ لپ کلوز کی طرف بڑھے تو نہ جانے کیوں درمیان میں ہی رک گئے۔ (خوبصورت سے خوبصورت رنگ بھی تمہارے ہونٹوں پر سج کر اپنی کشش کھو دیتا ہے) الفاظ تھے کہ چاقو کی تیز دھار دل کیسے ٹکڑے ٹکڑے ہوا تھا۔ الماری میں سے کھینچ کر نیلا سکارف گلے میں ڈالا اور جوگرز پہن کر اپنے ہینڈ بیگ میں فون والٹ چیک کیا۔ ساری چیزیں سیٹ کر کے گھر سے نکلنے سے پہلے اپنے ہونٹ کو چوڑے سے پلاسٹر ٹیپ کے پیچھے چھپانا نہیں بھولی تھی اور باہر آتے ہی اس نے سکارف کا تھوڑا سا کپڑا ہونٹوں کے آگے تک کر لیا۔

پارک کی طرف سے جاتے ہوئے ابھی وہ کمیونٹی سینٹر سے ایک بلاک کی دوری پر تھی جب سامنے سے آتے نمونے کو دیکھ کر اس کی ہنسی چھوٹ گئی۔ پوری کوشش کر کے اپنے ہونٹ سختی سے ایک دوسرے میں پیوست کرنے کے باوجود درد اس کی برداشت سے باہر ہو رہا تھا اور ہنسی بھی آئے جا رہی تھی۔ باسکٹ ہاتھ سے رکھ کر وہ وہیں رک گئی یہاں تک کہ وہ قریب آ گیا۔

لونگ شارٹس کے اوپر نیوی رنگ کی پولو شرٹ پیروں میں جرابوں کے ساتھ کھسہ وہ بھی گولڈن تلے کا، سر میں چمکتا تیل بھی آج معمول سے زیادہ تھا۔ اور یہ معمول جب سے گرمیاں شروع ہوئی تھیں تب سے ہی شروع ہوا تھا اور سب سے بڑا اضافہ آج گلے میں لٹکتی دوربین کا تھا۔

نوال کی حالت سے بے خبر وہ اس کے قریب آیا تو بڑا پریشان چہرہ لے کر پوچھنے لگا۔

"مس نوال، آپ رو کیوں رہی ہیں؟"

نوال نے حیرت سے اپنے آنسو صاف کیے مگر ہونٹ سے ہونٹ نہ اٹھایا مگر ہنسی کے فوارے پھوٹتے ہی جا رہے تھے۔

”مس نوال! اگر آپ کی زیادہ طبیعت خراب ہے تو آپ گھر واپس چلی جائیں۔“

”میری طبیعت کو کچھ نہیں ہوا میں بالکل ٹھیک ہوں۔“

نوال کے جواب پہ محمد کے چہرے پر تشویش کے بعد حیرانی نے جگہ لے لی۔

”قاضی صاحب تو کہہ رہے تھے...... مگر آپ رو بھی تو رہی ہیں؟“ وہ بیچارہ کنفیوز ہو رہا تھا۔

”محمد! میں رو نہیں ہنس رہی ہوں۔“

”ہنستے ہوئے میں نے کبھی کسی کے آنسو نکلتے تو نہیں دیکھے۔“

”میرے آنسو اس لئے نکلے ہیں کیونکہ ہنستے ہوئے مجھے تکلیف ہو رہی ہے۔“

”اگر آپ کو ہنستے ہوئے تکلیف ہے تو آپ ہنس کیوں رہی ہیں؟“

”شوق سے تھوڑی ہنس رہی ہوں بیوقوف انسان۔ یہ کیا پہنے ہوئے ہو؟“

”کیا مطلب؟“ بیچارے نے معصومیت سے آنکھیں جھپکتے ہوئے پوچھا تھا۔

”مطلب کے کچھ لگتے۔ حلیہ دیکھو ذرا اپنا۔ شارٹس اور پولو شرٹ کے ساتھ کھسہ کون پہنتا ہے؟ یہ گلے میں دوربین لٹکانے کی کیا ضرورت ہے۔ کہیں برڈ واچ پروگرام پہ جا رہے ہو کیا؟ اور سب سے اہم سوال یہ آنکھ کیسے کالی کی ہے؟“

”دیکھیں مس نوال۔ میں خالی پیٹ ہوں۔ صبح سے ایک گلاس پانی تک نہیں پیا اور آپ مجھ سے ایک ہی دفعہ میں ہزار سوال پوچھ رہی ہیں۔ لائیے اپنی باسکٹ میرے حوالے کریں اور چلیں میرے ساتھ سینٹر تک۔ پھر باقی باتیں کھانے کے بعد ہوں گی۔“

”میں سینٹر تک نہیں جاؤں گی او گاش مجھ سے بولا بھی نہیں جا رہا۔“ اس نے منہ پہ ہاتھ رکھ کر لمبے لمبے سانس لئے۔

”مس نوال! آپ بار بار منہ کیوں پکڑ رہی ہیں۔ کیا آپ کی داڑھ میں درد ہے۔“

اس دوران وہ باسکٹ اٹھا کر اس میں سے بغیر پوچھے سینڈوچ نکال کر اپنی مدد آپ کر رہا تھا۔ ساتھ ساتھ چہرے پر تجسس لئے نوال کو دیکھ بھی رہا تھا۔ نوال پہلے پہل محمد اس قسم کی عادتوں پہ بہت حیران ہوتی تھی مگر اب

نہیں۔اب وہ جان چکی تھی کہ یہ وہ قربانیاں ہیں جو محمد کا دوست بننے والوں کو گاہے بگاہے دینی پڑتی ہیں اور وہ بھی بغیر چوں و چرا پیدا کیئے۔اب سینڈوچ تو وہ کھا ہی رہا تھا۔نوال نے پانی کی بوتل نکال کر اس کی طرف بڑھا دی۔

"او تھینک یو مس نوال۔آپ بہت اچھی دوست ہیں۔آپ نے آج ناشتے میں کیا لیا؟ اور بتایا نہیں کہ کیا آپ کے دانت میں درد ہے؟"

"میں نے ناشتہ نہیں کیا محمد اور نہیں، میرے دانت میں درد نہیں ہے۔میرے ہونٹ میں درد ہے۔دیکھ نہیں رہے پلاسٹر بھی لگا یا ہوا ہے۔"

"اوہ اچھا۔کیا کوئی پھنسی وغیرہ نکل آئی ہے؟"

"اللہ معافی ایسی کوئی بات نہیں۔بس تھوڑی سی چوٹ آ گئی ہے۔اب یہ مت پوچھنے بیٹھ جانا کب، کیسے، کہاں، کیوں۔بولنے سے مجھے تکلیف ہو رہی ہے۔"

اس دوران وہ دو سینڈوچ کھا کر پانی کی بوتل خالی کر چکا تھا۔

"دکھائیں ذرا مجھے۔کیسا زخم ہے۔" اس سے پہلے کہ نوال کوئی بہانہ بناتی وہ پہاڑ کی طرح اس کے سر پہ آ کھڑا ہوا اور ہاتھ بڑھا کر پلاسٹر ہٹا دیا۔

"سی...... پاگل آدمی اتنی بے دردی سے کھینچتے ہیں پلاسٹر۔"

"سوری۔" اس کا سارا دھیان زخم کی طرف تھا جبکہ نوال کو اس کے خود کے اتنے قریب کھڑے ہونے سے بہت الجھن ہو رہی تھی اور جو بات اسے حیران بھی کر گئی تھی کہ پینڈو پتر نے سینٹ بڑا کمال لگایا ہوا تھا جو کہ اس کے کپڑوں کی پسند سے بالکل متضاد تھا۔

وہ شاید اس کے چہرے کے تاثرات پڑھ چکا تھا اس لئے دو قدم اٹھا کر دور ہوا اور کندھے پہ ڈالے بیگ کو اتار کر جیب کھولنے کے بعد ہاتھ اندر ڈال کر کچھ ڈھونڈنے لگا۔تھوڑی دیر بعد ایک کریم برآمد کی۔

"یہ لیں، یہ لگائیں فرق آپ بہت جلدی محسوس کریں گی۔درد بھی جائے گا اور کوئی جراثیم ابھر آیا ہوا تو وہ بھی صاف ہو جائے گا۔"

نوال کریم پکڑ کر لیبل پڑھنے لگی۔

"تم دوائیاں بھی اپنے ساتھ رکھتے ہو۔"

"نہیں، یہ اتفاق ہے میرے پاؤں کی انگلی میں چوٹ آئی تھی اس پہ لگانے کے لئے ڈاکٹر نے دی تھی بیگ میں رہ گئی۔اور ہاں آپ گھر جائیں یہ سامان آپ کا میں قاضی صاحب کے حوالے کر دوں گا۔"

"کیا تم ٹرپ کے ساتھ جا رہے ہو؟"

"نہیں جی۔کانی آنکھ لے کر جاتا اچھا لگوں گا۔"اس نے باسکٹ ایک ہاتھ سے دوسرے پہ منتقل کی۔

"آپ گھر جا کر کیا کریں گی؟"

نوال نے کندھوں کو جھٹکا۔

"کچھ خاص نہیں، صفائی وغیرہ کروں گی۔کیوں؟"

"ویسے ہی، میں سوچ رہا تھا کہ اتنا اچھا دن ہے کیوں نہ یہیں پارک میں گزارا جائے۔میرا کوئی موڈ نہیں ہے گھر جا کر بستر پہ آرام کرنے کا اور کام کوئی کر نہیں سکوں گا۔"

نوال نے اک نظر اپنے اردگرد ڈالی۔بہت خوبصورت دن تھا۔کھلتی ہوئی دھوپ کی ہلکی سی حدت ہوا کے ساتھ مل کر بہت سکون دے رہی تھی۔وہ چھاؤں سے نکل کر دھوپ میں آ گئی۔گھاس پہ ہینڈ بیگ پھینکنے کے سے انداز میں رکھا۔

"پینڈو وہتر آئیڈیا تو برا نہیں ہے مگر یہ سامان کا کیا بنے گا؟"

"اوہ۔اس کی فکر نہ کریں آپ رکیں میں ابھی دو منٹ میں دے کر آتا ہوں۔"

مزید کچھ کہے بغیر وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا سینٹر کی طرف چلا گیا۔اسے جاتا دیکھ کر نوال کو ایک دفعہ پھر اس کے حلیے پہ ہنسی آئی۔جس کے ساتھ پھر سے زخم نے اپنے ہونے کا احساس دلوایا تو اس کا دھیان ہاتھ میں پکڑی کریم کی طرف گیا۔

ہینڈ بیگ میں سے چھوٹا سا آئینہ نکال کر اس کی مدد سے کریم اچھی طرح سارے زخم پہ لگائی۔جوتے اتار کر ایک طرف رکھ کر گھاس پہ چوکڑی مارے بیٹھی وہ اپنے فون سے کھیلنے لگی۔ہیڈ سیٹ لگا کر اس نے میوزک آن کیا

اور گرد کا جائزہ لینے لگی حالانکہ دھوپ میں بیٹھنے کا اتنا مزہ آ رہا تھا۔اک جی چاہ رہا تھا کہ وہیں پہ لیٹ جائے۔اپنی سوچ پہ خود ہی مسکرا پڑی اور اسے حیرت ہوئی کہ اس دفعہ ہونٹ پہ تکلیف نہیں ہوئی تھی۔اس نے چیک کرنے کی نیت سے ہونٹ پوری طرح پھیلائے، بہت مدھم سی ٹیس اٹھی تھی۔

''بڑی کمال کی کریم ہے۔''

محمد کے واپس آنے تک وہ دوگانے سن چکی تھی۔وہ خالی ہاتھ واپس نہیں آیا تھا۔ایک ہاتھ میں پیپر کی ٹرے میں دو لارج سائز کافی کے کپ تھے اور دوسرے ہاتھ میں خاکی لفافے میں یقیناً کھانے کو کچھ تھا۔

نوال کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

''اوئے پیٹو۔اتنی جلدی سیڈوچ ہضم کر گئے۔''

محمد نے کافی کے کپ اس کی طرف بڑھائے جسے نوال نے گھاس پہ رکھ دیا۔خود اس نے پہلے کندھوں سے اپنا بیک پیک اتار کر گھاس پہ پھینکا پھر نوال سے تھوڑی دوری پہ دھم سے بیٹھ گیا۔

''یہ میں اپنے لئے نہیں آپ کے لئے لایا ہوں۔کھا کر دیکھیں بڑے کمال کے مفن ہیں۔''

نوال نے اس کا اپنی طرف بڑھا ہاتھ سے براؤن پیکٹ تھام کر اس میں نظر ڈالی دو بڑے سائز کے چاکلیٹ مفن تھے۔

''لگ تو بڑی لیمی رہے ہیں۔''

''کھا کر دیکھیں۔ساری عمر میرا شکریہ ادا کریں گی۔''

''توبہ ہے تمہاری خوش فہمیاں بھی ناں۔''

ہلکا سا قہقہہ مارتے ہوئے وہ اپنی ٹانگیں سامنے کو پھیلا کر بازو پشت کی جانب گھاس پہ رکھ کر آتے جاتے لوگوں کا جائزہ لینے لگا۔

''ہیڈسیٹ پہ کیا سن رہی ہیں؟''

نوال نے بتانے کی بجائے ہیڈسیٹ نکال کر اس کی طرف پھینک دیا جسے اس نے اٹھا کر کان سے لگایا۔

نوال نے اپنا کافی کا کپ پکڑ کر دوسرا کپ محمد کی طرف بڑھایا جسے اس نے تھام کر اپنے سامنے رکھ لیا۔

"اتنا تو پہچان گیا ہوں کہ یہ نصرت فتح علی کی آواز ہے مگر قوالی کون سی ہے یہ نہیں پتہ چل رہا۔"

وہ مفن کھاتے ہوئے کافی کے سپ لے رہی تھی۔ بیچ میں بولی۔

"قوالی نہیں ہے، غزل ہے۔ ربا کدی وی نہ پیئن وچھوڑے۔"

"اوہ۔ سیڈ میوزک۔"

نوال دھیرے سے مسکرائی۔

"ویسے میں آج سیڈ میوزک کے موڈ میں بالکل بھی نہیں ہوں۔ بہت زیادہ خوش ہوں۔" محمد نے انگریزی میں روانی سے اپنی بات مکمل کی۔

"اچھا۔ کوئی خاص وجہ۔"

"جی بالکل۔ میری منگنی ہو گئی ہے۔"

اپنی منگنی کا بتاتے ہوئے جس ادا سے شرما کر اس نے سر جھکایا تھا۔ کافی کا سپ لیتی نوال کو اچھو لگتے لگتے رہ گیا۔

"ارے واہ۔ یہ تو واقعی بڑی خوشی کی خبر ہے۔ کس سے ہوئی؟"

"ظاہر ہے انسان کی بچی سے۔"

"ہاں تو وہ ظاہری سی بات ہے مگر میرا مطلب تھا پسند کی ہوئی ادھر سے کسی سے ہوئی وغیرہ وغیرہ۔"

"ہاں۔ پسند سے ہی ہوئی ہے۔"

"اف اللہ۔ یہ لڑکا اس قدر شرما کیوں رہا ہے۔" نوال نے حیرت سے سوچتے ہوئے اپنے سامنے بیٹھے نمولے کو دیکھا۔

"نام وغیرہ بھی بتا دو اب اگر برا نہ مانو تو۔"

"برا کیوں مانوں گا۔ شمیم نام ہے۔ پاکستان سرگودھے میں رہتی ہے۔ میرا دادا کی کزن کی نند کی بہو کی بہن ہے۔"

نوال کا منہ ایک دفعہ پھر حیرت سے کھل گیا۔

"مذاق کر رہے ہو؟"

"پاگل ہوں کیا؟"

"تو پھر یہ کیسا شجرہ نسب ہے؟"

"یہ شجرہ نسب نہیں ہے۔ میرے دادا کی طرف سے حوالہ ہے۔ ان کی رشتے دار ہے مگر...... ہے وہ بہت پیاری۔"

نوال کا قہقہہ بلند تھا۔

"تم نے اسے کب دیکھا؟"

"ابھی رات کو ہی دیکھا تھا۔"

"اور منگنی کب ہوئی؟"

"وہ بھی کل رات کو ہی ہوئی ہے۔"

"بھئی یہ کیسی پسند کی منگنی ہوئی۔ رات کو ہی منگنی ہوئی رات کو ہی لڑکی دیکھی۔ پہلے لڑکی دیکھی یا پہلے منگنی ہوئی۔"

"پہلے لڑکی دیکھی تھی۔ دادا نے وڈیو چیٹ پہ لائیو بات کروائی۔ وہ مجھے بتا چکے تھے لڑکی تمہیں پسند آ گئی تو ابھی اسی وقت منگنی ہونی ہے۔ جب وہ سکرین کے سامنے آئی۔ یقین جانیں جیسے کچھ یاد نہیں رہا کہاں بیٹھا ہوں۔ بیٹھا بھی ہوں کھڑا ہوں۔ بھوکا ہوں یا سیر ہوں اگر اس وقت آپ میرا نام بھی پوچھتیں تو میں نے انکار میں سر ہلا دینا تھا۔"

"ارے واہ تو پھر ہوش کی دنیا میں واپس کیسے آئے؟"

"ہوش کی دنیا میں خاک آنا تھا۔ سرگودھے والوں کی لائٹ چلی گئی۔ اک دم اندھیرا ہی چھا گیا۔"

"شکریہ تمہارا جو تم نے اپنی سٹوری سنانے سے پہلے مجھے یہ کریم دے دی ورنہ میں تو گئی تھی کام سے۔ اب میں آسانی سے ہنس تو نہیں پا رہی ہوں۔ آگے کیا ہوا۔"

"آگے کیا ہونا تھا۔ اِدھر لڑکی کا باپ آیا ہوا تھا۔ اس نے مجھے ایک کھجور کھلا دی اُدھر میرے دادا کی کزن نے

شمیم کو انگوٹھی ڈال دی منگنی ہوگئی۔''
''ہائے صدقے جاؤں اتنی سادہ منگنی۔''
''ہاں بالکل کیونکہ میرے دادا بڑے سادے سے انسان ہیں اور اصول کے پکے، زیادہ دھوم دھڑ کا پسند نہیں کرتے۔''
''زیادہ کو تو چھوڑو اِدھر تو اک پٹاخہ بھی نہیں چھوڑا گیا مگر خیر ہو سکتا ہے وہ پاکستان جا کر پراپر منگنی کرنا چاہتے ہوں۔''
''منگنی تو نہیں مگر ہاں شادی دھوم دھام سے کریں گے اور آپ پکی انوائٹ ہوگی۔''
''اچھا زندہ ہوئی تب تک تو انوئٹ کرو گے ناں۔''
''کیا مطلب؟''
''کچھ نہیں۔تم نے یہ نہیں بتایا کہ تم کرتے کیا ہو؟''
''ایک ٹیک اوے میں کام کرتا ہوں۔'' کافی کا خالی واپس ٹرے میں رکھتے ہوئے اس نے نوال سے سوال کیا۔'' آپ کا تعلق پاکستان میں کہاں سے ہے؟''
''لاہور سے۔''
''آپ کے کتنے بہن بھائی ہیں؟''
''میں اکیلی ہی ہوں۔''
''اچھا آپ کو تو بڑی موج ہوگی ماں باپ کا سارا پیار آپ کے لئے ہوگا۔''
نوال تھوڑی دیر تک اپنے جذبات پہ قابو ڈالتی رہی پھر دھیمی سی آواز میں بتایا۔
''میری امی کو کینسر تھا۔ان کی وفات تب ہوئی جب میں ساتویں کلاس میں تھی۔میرے ابو نے مجھے پالا تھا مگر میری منگنی کے بعد ان کی بھی وفات ہوگئی۔اس وقت دنیا میں میرا کوئی خونی رشتہ موجود نہیں ہے۔ایک خالہ ہیں ان کے ساتھ کبھی کبھار بات ہو جاتی ہے۔''
''مس نوال۔آپ کے نقصان کا سن کر مجھے دلی افسوس ہوا ہے۔اللہ آپ کے ماں باپ کی مغفرت

فرمائے۔“

نوال کے لبوں سے ہچکی کی صورت میں آمین نکلا۔ ”شکریہ محمد۔“

”مگر میری سسرال کی کافی بڑی فیملی ہے۔ میرے ہزبنڈ کی چار بہنیں ہیں اور دو بھائی، والد تو حیات نہیں ہیں مگر والدہ الحمدللہ حیات ہیں۔ ان سب سے بات چیت ہوتی رہتی ہے۔ (اس نے جھوٹ بولا، حالانکہ حقیقت اس کے بالکل الٹ تھی)

”چلیں ہزبنڈ کے بہن بھائی بھی تو آپ کے بہن بھائی ہوئے ناں۔“

”ہاں بالکل۔“ اس نے چہرے پہ دنیا بھر کی بشاشت بھری۔

”آپ کی سسرال اِدھر ہی ہے کہ پاکستان میں؟“

”نہیں، اِدھر نہیں ہیں۔ دیور ایک دبئی میں اپنی فیملی کے ساتھ سیٹل ہے، دوسرا بھائی پاکستان میں ہی ہوتا ہے۔ بہنوں سب کی شادیاں ہو چکی ہیں۔ امی اُدھر چھوٹے بھائی کے ساتھ ہوتی ہیں۔“

”میں دوبارہ سے معذرت چاہتا ہوں جو اتنا سیڈ موضوع شروع کر دیا۔ خیر چھوڑیں، یہ بتائیں آپ کو گاڑی چلانی آتی ہے۔“

”ہاں۔ میں نے ڈرائیونگ لائسنس پاس کیا ہوا ہے مگر گاڑی بہت کم چلاتی ہوں۔ تم نے کیوں پوچھا۔“

”آپ کو کچھ دکھانا چاہتا تھا۔“ اس نے اپنی جیب سے اپنا موبائل نکالا۔ سکرین آن کر کے دو تین دفعہ سکرین پہ انگلی لگائی اور پھر نوال کی طرف بڑھا دیا۔

”کیا یہ گیم کبھی کھیلی ہے؟“

”کون سی گیم ہے؟“

”پارکنگ جیم۔“

”نہیں آج تک تو نہیں کھیلی۔“

نوال کا فون بھی اُدھر ہی گھاس پہ پڑا ہوا تھا۔

”اگر آپ اجازت دیں تو آپ کے فون میں یہ گیم انسٹال کر دوں؟“

نوال پوری توجہ سے گیم کھیلنے میں مصروف تھی۔

''ہاں کردو۔''

محمد نے اس کا فون اٹھا کر چند منٹ میں ہی گیم انسٹال کر دی۔نوال اردگرد سے بے نیاز پوری توجہ سے گیم کے لیول طے کرنے میں مصروف تھی۔تیسرے کے بعد چوتھا شروع کیا۔جب فون نے وائبریٹ کیا اور اس کی سکرین پر نمبر روشن ہوا۔نوال کی گیم میں دلچسپی اس قدر زیادہ تھی کہ اسے یہ بھی یاد نہ رہا کہ جو فون ہاتھ میں پکڑا ہوا ہے وہ اس کا اپنا نہیں۔وہ آنے والی کال آن کر کے فون کان سے لگا چکی تھی۔

''ہیلو۔''

''ہیلو مس نوال، جاگ جائیں اب لاہور آ گیا ہے۔''

محمد کی آواز پہچان کر اس نے سر گھما کر دیکھا جدھر محمد بیٹھا ہوا تھا۔فون ہاتھ میں لہرا کر اسے دکھایا۔

نوال نے اپنا ہاتھ سر پہ مارا اور پھر دونوں ہی بے اختیار ہنستے چلے گئے۔

''میرا ہرگز قصور نہیں ہے۔سارا قصور تمہاری اس گیم کا ہے۔''

''ہاں چلیں آج کا لنچ میری طرف سے ہوا میں نے آپ کو معاف کیا۔''

''نہ بھئی رہنے دو، اب میں گھر چلوں گی، لنچ پھر کبھی سہی۔''

''نہیں تو نہ سہی، میں کسی گوری کو صلح مار لیتا ہوں۔''

''گوری کو کیوں شمیم کو مارو۔''

''ہائے ظالم انسان۔کیا یاد کروا دیا آپ نے۔اسے تو پہلی فرصت میں مونیٹر خرید کو بھیجنا ہے تا کہ اگلی دفعہ کال کے دوران اندھیرا نہ چھائے۔یقین جانیں میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا ہو گیا تھا۔پہلی نظر کی محبت پہ یقین رکھتی ہیں آپ؟''

''اچھا تو کہنا چاہ رہے ہو کہ شمیم سے تمہیں پہلی نظر میں محبت ہو گئی ہے؟''

''بالکل ایسا ہی ہے۔''

''ہاؤ سویٹ محمد۔میری دعا ہے کہ تم لوگ ہمیشہ خوش رہو۔کل یہ خبر سینٹر پہ سب کو سنائیں گے اور پھر تم ہم

سب کو ٹریٹ دو گے۔ آخر محبت میں کامیابی ملی ہے کوئی چھوٹی بات تو نہیں۔"

"حاضر جناب جب کہیں جہاں کہیں۔"

☆......☆......☆

ہر دفعہ کی طرح اس بار بھی فراز نے اسے دوا دلا اور اس نے با قاعدگی سے لینا شروع کر دی۔ یہ بھی نہ پوچھا کہ جو ادویات پہلے سے استعمال کرتی آ رہی ہے وہ بند کر دینی ہیں یا نہیں؟ بلکہ پہلی والی اور نئی دونوں ہی کھاتی گئی۔ اب تو ہر گزرتے دن کے ساتھ یہ دکھ ہر دکھ پہ بھاری پڑتا جا رہا تھا۔ جتنا فراز کو بچوں کا شوق تھا۔ اتنا ہی ان لوگوں کو کنسیو کرنے میں دیر لگ رہی تھی۔ ہر مہینے فراز کا پوچھا جانے والا مخصوص سوال اور جسم کے آر پار ہوتی چبھتی ہوئی نظریں زندگی سے حسن قطرہ قطرہ کر کے نچوڑتے جا رہے تھے۔ آتے جاتے رستوں میں یا شاپنگ مالز میں بچے نظر آتے تو آنکھیں بھر آتیں۔ اس نے باہر جانا ہی کم کر دیا۔ ٹی وی دیکھنے سے نفرت ہو گئی۔ فراز کا کوئی طنز کوئی طعنہ برا نہ لگتا بلکہ اپنا وجود فراز کی خوشیوں کے درمیان دیوار محسوس ہونے لگا۔ صرف ایک سینٹر میں ہی ایسی جگہ بچی تھی جہاں چند گھنٹے بتا کر کچھ وقت کے لئے ہی مگر دل ہلکا ہو جاتا۔ اور جب سب سے زیادہ سکون کی بات تھی وہ یہ کہ نامعلوم نمبر سے آنے والی فون کالز کا سلسلہ بند ہو چکا تھا۔ وہ جو کوئی بھی تھا اپنی وقتی مصروفیت سے تنگ آ کر راستہ بدل گیا تھا۔ کم از کم نوال کی تو یہی رائے تھی۔

آج ابا کی برسی تھی اور اس نے خود سے وعدہ کیا ہوا تھا کہ گھر پہ رو کر آج کا دن بالکل نہیں گزارے گی اس لئے زبردست سی بریانی، رائتہ اور ساتھ میں سوجی کا حلوہ بنایا۔ ہمسایوں میں تو زیادہ گورے ہی تھے مسز جمی کو حلوہ اور بریانی دیکر آئی۔ باقیوں کے ساتھ بھی ہیلو ہائے سے آگے کے مراسم تھے نہیں۔ اُس کے بعد آجا کر ایک ہی جگہ پھر آتی تھی سو سب کچھ گاڑی میں لاد کر وہیں لے آئی۔ کمیونٹی سینٹر والوں اور ممبرز کی تو جانو موج ہی ہو گئی۔

پلاسٹک ڈسپوزیبل پلیٹوں میں بریانی نکال کر سبھی میں تقسیم کرتے ہوئے وہ خود کو گھورتی ہوئی محمد کی نظروں سے بخوبی واقف تھی جو کہ ٹیبل پہ چڑھ کر بیٹھا مسلسل اسے گھورے جا رہا تھا۔ وجہ سے وہ لاعلم نہیں تھی اس لئے آخر میں اس کی پلیٹ لے کر اس کی طرف آئی۔

"مجھے گھورنا بند کرو اور یہ چاول کھاؤ، دماغ کی گرمی دور ہو۔"

"مجھے نہیں کھانے۔ جا کر اپنے مداحوں میں ہی بانٹیں بڑی دعائیں مل رہی ہیں۔"

"یعنی اب تم میرے سے جیلس بھی ہو گے؟"

"جیلس خاک ہونا ہے۔ میں تو اس لمحے کو پچھتا رہا ہوں جس گھڑی میں نے آپ کو شمیم کا نمبر دیا تھا۔"

"اچھا اب اتنی بھی اوور ایکٹنگ نہ کرو۔"

"یہاں میرے دل کا خون ہو گیا ہے اور آپ کو ایکٹنگ لگ رہی ہے۔ کب کی دشمنی نکالی ہے۔"

"کتنا فضول بول رہے ہو۔ بھلا میری تمہارے ساتھ کیسی دشمنی۔"

"تو پھر کیوں آپ نے شمیم کو بولا کہ اسے مجھ سے محبت نہیں کرنی چاہیے۔"

"اگر تم میری بات کو صبر اور تحمل سے سمجھو گے تو میری بات سے اتفاق ہی کرو گے۔"

اپنے ہاتھ میں پکڑی پلیٹ میں سے چمچ بھر کر منہ میں ڈالتے ہوئے اس نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔

جواب میں محمد نے جلدی سے اس کے ہاتھ میں سے پلیٹ اچک لی۔

"مجھے بتا سکتی ہیں کہ اگر شمیم کو مجھ سے محبت نہیں کرنی تو پھر کس سے کرنی ہے؟"

"دیکھا تمہارے اپنے سوال میں ہی جواب چھپا ہوا ہے۔ یقیناً محبت وہ تم سے ہی کرے گی مگر میرا پوائنٹ صرف اتنا ہے کہ تم سے اگر اسے محبت ہو بھی گئی ہے تو اظہار تب کرے جب تم اس کی زندگی میں با قاعدہ طریقے سے داخل ہو جاؤ گے۔ جب اس کی زندگی میں تمہاری کوئی سولڈ حیثیت بن جائے تب، ایویں نہ ابھی سے خود کو ہلکا کرتی ثابت کرے۔"

"او! محترمہ اگر بھول چکی ہیں تو یاد کرا دوں میں اس کا منگیتر ہوں۔"

"ہاں تو؟ منگنی کی کیا حیثیت ہے؟"

"یعنی آپ کی نظر میں منگنی کی کوئی حیثیت ہی نہیں ہے؟"

"بالکل بھی نہیں۔ منگنی کا کیا ہے کبھی بھی ٹوٹ سکتی ہے۔"

"پھر تو شادی کا بھی کوئی اعتبار نہیں، وہ بھی کبھی بھی ختم ہو سکتی ہے تو کیا شادی شدہ لوگوں کو بھی ایک دوسرے سے محبت کا اظہار نہیں کرنا چاہیے۔"

”ضرور کرنا چاہئے کیوں نہیں کرنا چاہئے۔تم منگنی اور شادی کو ایک جیسا نہیں کہہ سکتے۔دو شادی شدہ لوگ اگر ایک دوسرے سے چاہت اور محبت کا اظہار اپنے رویے اور عمل سے ظاہر نہیں کرتے تو مجرم ٹھہرتے ہیں جبکہ دوسری طرف میری نظر میں ایویں منہ اٹھا کر منگیتر سے اظہار محبت کرنا سب سے بڑی بے وقوفی ہے کیونکہ یہ سرے سے کوئی رشتہ ہے ہی نہیں۔“

کرسی عین میز کے سامنے رکھ کر اطمینان سے بیٹھ کر اپنی رائے کا اظہار کھلے انداز میں کرتی وہ محمد کے غصے میں مسلسل اضافہ کر رہی تھی۔جس بے چارے کی اردو پہلے سے تو بہتر ہی تھی مگر اتنی اچھی بھی نہیں تھی کہ وہ سپیڈ کے ساتھ ہکلائے بغیر اپنا جملہ پورا کر پاتا اس لئے انگلش میں ہی سر کھپانے لگا ہوا تھا۔کولا کے کین سے بڑا سا گھونٹ بھر کر خالی کین کو دور بن میں اچھالا اور واپس نوال کی طرف پلٹا۔

”آپ واقف ہیں ناں کہ میں شمیم سے محبت کرتا ہوں۔آپ کے سامنے ہی ہے یہاں پہ آپ کے سوا کسی لڑکی سے دوستی نہیں ہے۔“

”اور اگر میں یہی بات اسے بتانا چاہتا ہوں کہ وہ مجھے بہت اچھی لگتی ہے۔میں ساری زندگی اس کے ساتھ گزارنا چاہتا ہوں تو اس میں آخر برائی ہی کیا ہے؟“

”میں مانتی ہوں کہ بظاہر اس میں ایسی کوئی برائی نہیں ہے مگر اگر تم تھوڑی سی بھی گہرائی میں جا کر دیکھو گے تو شاید تمہاری سمجھ میں میرا پوائنٹ آجائے۔“

”تمہیں وہ اچھی لگتی ہے کوئی حرج نہیں۔بھئی یہ ایک عام فہم کی بات ہے۔اگر کسی کو دن رات اٹھتے بیٹھتے سوچا جائے گا اور جب سوچا نہیں جا رہا ہوگا اس انسان کے ساتھ ویڈیو چیٹ یا دوسری سوشل سائٹ پہ بات ہو رہی ہوگی تو میرے بھائی دور کے ڈھول کس کو سہانے نہیں لگتے؟ یہاں نہ کوئی ذمہ داری ہے،نہ فرائض محض کھٹی میٹھی باتیں ہیں۔“

”اچھا بس بس۔میں تمہارا بھائی نہیں ہوں۔“ایک دم اسے درمیان میں ٹوک کر وہ چلایا تھا۔نوال ہکا بکا رہ گئی۔ارد گرد موجود کئی لوگوں نے مڑ کر حیرت سے محمد کی طرف دیکھا تھا۔

نوال تو حیرت سے آنکھ تک جھپکے بغیر محمود کو دیکھے گئی جو کہ اپنی حرکت پر شرمندہ بھی نظر نہ آ رہا تھا۔ایک تو آپ

سے تم اور پھر بھائی بولنے پہ یوں ٹوکنا۔

"میرے بھائی بولنے سے تم میرے بھائی ثابت نہیں ہو گئے تھے۔ مگر بہت شکریہ مجھے باور کروانے کا۔ آئندہ خیال کروں گی۔"

محمد کو اب ہوش آیا۔ وہ اپنا بیگ پکڑ کر باہر کو نکل گئی۔ وہ بھی ہاتھ میں پکڑی پلیٹ وہیں میز پہ ڈال کر اس کے پیچھے لپکا۔ خارجی دروازے کے قریب ہی دو جست میں جالیا۔

"اوہ ناراض ہو گئی ہیں؟" دیوار بن کر سامنے کھڑا ہو گیا۔ نوال کی آنکھوں میں واضح نمی تھی۔ جب اس نے محمد کو گھورا۔

"جس لہجے میں اندر بولے تھے ویسے ہی بولو ناں۔ اتنا ادب کس لئے۔"

محمد نے زیرِ لب خود کو گالی دی۔

"مس نوال۔ ایم ایکسٹرلی سوری یار۔ مگر اس پہ نہیں جو میں نے کہا ہے بلکہ اس انداز پہ جس میں بولا ہے۔ ویسے اصولی طور پر آپ کو میری بات کا اتنا غصہ نہیں کرنا چاہئے کیونکہ آپ میری دوست ہیں اور دوست تو ایک دوسرے کو جوتے بھی مار لیں تو سوری کی گنجائش نہیں نکلتی ...... مگر پھر بھی میں شرمندہ ہوں مگر اللہ کی قسم مجھے کبھی غلطی سے بھی بھائی مت بولیے گا۔"

"کیوں؟ ویسے یہ بات کان کھول کر سن لو مجھے کوئی شوق نہیں ایرے غیرے لوگوں کو بھائی بولنے کا۔ وہ تو بات کے دوران منہ سے نکل گیا تھا مگر اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ تم یوں بے عزتی کرتے محمد کو بے عزتی لفظ پہ جھٹکا لگا۔"

"بے عزتی؟ اور جانے دیں نور جہاں ......!"

"بکو مت۔" نوال نے اپنا بیگ اسے کھینچ کر مارا۔ "بولو، بھائی پہ اتنا تڑ کا کیوں لگا؟"

"آ ؤ یار میرا روم میٹ تھا۔ سالا جتنی لڑکیوں کو بہن بولتا رہا ان میں آدھی سے زیادہ کو بعد میں ڈیٹ مارتا رہا بس تب سے سخت چڑ ہے مجھے اس لفظ کے غلط استعمال سے۔"

اب کے نوال ہنسی تو ہنستی چلی گئی۔ جب بولی تو محمد نے اپنا سر پکڑ لیا۔

”یعنی پینڈو، تم ڈر گئے کہ اگر آج نوال نے بھائی بول دیا ہے کل کو ڈیٹ پر لے جانے کی بات نہ کر دے۔“

”جانے دیں۔اب اگر میں جواب میں کچھ بولوں گا تو آپ سہ نہیں پائیں گی۔اس لیے اس بحث کو اِدھر ہی چھوڑتے ہیں۔اس وقت آپ چلیں میرے ساتھ۔“

ساتھ ہی اس نے اپنی جیب میں چابی ٹٹولی۔

”کدھر؟“

”مجھے شمیم کو گفٹ بھیجنا ہے اور سمجھ نہیں آ رہی کیا بھیجوں۔اس لئے آپ میرے ساتھ چل رہی ہیں ایک بھی اعتراض نہیں سنوں گا۔“

”کمال کرتے ہو۔بھلا مجھے کیا علم اسے کیا پسند و ناپسند ہے۔تمہاری منگیتر ہے تمہیں علم ہوگا۔“

”اچھا جی اب وہ میری منگیتر ہو گئی جس کے بارے میں صرف مجھے ہی علم ہونا چاہئے۔ابھی کچھ دیر پہلے تو آپ کچھ اور فرما رہی تھیں۔“

”تم ایسا کرو اسے فون کرو اور پوچھو کیا گفٹ لینا چاہے گی۔پھر جو وہ کہے بھیج دینا۔as Simple that“

”ویسے آپس کی بات ہے۔جان چھڑانے کے طریقے کوئی آپ سے سیکھے۔“

”اف۔توبہ ہے محمد۔تم بھی نا بات کا بتنگڑ بنانے کے ماہر ہوتے جا رہے ہو۔“

”وہ کیا ہوتا ہے؟“

”وہ تمہارا سر ہوتا ہے۔چلو اب جلدی پھر مجھے برتن بھی گھر لے کر جانا ہے۔“

”اوہ۔وہ تو کوئی مسئلہ نہیں۔اپنی گاڑی کی چابی دیں۔میں ڈیویڈ سے کہتا ہوں برتن وغیرہ جب فارغ ہو جائیں گے وہ گاڑی میں بھر کر آپ کے گھر کے پاس گاڑی پارک کر آئے گا کیونکہ سینٹر تو آدھے گھنٹے میں بند ہو جانا ہے۔“

”مگر گاڑی کی چابی پھر مجھے کیسے ملے گی۔ڈیویڈ تو اپنے گھر چلا جائے گا۔“

”وہ آپ فکر نہ کریں میں لا دوں گا۔چابی تو دیں۔“

”ویٹ آمنٹ۔تمہارے پاس تو گاڑی نہیں ہے۔میں بھی اپنی ادھر چھوڑ جاؤں تو جائیں گے کیسے؟۔“
بروقت نوال کے ذہن میں سوال آیا تھا۔

”ہم لوگ بس یا ٹرین سے جائیں تو مناسب ہے۔ٹاؤن میں گاڑی پارک کرنے کا الگ مسئلہ ہوتا ہے۔“

”ٹاؤن میں کیا کرنے جانا ہے؟“

نوال کی حیرت پہ محمد تپ ہی گیا۔

”بکریاں چرائیں گے ناں۔آپ کیا چاہتی ہیں؟ Asda سے گفٹ لوں؟“

”نہیں۔خیر اس کے علاوہ بھی کئی اچھے سٹورز ادھر قریب میں ہی واقع ہیں پہلے علم تو ہو لینا کیا چاہتے ہو۔ کوئی پرفیوم،میک اپ جیولری؟“

”میڈم جی۔اس بلڈنگ سے باہر تشریف لے جاتیں تو بندہ کچھ سوچ بھی۔اور آپ کو میں کیوں ساتھ لے جا رہا ہوں۔اگر خود کو علم ہوتا کہ کیا لوں؟“

”او اچھا۔چلو پھر نکلو،گاڑی ادھر ہی چھوڑ دیتی ہوں۔واپسی پر ادھر سے ہی لے لوں گی۔“

اگلے آدھے گھنٹے میں دونوں ٹرین کے ذریعے ٹاؤن میں پہنچے۔Buchanan street عام دنوں میں بھی خرید وفروخت کرنے والوں سے بھری ہوتی ہے آج ویک اینڈ کی وجہ سے تل دھرنے کی جگہ نہ مل رہی تھی۔ایک طرف سے شروع ہو کر ایک کے بعد ایک سٹور میں آتے جاتے محمد کو شمیم تو شاید بھول ہی چکی تھی۔سر پہ سیدھی پہنی جانے والی کیپ آج الٹی پہن رکھی تھی۔جینز کے اوپر وہی عام سی ٹی شرٹ کندھے پہ اڈیڈاز کا بیک پیک ڈالے یوں مگن گھوم رہا تھا جیسے اس آدمی کے پاس وقت ہی وقت ہو۔مارک اینڈ سپینسر سے اس نے اپنی والدہ کے لئے شال لی۔

ڈبینہمز سے دادا کے لئے ٹائی لی۔Next سے شمیم کی اماں کے لئے موزے لئے جے ڈی سے شمیم کی بہن اور بھائی کے جوتے لئے۔اتنے میں ہی نوال کا صبر جواب دے گیا تھا۔

بیچ رستے میں ڈٹ کر اس اللہ کے بندے سامنے کھڑی ہو گئی۔جواب میں محمد نے اس معصومیت سے دیکھا کہ نوال کا جی چاہا اپنا سر پیٹ لے۔

"مجھے بتانا پسند کرو گے کہ ہم یہاں کس لیئے آئے ہیں؟"

"ظاہری بات ہے شمیم کے لیئے گفٹ لینے اور کیا۔"

"شمیم کے کچھ لگتے پچھلے ایک گھنٹے سے پورے گاؤں کے لیئے کچھ نہ کچھ لے رہے ہو۔ شمیم کے لیئے کچھ کیوں نہیں لیا۔ ڈیبنہمز سے اتنے کمال کے ہینڈ بیگز تھے، پرفیومز لے سکتے تھے مگر تم منہ اٹھا کر وہاں سے باہر نکل آئے۔ اب کیا پرائم مارک سے اس کی شاپنگ کرو گے؟" نوال کی بات پر محمد کا چہرہ صدمے سے لٹک گیا۔

"آپ کو کیا لگا میں اپنی جان کے لیئے ایسی جگہوں سے شاپنگ کروں گا؟"

نوال کی حیرت سوا تھی۔

"تو پھر کہاں سے لو گے؟"

"آئیں، اب ادھر کو ہی جا رہا ہوں۔"

شیشے کا بھاری دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا اور نوال کو آنے کا اشارہ دیا۔

باہر سے چھوٹی سی عام دکان نظر آنے والی عمارت اندر سے حیرت انگیز طور پر کسی چھپے خزانے جیسی کھلی اور بڑی تھی۔ ٹوٹل چار منزلیں اور ہر منزل پہ دونوں طرف دکانیں جہاں سوائے ڈیزائنرز کے کسی عام یا لوکل پراڈکٹ کی نمائش تک نہ تھی۔ برانڈڈ میک اپ، پرفیومز، بیگ، جوتے، جرابیں، سکارف حتیٰ کہ چھتریاں اور ٹوپیاں تک برانڈڈ تھیں۔

نوال اپنے معیار کے مطابق اچھے مہنگے کپڑے وغیرہ ہی خرید کر پہنتی تھی مگر یہاں موجود چیزوں کی قیمتیں پڑھ کر چکر آ رہے تھے۔ عام سے ٹراوزر بیلٹ کی قیمت بیس پچیس ہزار روپے سے شروع ہو رہی تھی۔

"پینڈو پتر، یو شور کہ ہم غلط جگہ پر نہیں آ گئے؟"

جواب میں محمد نے نفی میں گردن ہلا کر بڑی ادا سے کہا

"میری شمیم کے شایانِ شان ایک یہی جگہ نظر آتی ہے۔

نوال کو اور مذاق سوجھا۔

"تمہارے معیار کی جگہ یہ ہے تو مجھے بتاؤ کسی پاکستانی سیاسی فیملی سے تعلق رکھتے ہو۔"

اس دفعہ محمد نے قہقہہ دبایا نہیں تھا۔

"ان بیگز میں سے جو آپ کو اچھا لگتا ہے وہی شمیم کے لئے لے لیتے ہیں۔ پسند کریں۔"

مختلف رنگوں اور ڈیزائنرز کے لیدر بیگ تھے جو کہ ایک سے بڑھ کر ایک۔ انسان کو سمجھ نہ آئے لے کیا اور چھوڑے کیسے۔

سب بیگز میں سے مگر مچھ کی جلد کے بنے سرخ بیگ کی ڈیکوریشن سب سے زیادہ توجہ کھینچ رہی تھی۔ نوال نے وہی بیگ اٹھا کر محمد کے آگے کر دیا۔

"اگر میری مرضی کا لینا ہے تو مجھے یہ والا اچھا لگا۔ آگے تمہاری اپنی مرضی۔"

محمد نے کوئی اعتراض نہ کیا۔ بیگ کے ساتھ ہی اس نے خوبصورت سی انگوٹھی لی جس کی سلیکشن میں دونوں کی ہی مرضی شامل تھی۔

"آپ میرے ساتھ آئی ہیں۔ اس لئے تھینک یو کے طور پہ میں آپ کو کچھ خرید کر دینا چاہتا ہوں۔"

دونوں ایک ساتھ چل رہے تھے۔ محمد کی بات پہ نوال نے مسکرا کر دیکھا۔

"ارے چھوڑو کن تکلفات میں پڑ رہے ہو۔"

سارے بیگ محمد کے ہاتھ میں ہی تھے۔

"نہیں، یہ میرا اصرار ہے کہ آپ کچھ نہ کچھ ضرور لیں۔ آئی ول فیل گڈ۔"

نوال کے چہرے پہ شرارتی مسکراہٹ چمکی جو کہ کچھ عرصے سے ہی نمودار ہونا شروع ہوئی تھی اور یہ بھی پینڈو پتر کی کمپنی کا کرشمہ تھا۔

"اچھا، اگر تم اتنا ہی چاہتے ہو تو پھر ایسا کرو

New BMW Seven Series

خرید کر دو بلیک کلر میں۔"

محمد کے قدم تھم گئے۔

"یہ جو شاپنگ میں نے کی ہے اپنے ابا سے ادھار لے کر کی ہے۔ میں کوئی امیر آدمی نہیں ہوں بلکہ میری تو

نسلوں میں دور دور تک کوئی صاحبِ مال نظر نہیں آتا۔اب بتائیں کیا لیں گی؟‘‘
نوال کے چہرے پہ دنیا بھر کی مایوسی نظر آئی۔پھر غمگین آواز میں کہا۔
’’چلو میکڈونلڈ سے لارج شیک پیتے ہیں اسٹرابری فلیور میں اور جبکہ ثابت ہوا تم کتنے غریب ہو تو بل میں دوں گی۔‘‘
’’نہیں،اب اتنا بھی کنگلا نہیں ہوں۔شیک کے لئے اپنی جیب جھاڑ کر کچھ نہ کچھ تو نکال ہی سکتا ہوں۔‘‘
’’HowSweetofYou‘‘
نوال نے میکڈونلڈ کی طرف جاتے ہوئے محمد کو چڑایا۔
محمد لائن میں کھڑا ہو کر اپنی باری آنے کا انتظار کر رہا تھا۔نوال اس کے پیچھے تھوڑے فاصلے پر موجود تھی۔ یونہی بے دھیانی میں اردگرد کا جائزہ لیتے ہوئے اس کی نظر اس ٹیبل پر پڑی جہاں تین لوگ موجود تھے۔نوال ساکت سی بس دیکھتی رہ گئی۔نہ جانے وہ حقیقی تصویر تھی یا ایک دھوکا ایک اتفاق۔کوئی دوست بھی تو ہو سکتے تھے۔ ضروری تو نہیں کہ میاں بیوی اور ان کا بچہ ہوں مگر وہ اتنی مکمل تصویر تھی کہ کوئی رنگ مانگے کا یا جھوٹا نہیں لگ رہا تھا۔بالکل ویسی ہی تصویر جیسی اسے پسند تھی،جیسی کی اس کی خواہش تھی۔اتنی پرفیکشن ......آدمی کے چہرے پر بہت خوبصورت سی نرم مسکراہٹ تھی اور آنکھوں میں پیار کا سمندر سموئے سامنے بیٹھی لڑکی اور بچے کو دیکھ رہا تھا۔نہ جانے کیوں نوال کو اپنا وجود اندر تک خالی برتن محسوس ہوا۔خالی دل خالی گود،اور خالی زندگی۔آنکھوں میں ابھرنے والی نمی کو آستین سے رگڑ کر صاف کرتی وہ شاپ سے باہر نکل گئی۔جب تک محمد نے اسے ڈھونڈا وہ بس سٹینڈ پہ بیٹھی خود کو کنٹرول کر چکی تھی۔
محمد کے چہرے پہ تشویش تھی۔
’’میں آرڈر پکڑ آیا اور آپ یوں غائب۔کیا ہوا؟ آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟‘‘
’’ہاں۔میں ٹھیک ہوں بس ادھر رش بہت تھا اس لئے دل گھبرایا تو ادھر آ گئی۔‘‘
محمد نے اس کا پیک تھمایا۔’’یہ پی لیں اچھا محسوس کریں گی۔مجھے بتا دیتیں ناں کہ باہر اِدھر کو جا رہی ہوں۔ میں پریشان ہوا پانچ منٹ لگے آپ کو ڈھونڈنے میں۔‘‘

نوال کو جواب میں کچھ کہنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ تبھی ان کی مطلوبہ بس آ گئی جس میں دونوں ہی سوار ہو گئے۔
شام کا وقت ہونے کی وجہ سے بس آفس سے پلٹنے والوں سے بھری پڑی تھی صرف ایک سیٹ خالی نظر آئی جس پہ نوال کو بٹھا کر محمد خود کھڑا ہی رہا۔ اگلا سارا رستہ نوال کا خاموشی میں گزرا۔ محمد بار بار پوچھتا رہا ہوا کیا ہے؟ مگر وہ تھکاوٹ کا بول کر ٹال گئی۔ اب اس بیچارے کو کیا بتاتی کون سے زندگی کا ناسور ہیں۔
گھر آ کر خود کو کاموں میں غرق کرنا چاہا۔ اونچی آواز میں میوزک لگا کر کھانا بنایا۔ ساتھ ساتھ خود بھی گاتی رہی۔ کہتے ہیں ناں جب اندر کی آواز کا شور بڑھ جائے تو آدمی اپنے گرد بھی شور چاہتا ہے تاکہ اندر کی آوازیں باہر کی آوازوں میں دب جائیں۔ کھانا بنا کر شاور لے کر کافی کا کپ بنا کر پیتی ہوئی بالکونی میں آ کر بیٹھ گئی۔ لائٹ نہیں جلائی۔ اندھیرے میں بیٹھتے ہی نہ جانے کیسے آنسو لڑیوں کی صورت آنکھوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر گرتے چلے گئے۔

وہ کلاس کو سوال و جواب کے پیپر بانٹ رہی تھی۔ جب کمرے میں فون کی گھنٹی گونجی۔۔
"مس نوال آپکا فون بج رہا ہے۔"
ایک لڑکی کے احساس دلوانے پر۔۔۔ وہ اُسکا شکریہ ادا کرتی اپنے بیگ کے پاس آئی۔ واٹس ایپ پہ پاکستان سے اُسکی ساس کے نمبر سے کال آ رہی تھی۔
"آپ لوگ یہ شیٹس آپس میں بانٹ لیں۔ میں فون سُننے باہر جا رہی ہوں۔"
کسی کا بھی جواب سُنے بغیر وہ خوشدلی سے کال آن کرتی باہر نکل گئی۔
"اسلام علیکم۔۔۔ آپکی بڑی لمبی عمر ہے۔ میں آج صبح گھر سے نکلتے وقت آپکے بارے میں ہی سوچ رہی تھی۔ پچھلے ایک ہفتے سے روز آپکا نمبر ملا رہی ہوں۔ بیل بھی جاتی ہے۔ مگر کوئی اُٹھاتا ہی نہیں۔ میں تو پریشان ہو گئی تھی۔ پر شکر ہے جو آج آپ نے خود کال کر لی۔ بتائیں آپ کیسی ہیں؟ گھر پہ باقی سب کیسے ہیں؟۔۔"
وہ اتنی خوش تھی۔ اندازہ ہی نہ ہوا۔ ایک ہی سانس میں بولتی چلی گئی۔ چونکی تب جب دوسری جانب سے مسلسل خاموشی ہی آئی۔
"ہیلو۔۔؟؟"

”آنٹی۔۔کیا آپکو میری آواز آرہی ہے؟۔۔“

”ہاں سُن رہی ہوں۔تم تو میری سوچ سے بڑھ کر شاطر ثابت ہوئی ہو۔شکل تمہاری کیسی بھولی سی ہے۔اور دل اس قدر کالا۔۔“

اُن کے الفاظ سے زیادہ لہجہ زہریلا لگا۔

”آنٹی کیا مجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہے؟۔۔“

”نہیں غلطی تم سے نہیں مجھ سے ہوئی ہے۔اور بہت بڑی غلطی ہوئی ہے۔جسکا بھگتان مجھے تاعمر بھگتنا ہے“

”آنٹی آپ مجھے بتائیں تو آخر ہوا کیا ہے؟۔۔“

”اچھا تو تم ابھی بھی میرے سامنے لاعلمی اور معصومیت کے ڈرامے جاری رکھنا چاہتی ہو۔میں بتا دیتی ہوں۔تمہارے حکم پر تمہارے شوہر یعنی میرے زن مرید بیٹے نے اپنے چھوٹے بھائی کی فیس بھرنے سے انکار کر دیا ہے۔وہ کہتا ہے۔میری بیوی مجھ سے ناراض ہوتی ہے۔وہ نہیں چاہتی کہ وہ اپنی حق حلال اور اتنی محنت سے کمائی دولت اپنے بھائی پہ خرچ کرے۔میں نے اپنے بیٹے کے راہ بند کیئے۔میں نے اُسکے ساتھ زبردستی کی تھی۔مجھے یہ تھا یہاں سے لڑکی بیاہ کر لے جائے گا۔وہ ہماری اپنی ہوگی۔ہمارا احساس کرنے والی ہوگی۔مگر مجھے کیا علم تھا۔میں نے اپنے ہاتھوں سے ایک جڑیں کاٹنے والی چڑیل اپنے بیٹے کے پلے باندھ دی ہے۔“

”ایسا نہیں ہے آنٹی آپکو غلط فہمی ہوئی ہے۔بھلا میں کیوں ایسا کرونگی۔؟۔۔“

”تم کیوں نہیں ایسا کروگی۔بی بی تمہارے پاس تو بڑی ٹھوس وجہ ہے۔ابھی تک ماں نہیں بنی ہو۔آخر میاں کو قابو نہ رکھو ماں، بہنوں اور بھائی سے دور نہ رکھوگی تو ہوسکتا ہے۔کل کو ہم اُسکی دوسری شادی کروادیں۔تم جیسی عورتیں انتہائی شقی القلب ہوتی ہیں۔وہ بچارہ گھر کا ماحول خراب نہ کرنے کی وجہ سے ہمیں نظرانداز کررہا ہے۔اپنے بچے کی فیس تو میں کیسے بھی بھرلونگی۔مگر یتیم بچوں کا حق مارنے پر میں تمہیں کبھی معاف نہیں کرونگی۔تمہیں تو اللہ پوچھیں نوال بی بی۔۔۔ہماری طرف سے تم جیو یا مرو۔۔۔کوئی فرق نہیں پڑتا۔کیونکہ میرے لیے اب تم مرگئی ہو۔خبردار آئیندہ کو اپنے ڈرامے کرنے کو میرے گھر پہ یا میرے کسی بچے کے نمبر پر فون کیا۔ڈائین کہیں کی۔۔۔“

اگر وہ بروقت بینچ پہ نہ بیٹھتی تو کھڑی کی کھڑی گرتی۔

نہ صرف ٹانگیں بلکہ اُسکا سارا جسم کانپ رہا تھا۔ کال بند ہونے کے بعد بھی کتنی دیر تک وہ فون ہاتھ میں لئے بیٹھی رہی۔ یقین ہی نہ آ رہا تھا۔ یہ سب فراز کی امی نے کہا ہے۔

"میں اُسکو کسی سے کیسے چھین سکتی ہوں۔ وہ تو میرا ہے ہی نہیں ہے۔ وہ کبھی دو پل رُک کر میرا حال نہیں پوچھتا میرے مشورے کیسے مان سکتا ہے؟۔۔ میں نے آج تک ایک چیونٹی نہیں ماری کسی کا حق کیسے مار سکتی ہوں ؟۔۔۔ کانپتی اُنگلیوں سے اُس نے سپیڈ ڈائل پہ موجود فراز کا نمبر ملایا۔

بل جاتی رہی۔۔۔ تین دفعہ وقفے وقفے سے نمبر ملایا۔ چوتھی مرتبہ اُسکی جُھنجھلائی ہوئی آواز سُنائی دی۔

"بڑی ڈھیٹ عورت ہو۔ جب میں کال نہیں اُٹھا رہا تو فون کرنا بند کر دو۔ مصروف ہوں۔"

"مجھے ضروری بات کرنی تھی۔ مہربانی ہوگی اگر دو سیکنڈ رُک کر میری بات سُن لیں۔"

"بولو کیا قیامت آ گئی ہے؟۔۔"

نوال نے گہرا سانس بھر کر اپنے پھیپھڑوں کو آکسیجن مہیا کی۔ بولی۔۔۔

"ابھی ابھی آنٹی کا فون آیا تھا۔"

"کس آنٹی کا؟"

"آپکی امی کا۔"

"اچھا تو پھر۔۔۔"

لہجہ اس قدر سرد تھا۔ نوال کو اپنے الفاظ بھولنے لگے۔۔

"وہ۔۔۔ آپ نے اُن سے کچھ کہا ہے؟ میرا مطلب میرے بارے میں آپکی اُن سے کوئی بات ہوئی ہے ؟۔۔"

"تم اتنی اہم ہرگز نہیں ہو کہ میں اپنی ماں سے تمہارا ذکر کرتا رہوں۔"

"وہ مجھ سے بہت ناراض ہیں۔"

"تو میں کیا کروں؟۔۔"

”آپ نے اپنے بھائی کی فیس کیوں نہیں بھیجی؟۔۔“

”میری مرضی میں اُسکو کُچھ بھیجتا ہوں۔ یا نہیں تم کون ہوتی ہو مجھ سے سوال جواب کرنے والی۔۔ اپنی اوقات میں رہو۔تمہارے لیے یہی بہتر ہے۔اوراب دوبارہ کال مت کرنا۔فضول میں میرے موڈ کا ستیاناس کر رہی ہو۔“

فون بند ہو گیا۔وہ وہیں کھڑی رہ گئی۔جی چاہا واپس فون ملا کر فراز کو دنیا بھر کی گالیوں سے نوازے۔۔

”اگر تمہیں مجھ سے نفرت ہے۔تو کیا تم یہ چاہتے ہو۔میرا ہر رشتہ مجھ سے نفرت کرے؟۔۔“

وہ جانتی تھی یہ سوال وہ اُس سے پوچھ بھی لے تب بھی نوال میں اتنی ہمت نہ تھی کہ وہ فراز کا جواب برداشت کر پاتی۔

اپنے چہرے پہ ہاتھ پھیرا ہاتھ سے چھونے والی نمی نے چونکا دیا۔

وہ رو رہی تھی۔

دونوں گال سکارف کے ساتھ رگڑ کر واپس کمرے کی جانب مُڑی مگر اپنے پیچھے کھڑے محمد کو گھورا۔۔

”تم ادھر کیا کر رہے ہو؟۔۔“

”آپ رو رہی تھیں؟۔۔“

وہ انکار کرنا چاہتی تھی۔مگر غصہ اُمڈ کر باہر آیا۔

”ہاں رو رہی تھی۔۔پھر۔۔۔؟۔۔“

”پر کیوں رو رہی تھیں؟؟۔“

”کیونکہ میرے ماں باپ مجھے اس دنیا میں اکیلا چھوڑ گئے ہیں۔اور جانے سے پہلے مجھے ایسے لوگوں کے حوالے کر گئے ہیں۔جنکو میری ضرورت ہی نہیں ہے۔میں آج اُنکی زندگی سے نکل جاؤں کسی کو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔جان لیا سچ آ گیا سکون؟۔۔اب بتاؤ کیا تمہارے پاس گاڑی ہے؟“

”گاڑی؟؟۔۔وہ کیا کرنی ہے؟۔۔“

”اپنے سر پہ مارنی ہے۔۔۔!! بھئی گاڑی میں کہیں جانا ہے۔“

”کہاں۔۔؟؟؟۔۔“

”آلیسن سٹریٹ یا پولکشیلڈز کہیں بھی جہاں سُونار کی دُکان ہو۔“

”گورے سونار کی یا ایشین کی؟۔۔“

”ایشین روائتی سُونار ہو۔“

”پھر تو گون ہل ہی چلیں وہیں ملے گا۔کیا اپنے لیے کُچھ لینا چاہتی ہیں؟۔۔“

”نہیں۔۔“

”تو پھر۔۔۔“

”تم نے قسم کھائی ہوئی ہے۔ہر سوال اسی وقت پوچھنا ہے۔کُچھ بعد کے لیے بھی بچا لیا کرو۔ابھی مجھے جانا ہے۔اگر تم چل رہے ہو تو آ جاؤ۔ورنہ خدا حافظ کل ملاقات ہو گی۔“

”گاڑی میں پیٹرول ڈلوا رہی ہیں۔تو آ جاتا ہوں۔“

”تمہارے پاس کبھی پھوٹی کوڑی تک نہیں ہوتی۔غریب غُربا۔۔۔“

جواب میں محمد ہلکا سا ہنستے ہوئے بولا۔۔

”آج میں غریب ہوں۔اللہ نہ کرے کل کو آپ بھی غریب ہو سکتی ہیں۔“

”ہاں جیسے آج تو میں بلین ائر ہوں۔ویسے شمیم کے لیے تمہارے پاس اندھی دولت کہاں سے آ جاتی ہے ؟۔۔“

دونوں ساتھ ساتھ چلتے ریسپشن پہ بتانے کے بعد باہر گاڑیوں کی قطار کی جانب جا رہے تھے۔

”جی وہ تو سچا پیار ہے۔اُسکے لیے تو اپنا آپ بیچ کر بھی پیسہ اکٹھا کر سکتا ہوں۔آپ جیسے دوستوں کی منتیں کر سکتا ہوں۔“

”ماشااللہ جدید دور کے عاشق بالکل ٹھیک جا رہے ہو۔“

”بہت شکریہ۔۔۔“

”گاڑی پہلے میرے گھر کی جانب لیکر چلو۔“

”مگر آپ تو کہہ رہی تھیں۔سُنار کے جانا ہے۔“

”ہاں مگر پہلے گھر سے مجھے کچھ لینا ہے۔اُسکے بعد سُنار کی طرف جانا ہے۔“

”جو حکم سرکار۔۔۔آپ وہیں رہتی ہیں ناں وہ اگلے روڈ کی پہلی گلی میں۔۔؟۔۔“

”ہاں۔۔تمہیں کیسے معلوم ہوا؟۔۔“

”یاد کریں ٹرپ والے دن قاضی صاحب نے مجھے آپکے گھر بھیجا تھا۔ساماں لینے کے لیے۔مگر آپ مجھے راستے میں ہی مل گئی تھیں۔“

”ہاں مجھے یاد ہے۔“

”آپکا کیا خیال ہے۔ہمیں ایک دفعہ پھر ٹرپ کا پروگرام بنانا چاہیے؟اس دفعہ پولک کنٹری پارک جائیں گے۔یا گلاسگو سے باہر کسی ہائیکنگ سپاٹ کا رُخ کرتے ہیں۔“

”پولک پارک کی کیا خصوصیت ہے؟۔۔“

”گلاسگو کا بہت مشہور اور بہت وسیع رقبے پر پھیلا پارک ہے۔اس میں فارم ہاؤس ہے۔برل کلیکشن ہے۔جو کہ ایک چھوٹا سا میوزم ہے۔ہر روز سینکڑوں لوگ وہاں سیر کی نیت سے جاتے ہیں۔پارک کا چاروں طرف اور درمیان میں کار سواروں اور پیدل چلنے والوں کے لیے ٹریک اور سڑکیں بنی ہوئی ہیں۔انجان انسان بڑی آسانی سے وہاں گم ہوسکتا ہے۔لوکل کاؤنسل کے سکول بچوں کو وہاں لیکر جاتے ہیں۔نقشہ پڑھنے کا اور نقشے کے مطابق راستہ تلاشنے کا ہُنر سیکھانے کی نیت سے۔میں بھی اپنے پرائمری سکول کے سالوں میں کئی مرتبہ وہاں جاچُکا ہوں۔“

”خاص کر اگر آپ شام کے وقت جاؤ۔بہت سے خواتین و مرد جوگنگ کرتے پائے جاتے ہیں۔ہفتے کے آخر میں لوگ زیادہ تر فیملی کے ساتھ آتے ہیں۔پکنک اور بار بی کیو کی پارٹیز رکھتے ہیں۔“

”اچھی بات ہے۔کل آکر سینٹر کی انتظامیہ سے بات کریں گے۔ایک اور ٹرپ کا بندوبست کریں۔تمام ممبرز اگر فنڈ جمع کریں۔اُس صورت میں انتظامیہ کو کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ویسے محمد پارک میں کیا خاص بات ہے۔کیوں ناں کنٹری سائیڈ پہ جایا جائے۔میرا مطلب ہے۔سکالینڈ قدرتی مناظر کے لحاظ سے اس قدر حسین

جگہ ہے۔اگر آپ ہر روز اُٹھ کر صرف آسمان کے رنگ ہی گنتے جاؤ تو یقین مانوں آپ کبھی نہیں تھکو گے۔ایک نیلا رنگ ہے۔اُسی ایک رنگ کی مختلف اور منفرد شیڈز دیکھنے کو نظر آتی ہیں۔چاہے جتنا بھی بُرا وقت جا رہا ہوں۔اگر انسان باذوق ہے۔تو صرف آسمان کے رنگ دیکھ کر ہی چہرے پہ مُسکراہٹ آجائے گی۔بس یہاں روک دو۔آگے جگہ خالی نہیں ہے۔"

بات کے دوران ہی اُس نے محمد کو ہدایت دی۔

محمد کے گاڑی روکتے ہی وہ اپنا سیٹ بیلٹ آزاد کر کے دروازہ کھولتے ہوئے بولی۔

"تم یہیں رُکو۔میں یوں گئی۔اور یوں آئی۔۔۔"

محمد نے تصدیق میں سر ہلایا۔وہ اُسی وقت گاڑی سے نکل گئی۔

محمد گاڑی کا میوزک سسٹم چھیڑ رہا تھا۔جب سات منٹ بعد وہ آ کر دوبارہ اُسکے برابر میں بیٹھی۔۔

اُسکی سُرخ ہوتی آنکھیں دیکھ کر محمد پوچھے بنا نہ رہ سکا۔

"مس نوال کیا آپ روئی ہیں؟۔۔"

نوال نے اپنا بیگ گود میں رکھا۔خاموشی سے سیٹ بیلٹ لگایا۔اور دھیمی آواز میں بولی۔۔

"چلو محمد اس سے پہلے کہ دُکانیں بند ہو جائیں۔"

"مگر آپ روئی کیوں ہیں؟؟۔۔۔"

گاڑی کو راستے پہ ڈالتے ہوئے بھی محمد کی سوئی اُسی پہ اٹکی ہوئی تھی۔

نوال سے بولا نہ گیا گلے میں گولا اٹکا ہوا تھا۔وہ جانتی تھی۔اگر محمد نے دوبارہ سوال پوچھا تو آنسو روکنا مشکل ہو جائے گا۔

اسلیے کُچھ بھی کہے بغیر گاڑی سے باہر دیکھتی رہی۔

آدھا راستہ ایسے ہی خاموشی میں کٹا۔۔جب اُس نے محمد کی آواز سُنی۔۔

"آج مجھے پتا لگ گیا ہے۔"

وہ منہ پھُلائے روڑ پہ نظریں جمائے گاڑی چلا رہا تھا۔

وہ پوچھے بنا نہ رہ پائی۔

"وہ کیا؟؟۔۔"

"چھوڑیں آپ جان کر کیا کریں گی۔ویسے بھی بات آپکے ہی متعلق ہے۔"

"کیا بات۔۔؟۔۔"

"کیوں بتاؤں۔۔؟۔۔آپ کونسا اپنی دفعہ کُچھ بتاتی ہیں۔"

"محمد ہر بات بتانے والی نہیں ہوتی۔"

"ہاں میں نے تو آپ سے نیوکلیر بمب بنانے کا فارمولا پوچھ لیا ہے۔"

وہ نم آنکھوں سمیت ہنس دی۔

"تم میرے سب سے اچھے دوست ہو۔"

"میں آپکا ایک ہی دوست ہوں۔"

"نہیں اور دوست بھی ہیں۔"

"جی نہیں وہ سب صرف ہیلو ہائے ہیں۔دوست بس میں ہی ہوں۔"

"حد سے زیادہ گھمنڈی انسان ہو۔"

"آپ بھی تو ایک دفعہ میں مان جایا کریں۔میرے کسی سوال کا جواب نہیں دیتی ہیں۔"

"یہ جو عینک تم پہنتے ہو۔کس عمر میں لگی تھی۔"

"بچپن سے ہی پہن رہا ہوں۔ممی بتاتی ہیں۔مجھے ڈیڑھ سال کی عمر میں ہی لگ گئی تھی۔" آلیسن سٹریٹ سے ہوتا ہوا وہ کیتھکارٹ روڈ پہ آیا۔اُنکی مطلوبہ دُکان بھی اُسی روڈ پہ تھی۔

گون ہیل کا سارا علاقہ ایشین کمیونٹی سے بھرا پڑا ہے۔پاکستانی اور انڈین روائتی ملبوسات کی دُکانیں ہیں۔ یہاں پر زیادہ تر وہ مرد اور جوان رہائش پزیر ہوتے ہیں۔جو یا تو سٹوڈنٹ ہیں۔یا فیملی کے بغیر رہتے ہیں۔ ایک ایک فلیٹ میں کئی افراد نے مل کر کمرے کرائے پہ لئے ہوتے ہیں۔یہ چھڑے چھانٹ لوگوں کا علاقہ زیادہ ہے۔مگر جب سے چیکوسلوواکیا اور دیگر چھوٹے چھوٹے یورپین ممالک کو برطانیہ میں فری اینٹری ملی ہے۔یہ

علاقہ کافی نیچے چلا گیا ہے۔ کیونکہ پہلے یہاں پر ایشین لوگوں کی ورکنگ کلاس رہتی تھی۔ تقریباً ہر دوسرا بندہ برسرِ روزگار تھا۔ اُسکی وجہ یہ ہے۔ ہمارے لوگ اپنے گھر سے نکلتے ہی بڑے بڑے خواب آنکھوں میں سجا کر نکلتے ہیں۔ بڑے گھر کے خواب' بہتر زندگی کے خواب' معاشرے میں اپنا سٹیٹس اوپر لیکر جانے کے خواب' اسلیے وہ دن رات کی تقسیم بھول کر بس کام کرتے ہیں۔ پھر سارے ہفتے کی محنت ہفتے کے آخر پہ وصول کرتے ہی منی ٹریولر ایجنسی کا رُخ کرتے ہیں۔ کیونکہ پیچھے گھر سے پہلے سے فون آ گیا ہوتا ہے۔ تمہارے بھائی کی منگنی ہے۔ بچوں کی فیس جانی ہے۔ گھر بنانا شروع کیا ہوا ہے۔ لینٹر کے پیسے بھیجوں۔ گاڑی آرڈر کی ہوئی ہے۔ ڈاؤن پیمنٹ دینے کے پیسے نہیں ہیں۔ جلدی سے بھیج دو۔ یہ یہاں پر تقریباً ہر دوسرے بندے کی کہانی ہے۔ اپنے لوگ جہاں بھی ہیں۔ محنت کرنا جانتے ہیں۔ جبکہ یورپین ممالک سے آنے والوں کو آتے ہی کاؤنسل نے مفت رہائش دئی۔ مفت سکول وطب کی سہولیات دیں۔ یہاں تک کہ جیب خرچ تک لگا دئے۔ جب آپ نے بھوک دیکھی ہو۔ اور ایک دم چھپڑ پھاڑ کر مل جائے۔ انسان اپنی اوقات بھول ہی جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے ان یورپین لوگوں نے جی بھر کر گند ڈالا۔۔۔ لڑائیاں' لڑکیوں کی فروخت۔۔۔ جو کہ پیسے لیکر اپنی لڑکیوں کے نکاح اُن مجبور حضرات سے کرواتے جو ویزا لینے کے چکر میں یورپین عورت کے ساتھ بندھن باندھتے کیونکہ یورپین عورت کے شوہر کی حیثیت سے ویزا ملنے کے چانس بہت اوپر ہوتے ہیں۔ آپکوسٹی اور مارکیٹس میں مانگنے والے ملنے لگے۔ جو کہ اپنی جگہ بڑی ہی حیرت انگیز حقیقت تھی۔ پولیس کی زمہ داری بڑھ گئی۔ کرائم ریٹ اوپر چلا گیا ہے۔ قوی امکان یہی ہے۔ اگر مستقبل قریب میں ای یو ریفرنڈم ہوا۔ تو برطانیہ کی زیادہ تر عوام ایورپ چھوڑنے کے حق میں ووٹ دئے گی۔ اپنے لوگ تو بلاشبہ ایورپین کے خلاف وٹ دیں گے۔ کیونکہ ہم نے یہاں پر اپنا مقام سالوں کی محنت کے بعد بنایا ہے۔ مگر یورپین ہماری جانب دیکھ کر ایسے جتاتے ہیں۔ جیسے تم لوگ باہر کے ہو۔ ہم تو یہاں کے نشنیلٹی ہولڈر ہیں۔ صرف اس لیے کہ انکو برطانیہ میں آنے کے لیے ویزے کی ضرورت نہیں ہے۔ اُنکو ایک اچھا شہری ثابت نہیں کرتی۔

پر یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے۔ لوکل گورے انکو فیور اس لیے کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ سمجھتے ہیں۔ پاکستانی اور انڈین کہیں اور سے آ کر یہاں کما کر پیچھے بھیجتے ہیں۔ جہان یہ لوگ ہمارا اتنا فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ کیوں نہ ہمارے

ہم مذہب ہم رنگ لوگ اسکا فائدہ اُٹھائیں۔ اگر ہم نے باہر کے لوگوں کو یہاں رکھنا ہی ہے۔تو اپنے گورے کیوں نہیں۔اب دیکھنا یہ ہے۔اس دنگل میں جیتے گا کون اور ہار کس کے مقدر میں آئے گی۔

محمد گاڑی میں بیٹھا آتے جاتے لوگوں کو دیکھ رہا تھا۔کیونکہ نوال نے اُسکو اپنے ساتھ آنے سے منع کر دیا تھا۔جس پہ محمد کو حیرت کے ساتھ ساتھ غصہ بھی آیا۔بھلا ایسا کیا کام ہے۔جو اتنا پردہ برت رہی ہیں۔

پندرہ منٹ بعد نوال باہر آئی۔اُسکی شکل سے لگ رہا تھا۔کسی بھی لمحے پھوٹ پھوٹ کر رو دے گی۔

وہ آکر اپنی جگہ پہ بیٹھ گئی۔ٹھہری ہوئی آواز میں بولی۔

''مجھے منی ٹریول ایجنسی پہ جانا ہے۔''

''آپ کسی خاص مشن پہ لگ رہی ہیں۔''

''ہاں۔۔''

''بتانا پسند کریں گی۔''

نوال نے سختی سے سر نفی میں ہلایا۔

''جیسے آپکی مرضی۔۔۔''

محمد نے گاڑی آگے بڑھا دی۔

کیتھ کارٹ روڈ سے نکل کت واپس آلیسن سٹریٹ میں جا کر ایک دفعہ پھر نوال کی مطلوبہ جگہ کے باہر گاڑی روک دی۔

وہ اُسی خاموشی سے گاڑی سے اُتر گئی۔ پر اس دفعہ فوراً ہی واپس آ گئی۔

محمد اپنے فون پہ مصروف تھا۔جب کھڑکی پہ دستک نے اُسکو متوجہ کیا۔

نوال تھی۔۔۔

محمد نے شیشہ نیچے کیا۔

''جی۔۔؟۔۔''

''کیا تمہارے پاس تمہاری آئی ڈی ہے؟''

”کیوں؟۔۔“

”میں نے پاکستان پیسے بھیجنے ہیں۔مگر وہ آدمی کہہ رہا ہے۔اتنی زیادہ رقم بھیجنے کے لیے مجھے آئی ڈی دیکھانی پڑے گی۔مگر میرے پاس اس وقت کوئی ڈاکیومنٹ نہیں ہے۔اور میرا پاسپورٹ ویسے ہی ایکسپائیرڈ ہے۔مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔“

وہ اپنی موٹی عدسوں والی عینک سے اسکو دیکھتا رہا۔جیسے اُسکی بات سر کے اوپر سے گزر گئی ہو۔

”محمد۔۔۔!!۔۔“

”جی سُن رہا ہوں۔اتنا اونچا بولنے کی ضرورت نہیں ہے۔کتنے پیسے بھیج رہی ہیں؟۔۔“

”پ پانچ لاکھ۔۔۔“

محمد کی آنکھیں پھیلیں۔

”پانچ لاکھ۔۔۔؟۔۔“

”ہاں۔۔“

”بھیج کس کو رہی ہیں۔آپ نے تو بتایا تھا۔آپکے امی ابو حیات نہیں ہیں۔“

”اپنی ساس کو بھیج رہی ہوں۔اور مزید کوئی سوال نہ کرنا۔“

”آپ مجھے ٹالتی ہی رہتی ہیں۔اچھا آپ گاڑی میں آکر بیٹھیں۔میرا ایک کزن یہ کام کرتا ہے۔میں آپکو اُسکے پاس لے جاتا ہوں۔اُسکو میں کہوں گا۔آئی ڈی دیکھے بغیر ہی آپکا کام کردے۔“

وہ گاڑی میں بیٹھ گئی۔محمد نے گاڑی آگے بڑھا دی۔

”یہ ایجنٹ کا قصور نہیں ہے۔کیونکہ حکومت نے سختی کی ہوئی ہے۔اگر کوئی ایک لاکھ سے اوپر رقم بھیجنا چاہتا ہے۔اُسکو اپنی آئی ڈی دیکھانی پڑے گی۔انکا کہنا ہے۔اس طرح سے ملک سے باہر جانے والے پیسے کا رکارڈ رہتا ہے۔یہ بھی بات پتا چلتی ہے آیا جو شخص اتنا پیسہ بھیج رہا ہے۔کس کو بھیج رہا ہے۔اور بھیجنے والے کا ذرائع روزگار کیا ہے۔“

پندرہ منٹ بعد محمد نے گاڑی ایک جگہ روکی۔

"" آجائیں ادھر سے کام ہو جائے گا۔"

"کیا ایسا نہیں ہو سکتا تم ہی اندر چلے جاؤ مجھے نہ جانا پڑے۔"

محمد کے ماتھے پہ ہلکی سی تیوری آئی پھر ہٹ گئی۔

"لائیں دیں پیسے میں کوشش کرتا ہوں۔ جس کے نام بھیجنے ہیں۔ اُسکا نام اور فون نمبر بھی بتا دیں۔"

نوال نے رقم اُسکے حوالے کی اور محمد کے بڑھائے فون میں اُسکی ہدایت کے مطابق میمو میں اپنے دیور کا نام اور فون نمبر لکھ دیا۔

محمد کے جانے ہے بعد نوال نے خود کو آنسوؤں کے حوالے کر دیا۔ آج وہ اپنے والد کی جانب سے ملنے والا زیور بیچ آئی تھی۔ بات زیور کی نہ تھی۔ بات اُس سے وابستہ یادوں کی تھی۔ حوالے کی تھی۔ کبھی کبھار وہ یونہی ساری چیزیں نکال کر دیکھ لیتی۔ ماں کا چہرہ یاد آ جاتا۔ باپ کے الفاظ یاد آتے۔ ہونٹوں پہ مسکراہٹ دوڑ جاتی۔ آج وہ اس مسکراہٹ کی وجہ ہی ختم کر آئی تھی۔ اور جن لوگوں کی خاطر وہ اس حد تک چلی گئی تھی۔ اُنکو اسکے خلوص کی پہچان ہی نہ تھی۔

محمد کے آنے سے پہلے وہ بیک ویو مرر کی مدد سے اپنا پھیلنے والا مسکارا اور کاجل ٹھیک کر چکی تھی۔ بلکہ گالوں پہ ہلکا سا بلش لگا کر زرد پڑتی رنگت کو چُھپا لیا۔ ہونٹوں پہ گہری مارون لپ اسٹک نے چہرے میں جان ڈال دی۔

"اگر یہ میک اپ بھی نہ ہوتا تو انسان نقلی چہرے خریدنے کہاں جاتا؟۔۔ اوپر والی تہہ خوبصورت ہو کوئی بھی اندر کا حال نہیں کھوجتا۔"

محمد کو دیکھ کر اُس نے مسکراہٹ دیکھائی۔

"اتنی دیر لگا کر آئے ہو۔ یقیناً اپنے مشن میں کامیاب رہے ہو۔"

"آپ کا کام تھا۔ کیسے ہو سکتا ہے۔ میں پورا کئے بغیر واپس آ جاتا۔ آپ نے مجھے پینتالیس سو پاؤنڈ دئے تھے۔ آپکا بل چار ہزار بنا تھا۔ یہ پانچ سو باقی بچے ہیں۔ جس میں سے ہم لنچ کریں گے۔ آئس کریم کھائینگے۔ لمبی سیر پہ جائینگے۔"

"یہ سب بعد میں کرنا پیٹو انسان پہلے اپنی اس کھٹارا گاڑی میں پٹرول ڈلوا لو۔ مجھے ڈر ہے۔ کہیں کسی

مصروف شاہراہ پہ رُک گئی۔اچھی خاصی سبکی کا سامنا کرنا پڑسکتا ہے۔"
"ارے آپ نسان مریکا کی شان میں گستاخی کررہی ہیں۔یہ کار نہیں ہے۔یہ ایک بہادر فوجی ہے۔جو پچھلے تیس سال سے میرا ساتھ دیئے رہا ہے۔بارش ہو آندھی طوفان ہو۔برف باری ہو۔یہ بے بی ہمیشہ ایک ہی جھٹکے میں سٹارٹ ہوتی ہے۔ایک مزے کی بات سُنیں۔میں اپنے ماموں لوگوں سے ملنے پاکستان گیا ہوا تھا۔ماموں نے نئی مرسیڈیز نکلوائی تھی۔جناب جی ابھی رات کو گاڑی گیراج سے گھر آئی ہے۔صبح گاڑی کا انجن ہی اسٹارٹ نہیں ہو رہا۔مجھے اتنی ہنسی آئی۔مگر میرے بھولے ماموں کہنے لگے۔یار کل رات سردی بہت تھی۔اور گاڑی باہر کھڑی رہی ہے۔میں نے کہا ماموں میری نسان بارہ مہینے باہر کھڑی رہتی ہے۔پر آج بھی یوں اسٹارٹ ہوتی ہے۔جیسے آج ہی شوروم سے نکالی ہو۔"
"ہاں پاکستان میں شائد تیل خالص نہیں ہوتا جو انجن جلد خراب ہو جاتے ہیں۔آخر اسکے پیچھے کوئی تو سائنس تو ہوگی ہی۔کیونکہ ادھر اتنی اتنی پُرانی گاڑیاں سڑکوں پہ موجود ہیں۔دھکا سٹارٹ والا سلسلہ کبھی دیکھنے میں نہیں آیا۔"
"خیر آپ یہ نمبر اپنی ساس کو لکھوا دیں۔کل کسی بھی وقت وہ جا کر بنک میں یہ پن دیکھا کر پیسے لے سکتے ہیں۔"
"شکریہ محمد۔۔۔۔!!۔۔"
"میں سوکھے شکریہ پسند کرتا ہوں۔نہ ہی قبول کرتا ہوں۔"
نوال کی ہنسی بے ساختہ تھی۔
محمد گاڑی چلانے لگا۔جبکہ نوال نے بیگ میں سے فون نکال کر اپنے دیور کے وٹس ایپ پہ پن نمبر اور بنک کا نام لکھ کر بھیج دیا۔ساتھ ہی چھوٹا سا میسج کر کے بتا دیا۔کتنے پیسے ہیں۔اور کب تک ملیں گے۔
کم از کم اتنا سکون تو ملا تھا۔اب فراز کی امی اُسکو مطلبی اور حق تلف نہیں سمجھیں گی۔ہونٹوں پہ پُرسکوں سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔
گاڑی پٹرول پمپ پہ رُکی۔محمد گاڑی سے نکل کر پٹرول ڈالنے لگا۔ڈیش بورڈ پہ رکھا محمد کا فون بجنے لگا۔

کار کے کُھلے دروازے سے ہاتھ بڑھا کر محمد نے فون لیا۔آنے والی کال کا نمبر پہچان کر کان سے لگایا۔

پٹرول ڈالنے کے بعد بل ادا کرنے کے لیے صارفین کو خود کسٹمر چیک اِن پہ جانا پڑتا ہے۔

محمد بل دیکر واپس آرہا تھا۔جب نوال نے اُسکے حلیے کا جائزہ لیا۔آج بھی لونگ نیکر کے نیچے چپل میں موزے پہن رکھے تھے۔تن پہ سفید ٹی شرٹ اور سر پہ ہمیشہ موجود رہنے والی کیپ موجود تھی۔اوپر سے ہلکا سا منہ کھول کر جب وہ آتے جاتی گاڑیوں کو دیکھتا بالکل بونگا لگ رہا تھا۔پینڈو بونگا مگر جب یہ بونگا بولتا ہے تو انگلش کا لہجہ اتنا رواں ہوتا ہے۔نوال کو بڑے غور سے سُننا پڑتا ہے۔۔۔

گاڑی سٹارٹ کرتے ہوئے خوشی سے بولا۔۔

”مبارک ہو۔آپکے لنچ کے پیسے بچ گئے۔“

”کیوں کیا آج ڈائیٹنگ پہ ہو۔“

”اللہ معافی میں ایسے گناہ نہیں کرتا۔“

”تو پھر۔۔؟۔۔“

”پھر یہ کہ میرے دوست کا فون تھا۔کہہ رہا ہے بار ہیڈ کے قریب ہمارے ایک مشترکہ دوست نے پاس ہونے کی خوشی میں گرینڈ پارٹی رکھی ہے۔جس میں جو چاہے منہ اُٹھا کر چلا آئے۔بندہ امیر ماں باپ کی اکلوتی اولاد ہے۔ترکی سے تعلق رکھتا ہے۔اسلیے کھانا سب حلال ہوگا۔کیا کہتی ہیں؟۔چل رہی ہیں؟“

انکار کا لفظ نوال کے چہرے پہ بڑے بڑے حروف میں لکھا ہوا تھا۔

”اس سے پہلے کہ آپ انکار کریں۔میں یاد کروا دوں۔دعوت قبول کرنا ہمارے پیارے نبی ﷺ کی سُنت ہے۔اور مفت کے کھانے سے منہ موڑنا کفرانِ نعمت اسلیے انکار کرکے خود کو گناہگار مت کیجیئے گا۔“

”مگر یہ بھی تو اچھا نہیں لگتا ناں میں جنکو جانتی ہی نہیں ہوں۔اُنکے گھر پہ کھانا کھانے پہنچ جاوؑں۔“

”آپ میرے ساتھ جا رہی ہیں۔مجھے اجازت ہے۔میں جسکو چاہوں اپنے ساتھ لے جاوؑں۔آپکو جانا پڑے گا۔اتنا مزے کا کھانا مس نہیں کرنے دونگا۔“

”اگر وہاں مجھے کسی نے روک کر کہا کہ بی بی تم یہاں کیا کر رہی ہو۔پھر دیکھنا میں تمہیں ہی مار پڑواوؑنگی۔“

وہ اپنے بے ہنگم قہقہے کے درمیان بولا۔۔۔

”ہائے کاش میری شمیم ادھر ہوتی۔کتنا مزا آتا۔ہم تینوں لنچ پہ جاتے۔“

”تو بولو نا اپنے والدین کو اب تمہاری شادی کر دیں۔“

”بڑے ظالم لوگ ہیں۔دو دل والوں کو ملتا نہیں دیکھ سکتے۔شرط رکھی ہے۔میں پہلے اپنا گھر خریدوں نوکری کروں۔تب میری شادی کریں گے۔کوئی انکو پوچھے کیا یہ کام میں شادی کے بعد نہیں کر سکتا۔اب اس ملک میں اپنا گھر لیتے لیتے انسان بڈھا ہو جاتا ہے۔اور کیا ڈیلوری ڈرائیور نوکری نہیں ہے؟۔“

”یہ تو پارٹ ٹائم جاب ہے۔فیملی کو چلانے کے لیے تمہیں فُل ٹائم نوکری کرنی پڑے گی۔“

”آپ رہنے دیں۔میں نے بس سوچ لیا ہے۔چار پیسے ہاتھ آنے کی دیر ہے۔پاکستان جاؤنگا۔شمیم کے ساتھ نکاح کر کے اُسکو اپنے ساتھ لے آؤنگا۔ویسے بھی اب اُسکا وہاں اور میرا یہاں ایک دوسرے کے بنا جینا محال ہے۔“

”یا اللہ انکو ہدایت دے دیں۔“

”ہاں اپنی شادی ہوگئی ہے۔اب آپ ہم جیسے غریبوں کا یونہی مذاق بنائنگی۔“

اس دفعہ نوال کا فون بجا تھا۔فراز کا نمبر دیکھتے ہی اُس نے کال اُٹھالی۔۔

”اسلام وعلیکم۔۔۔“

”کہاں ہو؟۔۔“

”میں۔۔؟۔۔“

”نہیں میری بدنصیبی۔۔۔“

نوال نے کال کا والیم مزید لو کیا تا کہ محمد تک فراز کی آواز نہ جائے۔

”میں محمد کے ساتھ ذرا مارکیٹ تک گئی تھی۔“

”محمد کون ہے؟۔۔“

”محمد کمیونٹی سینٹر پر اُردو سیکھنے آتا ہے۔“

”اوہ اچھا تو بیگم صاحبہ اب اپنے شاگردوں کے ساتھ گلچھڑے اُڑاتی پھر رہی ہیں۔“

”آپ کو کوئی حق نہیں ایسے الفاظ استعمال کریں۔“

”تمہارے پاس گھر پہنچنے کے لیے بس دس منٹ ہیں۔ اگر دس منٹ سے اوپر وقت ہوا تو میری طرف سے خود کو آزاد سمجھنا۔“

فون بند ہو گیا تھا۔

محمد شائد گڑبڑ کو محسوس کر گیا تھا۔ بڑبڑاتے ہوئے بولا۔۔

”شکر ہے میں نے گاڑی موٹروے پہ نہیں ڈالی۔“

نوال کے گال دہک رہے تھے۔ اُسکو امید نہ تھی۔ فراز اس قدر گندی زبان استعمال کرے گا۔ اور وہ اس وقت گھر پہ کر کیا رہا ہے۔ اُسکو تو آج تک رتی بھر پرواہ نہیں ہوئی۔ نوال کہاں ہے۔ کس کے ساتھ ہے۔ آج کیسے دن کے وقت نوال کا خیال آ گیا۔

”محمد میں معذرت خواہ ہوں۔ لنچ کسی اور دن پہ ڈالنا پڑے گا۔ ابھی تم مجھے میرے گھر چھوڑ دو۔ پلیز۔۔۔“

”جو حکم۔۔۔“

پورے سات منٹ بعد محمد نے گاڑی اُسکے فلیٹ کے نیچے روکی۔

”اس وقت جلدی میں ہوں۔ پر کسی دن میں تمہیں گھر پہ دعوت دونگی۔ فراز کو تم سے مل کر بہت خوشی ہوگی۔“

”آپ انکو میری طرف سے سلام کہہ دیجئے گا۔ کل سینٹر پہ ملاقات ہوتی ہے۔“

”اللہ حافظ محمد۔۔۔ ایک دفعہ پھر تمہاری مدد کا بہت شکریہ۔۔۔“

وہ ہوا میں ہاتھ مارتا گاڑی ریورس کر کے لے گیا۔

نوال نے بھی قدم آگے بڑھائے۔ پیٹ میں مروڑ اُٹھ رہے تھے۔ سانس کھینچ کھینچ کر اندر ہوا بھرتی وہ سیڑھیاں چڑھنے لگی۔

”یا اللہ میری مدد کریں۔ یا اللہ میری مدد کریں۔“

ہر سیڑھی پہ یہی الفاظ زبان سے خارج ہوتے رہے۔ اُسکو فلیٹ میں جانے سے وحشت ہو رہی تھی۔ جی چاہ

رہا تھا۔اوپر جانے کی بجائے واپس نیچے کو بھاگ جائے۔اور کبھی واپس نہ آئے۔مگر اُسکو اپنے گھر سے پیار بھی بہت تھا۔

"یارسول اللہ اُنظر حالنا۔۔۔یا حبیب اللہِ اسما قالنا۔۔۔"

ساری ہمتیں مجتمع کر کے لاک میں چابی گھمائی۔۔کلک کی آواز کے ساتھ دروازہ کھلا۔

دوسری جانب جوتوں کی فرش پہ آواز پیدا ہوئی۔

اُس نے اندر داخل ہو کر دروازہ اپنی پشت پر بند کیا۔تبھی فراز سیٹنگ روم سے ہال میں داخل ہوا۔اُسکی سرد نظریں نوال کی خوفزدہ نظروں سے ٹکرائیں۔نوال کا دل ڈوب گیا۔

وہ شدید غصے میں لگ رہا تھا۔اس سے پہلے کہ وہ کمرے میں جا کر دروازہ بند کر لیتی۔فراز نے اُسکو درمیان میں ہی بالوں سے کھینچ کر روک دیا۔گرفت اس قدر بے درد تھی۔ایک چیخ نوال کے خلق سے برآمد ہو کر فراز کے مکوں اور گھونسوں میں دب گی۔

"تم مکار دو ٹکے کی عورت میری ماں کو پیسے کہاں سے بھیجے۔۔بتا کہاں سے تیرے پاس اتنی بڑی رقم آئی ہے۔میری پیٹھ کے پیچھے کیا کر رہی ہے۔بتا ورنہ آج تجھے جان سے مار دونگا۔"

وہ بڑی مشکل سے آواز تلاش کر بول پائی۔۔۔

"ز زز یور بیچ دیا ہے۔م می میں نے اپنا زیور بیچ کر پیسے کیئے۔۔"

اتنی سی دیر میں وہ اُسکا حلیہ بگاڑ چکا تھا۔نرم سلکی بال جو چند منٹ پہلے ایک بن میں قید تھے۔اس وقت گھونسے کی صورت اُسکے کندھوں سے ہوتے ہوئے کمر پہ گر رہے تھے۔ناک سے خون بہہ رہا تھا۔گالوں سے دھواں نکل رہا تھا۔

آنسو ایک ترتیب کے ساتھ بہہ رہے تھے۔

"تو نے میری ماں کو پیسے کیوں بھیجے؟؟۔۔"

"اُن۔۔ک کوض۔۔۔ضرضرورت تھ تھی۔۔۔"

"تو اُنکی مجھ سے زیادہ سگھی ہے؟۔۔وہ میری ماں ہے۔سُنا تم نے ڈائن عورت وہ میری ماں ہے۔اگر اُنکو

پیسے دینے ہوتے تو میں خود دے لیتا۔تمہاری عنایت کی ضرورت نہیں تھی۔میری اتنے ماہ کی محنت خاک میں ملی ناں تو اس دفعہ تم جان سے ہی جاؤ گی۔"

"بدصورت۔۔۔!!منحوس۔۔۔!!"

اُسکو دھکا دیکر خود بیرونی دروازہ کھول کر اپنے پیچھے پوری قوت سے بند کرتا وہاں سے چلا گیا۔وہ کتنی دیر خاموشی میں کھڑی اپنی سانسوں کو شمار کرتی رہی۔یہاں تک کے فراز کے قدموں کی دھمک دور ہوتی ہوتی بالکل بند ہوگئی۔کیونکہ وہ بیلڈنگ سے نکل گیا تھا۔نیچے گلی میں اُسکی گاڑی کے انجن کی آواز آئی پھر وہ بھی دور ہوکر ختم ہوگئی۔

کانپتے ہاتھوں سے اُس نے اپنا سکارف نکالا۔۔بیگ اُتارا۔۔پیر جوتوں سے آزاد کیئے۔اس دوران ناک سے بہنے والا خون گردن سے ہوکر قمیض پہ گرتا رہا۔

واش روم میں جاکر شاور چلایا اور کپڑوں سمیت ٹب میں گرنے والی پانی کی دھار کے نیچے سر جُھکا کر بیٹھ گئی۔بازوں گھٹنوں کے گرد لپیٹ لئے۔پانی گرتا رہا۔خون بہتا رہا۔آنسو ڈھلتے رہے۔نہ کم ہوا تو اِک درد نہ کم ہوا۔نہ دُھلے تو غم نہ دُھلے۔بے چینی نے گئی۔دل کا روگ نہ گیا۔یہاں تک کہ دوپہر پچھلے پہر میں ڈھل گئی۔

☆......☆......☆

اُس نے اپنی بائیک ہیلتھ سینٹر کے باہر روکی۔تسلی سے لاک لگایا۔اور ہیلمٹ کو ہاتھ میں پکڑ کر اندر کی جانب بڑھ گیا۔

آٹومیٹک دروازے سے ہوکر ریسپشن تک آیا۔

"گڈ مارننگ۔۔کیا مجھے پتا چل سکتا ہے۔ڈاکٹر جیک اس وقت کہاں موجود ہے؟۔۔"

"کیا آپ نے جیک سے وقت لیا ہوا ہے؟۔۔"

"میں اُسکا دوست ہوں۔یہاں سے گُزر رہا تھا۔سوچا ملتا ہوا جاؤں۔براہِ مہربانی جیک کو میری آمد سے مطلع نہ کیا جائے۔میں اسکو اچانک مل کر حیران کرنا چاہتا ہوں۔کیونکہ یونیورسٹی کے بعد سے ہماری ملاقات نہیں ہوئی ہے۔"

ریسپشن پہ بیٹھی گوری دلکشی سے مسکرائی۔

"میں سمجھ گئی۔ جیک اس وقت لیبارٹری میں موجود ہے۔"

"بہت شکریہ۔"

وہ لیبارٹری کے دروازے پہ دستک دیکر کھڑا تھا۔ جب دروازہ کھُلا۔۔۔

بلونڈ سکاٹ مرد جس کے چہرے پہ فریکلز تھے۔ اور آنکھوں پہ کالے فریم والی عینک۔۔۔

جیک نے سامنے موجود شخص کو سر سے پاؤں تک بغور دیکھا۔ پھر زیرِ لب گندی سی گالی دی۔ جس پہ سامنے والے کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

"مجھے یقین تھا۔ تم مجھے بھولے نہیں ہو گے۔"

اپنے مہمان کی بات پہ جیک نے ایک اور گالی دی۔

"تم جیسے خبیث کو بھولنے کے لیے یہ زندگی ناکافی ہے۔"

"آہ لیجنڈز اپنے نشان یونہی چھوڑتے ہیں۔"

"لیجنڈ نہیں ایمڈ بلڈی کا ورڈ بولو۔۔۔"

ایمڈ ایک دفعہ پھر ہنسا۔۔۔

"کرسٹی کیسی ہے؟۔۔"

"میری بہن کا ذکر بھی مت کرنا۔ تمہاری اطلاع کے لیے بتا دوں۔ اُسکی منگنی ہو چُکی ہے۔ جس پہ بد قسمتی سے تم بھی انوائیٹ تھے۔ پر خوش قسمتی سے آنہ پائے۔ کیونکہ اگر آجاتے۔ تو مجھے اپنی اکلوتی بہن کی منگنی کا فنکشن مس کرنا پڑتا۔"

"ہاں میں تمہیں تڑپانے کی پوری نیت رکھتا تھا۔ پر عین وقت پہ کام کی وجہ سے ملک سے باہر جانا پڑا۔ خیر کرسٹی کی شادی پہ ضرور آؤنگا۔"

"خُدا کرے اُس دن بھی تم کسی ضروری کام میں پھنس جاؤ۔"

"اگر میری غیر موجودگی تمہیں اتنی خوشی دیگی تو میں ہر حال میں آؤنگا۔ چاہے دوسری جانب جیسا بھی

نقصان ہو جائے۔"

"تم شیطان کی آنت کبھی نہیں سیدھے ہونے والے۔اب بکو ادھر کیا لینے آئے ہو۔اور تمہیں میری یہاں پہ موجودگی کا علم کیسے ہوا۔"

"آہ۔۔!!ریسپشن والی کو بولا ہے۔میں تمہارا جگری یار ہوں۔سالوں بعد ملنے آیا ہوں۔اُس نے بخوشی سب بتا دیا۔"

"اتنے جھوٹ بولنے پر تجھے کیڑے بھی نہیں پڑتے۔ابھی پچھلے ہفتے کلب میں تو نے مجھے دیکھا تھا۔"

"ہاں تو میں کونسا انکار کر رہا ہوں۔آج تو میں خاص ایک نیک کام کی نیت کر کے تمہارے پاس آیا ہوں۔"

جیک نے اُسکو گھورا۔۔۔

"نیکی اور تم دو مختلف سچائیاں ہو ایمڈ۔۔۔"

"پر دوستوں کی خاطر کبھی کبھی اپنی عادت کے خلاف بھی جانا پڑتا ہے۔"

"اب بک بھی دے۔مجھے بڑے کام ہیں۔فارغ نکمے انسان۔۔۔"

"بات دراصل یہ ہے۔پرسوں مجھے لورین ملی تھی۔تمہیں تو یاد ہی ہوگی۔ہمارے ساتھ پڑھتی تھی۔ہائی سکول کے بعد ہم ایک ہی یونی میں گئے تھے۔"

"تجھ سے بڑا بے غیرت اور مطلبی بلیک میلر شائد ہی اس دنیا میں پیدا ہوا ہو۔وہ لورین میرا عمر کا سب سے پہلا اور آخری کرش تھی بلکہ ابھی بھی ہے۔یہ بات تجھ سے بہتر کوئی اور نہیں جانتا ہے۔۔کیونکہ پرام نائٹ پہ میں نے تجھ سے منت کی تھی۔کہ تو لورین کو پارٹنر نہیں بنائے گا۔پر تو وہ کام نہ کرتا جس سے میں نے منع کیا تھا۔یہ ممکن ہی نہ تھا۔وہ میرا پہلا چانس تھا۔لورین کو اپنے احساسات بتانے کا۔تیری وجہ سے میں ایسا نہ کر سکا۔اور وہ اُس جنگلی رائین کے ساتھ چلی گئی۔بلکہ یونی میں بھی اُسی کے ساتھ نظر آتی رہی۔اب تو یقیناً اُسکے تین چار بچے ہو چکے ہونگے۔اتنا یاد رکھنا۔میں آج بھی جب اُسکو مس کرتا ہوں۔تجھے دل سے گالیاں دیتا ہوں۔اور مجھے پورا یقین ہے۔میں باقی کی ساری زندگی بھی اپنا یہ عمل جاری وساری رکھونگا۔"

"وہ کیا ہے جیک لورین ابھی تک سنگل ہے۔آج کل بوائے فرینڈ ڈھونڈ رہی ہے۔دو سال پہلے اُسکا

رائین کے ساتھ بریک اپ ہو گیا تھا۔ رائین نے کب کی شادی کر لی ہے۔ میں نے لورین سے تمہارا ذکر کیا تھا۔ بلکہ خُدا مجھے معاف کرے میں نے کافی تعریفیں بھی کر دی تھیں۔ جیک بڑا نفیس انسان ہے۔ نیشنل ہیلتھ سروسز میں کام کرتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ وغیرہ۔۔۔ اب وہ تمہارا نمبر لینا چاہ رہی تھی۔ میں نے کہا جیک کی اجازت کے بغیر نمبر کیسے دے دوں۔"

"تو تم یہاں مجھ سے اجازت مانگنے آئے ہو؟۔۔"

"نہیں نہیں تمہارے جواب سے میں پہلے ہی واقف ہوں۔ لورین نے مجھ سے کہا تھا۔ میں تمہیں اُسکا نمبر دے دوں۔ تاکہ تم خود اُس سے رابطہ کر لو۔"

"اور تم مجھے اُسکا نمبر منہ مانگی قیمت کے بغیر نہیں دو گے۔"

"یہ ہوئی نا بات آخر یار ہی یاروں کو جانتے ہیں۔"

اسکے ساتھ ہی ایمڈ نے اپنی جیب میں سے ایک چٹ نکال کر جیک کے ڈیسک پہ رکھ دی۔

جیک نے کھا جانے والی نظروں سے ایمڈ کو دیکھا۔ پھر اُس چٹ کو۔۔

"یہ کیا ہے؟۔۔"

"نام پتہ اور تاریخ پیدائش۔۔۔"

"کس کی؟؟۔۔"

"جسکے بارے میں کچھ معلومات ڈھونڈنی ہیں۔"

"تم جب مرو گے ناں تو سب سے پہلے تمہاری قبر پہ پھول رکھنے میں آؤنگا۔ اپنے سارے دوستوں کو فری میں ہفتہ بھر ڈنر کرواؤنگا۔"

"جیک مجھے تمہاری محبت پہ رتی برابر شک نہیں ہے۔"

"تم جانتے ہو۔ تمہاری اس قسم کی مدد مجھ سے میری نوکری چھین سکتی ہے۔"

"تم لورین کی خاطر ایک تو کیا ایسی کئی نوکریاں چھوڑ سکتے ہو۔"

"تم ہو ہی خبیث۔۔۔!!!۔۔"

ایمڈ کمر تک جُھکا۔

"شُکریہ میرے لارڈ۔۔۔"

جیک نے وہ چِٹ اُٹھائی۔اس پر لکھا نام پڑھا۔پھر اپنے کمپیوٹر میں لاگ اِن کیا۔

"کیا جاننا چاہتے ہو؟۔۔"

"ہر ماہ فراز احمد کے نام کی پرسکپشن شائع ہوتی ہے۔ میں یہ جاننا چاہتا ہوں۔آخر اس آدمی کو کیا بیماری ہے۔جسکی دوا اتنی باقاعدگی سے لیتا ہے۔"

جیک ہنستے ہوئے بولا۔۔۔

"اس ہسٹری کو دیکھتے ہوئے تو بچارے کو صرف ایک ہی بیماری ہے۔ جو اس سیارے کے نوے پچانوے فیصد مردوں کو لاحق ہے۔"

ایمڈ کے ماتھے پہ اُلجھن کی لکیریں ظاہر ہوئیں۔۔۔

"کیا مطلب۔۔؟۔۔"

"یار بچارہ کنٹرا سپشن پیلز آرڈر کرتا ہے۔"

"جیک جہاں تک میری معلومات ہیں۔کنٹرا سپٹک پیلز بس خواتین ہی استعمال کرتی ہیں۔ مردوں کے لیے ایسی سہولت میسر نہیں ہے۔"

"بالکل ایسا ہی ہے۔"

"پھر یہ فراز احمد مرد ہو کر بلا ناغہ یہ گولیاں کیوں حاصل کرتا ہے؟۔۔اور ڈاکٹر اسکو دیتا کیوں ہے؟۔۔"

"اسکا ڈاکٹر ایک پاکستانی ہے۔ڈاکٹر جاوید میں اسکو جانتا ہوں۔ یہ بہت سے ایسے کام کر جاتا ہے۔جسکی اجازت ہمارا سسٹم نہیں دیتا ہے۔اس کیس میں بھی ایسا ہی معلوم ہو رہا ہے۔یہ کوئی پرسنل فیور ہے۔جسکا ریکارڈ نہیں رکھا جاتا۔یہاں صرف یہی لکھا آ رہا ہے۔یہ دوا فراز کی بیوی کے لیے ہے۔"

"ایمڈ یہ فراز کون ہے؟۔۔میرا مطلب تمہارا کوئی جاننے والا یا رشتہ دار آخر اس پر تفتیش کرنے کی وجہ کیا ہے؟۔۔"

”وجہ اسکی بیوی ہے؟۔۔“

”اب تم مجھے مزید اُلجھا رہے ہو۔کیا بیوی تمہارے جاننے والی ہے۔“

ایمڈ نے سرنفی میں ہلایا۔۔

”تو پھر۔۔۔؟۔۔“

”تو پھر کیا؟۔۔“

”ڈم برین تمہاری وجہ سے میں نے اپنی نوکری کی قربانی دےئے دی ہے۔اور تم کہہ رہے ہو۔تو پھر کیا؟۔۔ بھائی صاحب یہ سارا فساد کسی اچھائی کی وجہ سے نہ ہوا نا تو تیری موت میرے ہاتھوں ہونی ہے۔“

”دیکھا۔۔!! تم بہت بڑی حقیقت کو جھوٹ کے لیپ سے ڈھانپ رہے ہو۔تم نے اگر کوئی قُربانی دئی ہے۔تو اپنی لورین کے فون نمبر کی خاطر دی ہے۔“

”یعنی تُو ذرا شرم محسوس نہیں کرے گا۔ایک محنتی ڈاکٹر سے اُسکی عزت والی نوکری چھین کر۔“

”بے شرم ڈاکٹر کے لیے میں کیوں شرم محسوس کروں۔شرم تو ڈاکٹر کو آنی چاہیے۔ایک لڑکی کی خاطر اپنے عہدے کا غلط استعمال کر رہا ہے۔“

”چل ایمڈ بڑی ہوگئی تیری بکواس اب بک اصل مقصد کیا ہے؟۔۔“

ایمڈ ایک دم سنجیدہ ہوگیا۔

”مجھے اس ساری رپورٹ کا پرنٹ آؤٹ چاہیے۔“

”کیا کرنا ہے؟۔۔“

جیک بھی پوری سنجیدگی سے اُسکے تاثرات کا جائزہ لے رہا تھا۔

”میں فراز کی بیوی کو بھیجوں گا۔“

”کیوں؟۔۔“

”کیونکہ میرے خیال میں اُس بے خبر عورت کو جگانے کے لیے یہ سب کرنا ضروری ہے۔“

”اوہ۔۔۔!!۔۔۔اگر میں کُچھ بھول رہا ہوں۔تو مجھے یاد کروا دینا۔سالے تُو آج تک کبھی کسی بات کے

لیے اتنا سنجیدہ نہیں ہوا۔ جتنا اس پل نظر آ رہا ہے۔"

"ہاں۔۔۔ یہ سچ ہے۔ میں واقعی اسکی مدد کرنا چاہتا ہوں۔"

"کیا ملے گا اُسکی مدد کر کے؟۔۔ کیا وہ بڑی خوبصورت ہے؟۔۔"

"اُسکی مدد کر کے سکون ملے گا۔ اُسکی روح انتہائی خوبصورت ہے۔"

"اوہ۔۔۔!! فلسفہ۔۔۔ پیارے تو گیا۔ اب ادھر سے دفع ہو مجھے تھوڑا کام کرنا ہے۔ کل رات کو ڈنر پہ ملتے ہیں۔ لورین کا نمبر اگر آج ہی مجھے نہ ملا اس صورت میں بھول جانا کہ میں تمہیں یہ رپورٹ پرنٹ آؤٹ شکل میں دے رہا ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔ ڈیل ڈن۔۔ مجھے جو چیز درکار ہو۔ میں کسی نہ کسی طرح حاصل کر کے ہی دم لیتا ہوں۔ اسلیے یاد رکھنا میرے اور بھی ڈاکٹر دوست ہیں۔ کسی سے بھی یہ کام کروا لونگا۔ پر لورین کا نمبر میرے بغیر کسی اور سے نہیں ملے گا۔"

"تو اگر اتنا کمینہ نہ ہوتا۔ تو اس دنیا میں بہت سکون رہتا۔ کل ڈنر کے لیے وقت پہ آ جانا۔ میں پتہ ٹیکسٹ کر دونگا۔"

ایمڈ اپنا ہیلمٹ پکڑ کر سر ہلاتا وہاں سے نکل آیا۔

☆......☆......☆

آج تیسرا دن تھا۔ نہ فراز گھر واپس آیا تھا۔ نہ وہ گھر سے نکلی تھی۔

کئی دفعہ سوچا اُسکو فون کر لے۔ یقیناً اب اپنے کیے پہ پچھتا رہا ہوگا۔ اسی لیے تو سامنے نہیں آ رہا۔ جب بھی سوچتی آنکھ سے آنسو نکل آتے۔ پھر سے آنسو صاف کرنے کے چکر میں اپنے زخم چھیڑ لیتی۔ دوبارہ سے درد نیا ہو کر جاگ اُٹھتا۔

سوائے کافی اور ہلکے پھلکے بسکٹ وغیرہ کے پیٹ میں کوئی اور چیز نہ گئی۔ پہلے دو دن تو بُخار میں پھنکتے گزرے۔ اتنی آوازیں دیں۔ مگر کوئی نہ آیا۔ نہ ماں آئی۔۔ نہ منوں مٹی تلے سویا باپ ہی آیا۔ رو رو کر خود ہی چپ کرتی۔ خود سے ایک ہی سوال سو مرتبہ کر بیٹھی تھی۔

”نوال انسان ایک ہی غم پر کتنی دفعہ روتا ہے؟ یہ پہلی دفعہ تو نہیں جب اُس شخص نے تیرے پہ ہاتھ اُٹھایا ہے۔ یہ پہلی دفعہ تو نہیں جو اُس نے تیری روح کو یوں پامال کیا ہے؟ پھر آج بھی ویسا ہی درد کیوں ہوتا ہے۔ جیسے آج پہلی دفعہ دل ٹوٹا ہے۔ آج پہلی دفعہ خواب خاک ہوئے ہیں۔“

نہ جانے کب سے باہر والا دروازہ بج رہا تھا۔

بڑی مشکل سے اپنا بیڈ چھوڑ کر ہال تک آئی۔

”کون۔۔۔؟۔۔“

جواب میں گورے کی فرفر انگلش آئی۔

”کوریئر سروس۔۔۔!! میرے پاس نوال زہرہ کے لیے ایک پارسل ہے۔“

وہ حیران ہوئی اُسکے نام کا پارسل کس نے بھیجا ہونا۔

ایک خیال ذہن میں آتے ہی دل رُکنے لگا۔ ساری تکلیف بھول گئی۔

”کہیں فراز نے طلاق تو نہیں بھیج دی۔۔“

اُسکا چہرہ اس قابل نہیں تھا۔ کہ وہ باہر منہ نکال کر بات کرسکتی۔ اسلیے دروازہ اتنا سا کھولا جس میں سے ہاتھ باہر نکال کر پارسل لے پاتی۔

”کیا آپ ہی نوال زہرہ ہیں؟۔۔“

”جی میں ہی ہوں۔“

”پھر اس پیپر پہ سائن بھی کر دیں۔“

اُس نے سائن کر کے پارسل لیکر دروازہ بند کرلیا۔

پارسل کو اُلٹ پلٹ کر دیکھا۔ اس پہ صرف نوال کا نام اور پتہ لکھا تھا۔ بھیجنے والے کے بارے میں کوئی تفصیل نہ تھی۔

فون کے بجنے پر باکس کو ڈائننگ میز پہ رکھ دیا۔ فون کچن شیلف پہ پڑا ہوا تھا۔

کل سے محمد کی کئی دفعہ کال آچکی تھی۔ مگر اُس نے فون نہیں اُٹھایا۔ محمد کا نام دیکھتے ہی فراز کے کہے الفاظ

دماغ میں گھوم جاتے۔ اُسکو فراز کی سوچ پہ متلی آنے لگتی۔ چلو میں تو بُری ہوں۔ پر محمد کے لیے اتنی غلط بات کیسے کر سکتا ہے۔ اُسکو یقین تھا فراز نے ایک دفعہ محمد کو دیکھ بھی لیا تو خود ہی اپنے کہے پہ شرمندہ ہوگا۔ پہلی نظر میں تو محمد لگتا بھی ہینڈ ی کیپ تھا۔

واٹس ایپ پہ شمیم کی ویڈیو کال آرہی تھی۔

نوال نے آنکھیں گھمائیں۔۔۔ یہ لڑکی بھی حد سے زیادہ چپکو اور بھولی ہے۔

''میری حالت فون سُننے والی نہیں ہے۔ کجا ویڈیو پہ بات کروں۔''

اُس نے کال نہ لی۔ پر جب تیسری دفعہ پھر سے بیل ہونے لگی تب اُس نے فون اُٹھالیا مگر فرنٹ کی بجائے بیک کیمرہ آن کیا۔

''اسلام علیکم شمیم کیسی ہو؟۔۔''

''وعلیکم اسلام۔۔۔ شُکر ہے۔ آپ نے بھی فون اُٹھایا۔ ورنہ آپ تو ہم غریبوں کو اس قابل بھی نہیں سمجھتی ہیں۔ کہ کبھی بات ہی کرلیں۔''

''ارے نہیں بھئی ایسی تو کوئی بات نہیں اور سُناؤ کیسی ہو۔ اور کیا آج بھی بجلی بند ہے۔ جو اندھیرے میں بیٹھی ہوئی ہو۔''

''آپ کو تو پتہ ہی ہے اپنے ملک کے حالات۔۔۔''

''تم اپنے نکھٹو منگیتر کو بولو نا تمہیں ایک عدد جرنیٹر بھیج دے۔ ڈائمنڈز لے سکتا ہے۔ تو جرنیٹر تو بہت اُن کے مقابلے میں بہت سستا آتا ہے۔''

''وہ کہتے ہیں۔ ایک ہی دفعہ میں میری زندگی کے سبھی اندھیرے مٹادینگے۔''

''وہ کیسے۔۔؟۔۔۔''

''اپنے پاس بُلا کر۔۔ اور کیسے۔۔''

''ارے واہ کیا بات ہے۔ سچی بات ہے۔ وہ خود بھی ہزار واٹ کا بلب ہی ہے۔''

نوال کی بات پر شمیم نے اونچا سا قہقہہ مارا۔۔۔

”ہائے اُنکو ایسے تو نہ بولیں۔ وہ بہت اچھے ہیں۔ مجھے کہہ رہے تھے۔ شمیم جب سے تم زندگی میں آئی ہو۔ سارے حساب سیدھے ہو گئے ہیں۔ بس نوکری مل جائے پھر سیدھا شادی۔۔۔“

نوال سب بھول کر مُسکرا اُٹھی۔۔

”نوال جی۔۔“

”جی۔۔؟۔۔“

”آپکی تصویر کیوں نہیں آ رہی ہے؟۔۔“

”میں نے آج منہ تک نہیں دھویا ہوا۔ اسلیے پلیز سامنے ہو کر بات نہیں کر سکتی۔“

”لیں میں نے کونسا آپکو پسند کرنا ہے۔ اور کونسا روز روز میں آپکو وڈیو کال کرتی ہوں۔ آج پہلی دفعہ ہی کر رہی ہوں۔ وہ بھی آپ چہرہ نہیں دیکھا رہی ہیں۔ میں نے تو آپکی تصویر بھی نہیں دیکھی ہوئی۔“

”پھر کسی دن سہی شمیم آج نہیں۔“

”آپ کو میرا کال کرنا اچھا نہیں لگا۔ کوئی بات نہیں اللہ حافظ۔۔۔“

ابھی وہ کُچھ کہنا چاہ رہی تھی۔ پر شمیم کی جانب سے کال بند ہو گئی۔

شمیم کو لکھ کر بھیجا۔۔۔

”پاگل لڑکی۔۔۔ لوگ کیسے کیسے ستم جھیل کر بھی مُسکرا رہے ہیں۔ اور تم اتنی سی بات پہ ناراض ہو گئیں۔“

جب شمیم کی جانب سے کوئی جواب نہ آیا۔ تو اُسکی توجہ ایک دفعہ باکس کی جانب ہو گئی۔

چھُری لیکر کچن سے نکلی۔ ڈائننگ ٹیبل سے باکس پکڑا اور صوفے پہ بیٹھ کر کھولنے لگی۔

باکس کے وزن سے تو ایسا ہی محسوس ہو رہا تھا۔ جیسے اندر صرف پیپرز ہی ہوں۔

پیپرز کا سوچتے ہی طلاق یاد آئی۔ ہاتھ کانپ گئے۔

مگر باکس کُھلنے کے بعد پہلی نظر میں ہی پتہ چل گیا۔ طلاق نہیں تھی۔ مگر دُوائیں دیکھ کر مزید اُلجھن ہوئی۔ سب سے اوپر رکھی چِٹ کھولتے ہی وہ لکھائی پہچان گئی۔

غُصے نے حملہ کیا۔ پہلے تو اُس نے چِٹ ایک طرف پھینک دی۔ مگر پھر حوصلہ کر کے پڑھنے لگی۔

”میں صرف اُمید ہی کر سکتا ہوں۔تم ٹھیک ہوگی۔حالانکہ میرے لیے تمہارے گھر پہ دستک دینا مشکل کام نہیں ہے۔پر میں ایسا کرنا نہیں چاہتا ہوں۔ایک دفعہ آیا شائد اکیلا واپس نہ جا پاؤں۔“

”ایک دفعہ سامنے تو آؤ بے غیرت انسان اکیلا نہیں جانے دونگی۔بلکہ لوگ تمہیں کندھا دیکر لے جائینگے۔“

بڑبڑا کر آگے پڑھنے لگی۔

”فراز نام سے ہی نفرت ہوگئی ہے۔مجھے صرف ایک دفعہ اجازت دے دو۔میں اس آدمی کو کالے پانیوں میں پھینکوا دونگا۔تمہیں اسکے ساتھ نہیں رہنا چاہیے۔کاش میرے پاس اتنا اختیار رہوتا۔میں تمہیں حکم دے سکتا کہ آج اور ابھی اس شخص کو اپنی زندگی سے نکال باہر کرو۔“

”میں چاہ کر بھی یہ بات تم سے چھپا نہیں سکتا ہوں۔کیا فراز ہی تمہاری دوائیں لیکر آتا ہے؟۔۔تمہارے بتائے بغیر ہی میں جواب جانتا ہوں۔میری بات پر جذباتی ہوکر یہ باکس ڈسٹ بن میں نہ پھینک دینا۔کم از کم ایک دفعہ سارا پڑھ ضرور لینا۔فراز تمہیں کوئی دوا ہر روز کھلاتا ہے۔تم بلاناغہ۔۔۔ایک گولی کھاتی ہو۔“

”ہاں وٹامنز ہر روز کھاتی ہوں۔نہ کھاؤں تو فراز ناراض ہوتا ہے۔“

وہ ایسے جواب دے گئی۔جیسے کسی سے آمنے سامنے بیٹھ کر گفتگو کر رہی ہو۔

”اگر تمہارا جواب ہاں میں ہے۔جو میں جانتا ہوں۔یقیناً ہاں میں ہوگا۔وہ گولیاں کھانی بند کردو نوال۔وہ وٹامن نہیں ہیں۔وہ اینٹی پریگنینسی کی دوا ہے۔کنٹراسیپٹیڈ پیلز۔۔۔“

وہ بے یقینی سے اس ایک لفظ کو دیکھتی رہ گئی۔

”یہ کیسے ممکن ہے؟۔۔یہ کیسے ہوسکتا ہے؟۔۔“

”میں تمہیں فراز کا ریکارڈ بھیج رہا ہوں۔جس ڈاکٹر سے وہ یہ گولیاں لکھواتا ہے۔اور کب سے ایسا کرتا آرہا ہے۔۔ساری تفصیل موجود ہے۔سب سے پہلے جہاں وہ دوا پڑی ہے۔جا کر اُسکا نام دیکھو۔وہی نام ہوگا۔جو میں نے بتایا ہے۔“

کانوں میں سائیں سائیں ہو رہی تھی۔کانپتی ٹانگوں سے اپنی جگہ سے اُٹھی کچن کا کیبنٹ کھول کر ساری دوائیں اُلٹ پلٹ کرکے وٹامنز نکالے۔۔شیشی پہ نام موجود نہیں تھا۔کیونکہ دوا پیکٹ سے نکال کر ایک جار میں

ڈال دئی ہوئی تھی۔اور اصل پیکٹ پھینک دیا جاتا تھا۔

اُس نے جار اُٹھایا۔جا کر اپنی لیپ ٹاپ میں مطلوبہ گولیوں کا نام لکھ کر سرچ کیا۔سامنے وہی بلش پنک رنگ کی گولیاں آگئیں۔جو اُس کے پاس موجود تھیں۔اُس کی پہلی نظر ہی اُن الفاظ پر پڑی۔

''کنٹرا سیپٹڈ۔۔۔''

بے یقینی سی بے یقینی تھی۔کیا کوئی اس قدر خود غرض بھی ہو سکتا ہے؟۔۔کیا کوئی اس قدر بھی وحشی ہو سکتا ہے؟۔۔وہ برسوں سے اتنا رو چکی تھی۔کہ مزید ایک آنسو نہ بہا سکی۔آنسو بھی جیسے تھک گئے تھے۔

بے جان ہوتے ہاتھ سے وہ چٹ واپس آنکھوں کے سامنے کی۔۔۔

''میں تمہیں بالکل اُسی رنگ اور ہیت کے وٹامنز بھیج رہا ہوں۔بہتر یہی ہے۔تم اپنے شوہر کے علم میں لائے بغیر وہ گولیاں بدل دو۔آج کے بعد وہ گولی کبھی مت کھانا۔میں ایک اور تحفہ بھیج رہا ہوں۔اُسکو دیکھ کر شائد تم میری بات مان جاؤ۔۔فراز کو چھوڑ دو۔اس باکس میں سب سے نیچے ایک تصویر ہے۔وہ دیکھ لو۔وہی حقیقت ہے۔باقی سب دھوکا۔۔۔''

اب کی دفعہ آنسو ایک تواتر سے بہنے لگے۔لگا تار بہتے چلے گئے۔

''جس حقیقت کی بات کر رہے ہو۔میں وہ پہلے سے جانتی ہوں۔پر دُکھ والی بات یہ ہے۔کوئی تیسرا میری زندگی میں جھانک کر میرا تماشہ دیکھ رہا ہے۔''

غُصے سے اُس نے ہر چیز دیوار میں دے ماری۔۔۔

صوفے کے کُشن میں منہ دیکر لیٹ گئی۔خاموشی میں سیڑھیوں پہ پیروں کی دھمک گونجی۔۔نوال کر سر برق رفتار میں کُشن سے اُبھرا۔۔۔وہ یہ آواز بڑی اچھی طرح پہچانتی تھی۔

اگلے لمحے وہ دوڑ کر سارے کاغذ وغیرہ اکٹھے کر رہی تھی۔قدموں کی آواز قریب سے قریب آتی جا رہی تھی۔ دروازہ کُھلنے سے پہلے گولیوں والی شیشی کو واپس رکھنا تھا۔

شیشی واپس رکھ کر ابھی سیدھی ہی ہوئی تھی۔جب دروازے کے لاک میں چابی ڈالی گئی۔

باکس ابھی تک اُسکے ہاتھ میں تھا۔جسے کانپتے ہاتھوں سے ایک نچلے کیبنٹ میں ڈال دیا۔تب ہی فراز کا

چہرہ منظر میں آیا۔

وہ بڑی غور سے نوال کو دیکھ رہا تھا۔

نوال کا دل تیز رفتار ٹرین کو مات دینے کے موڈ میں لگ رہا تھا۔آخر کار فراز نے بولنے کا ارادہ کیا۔

"اسلام وعلیکم۔۔۔"

ایک سسکی سی لبوں سے آزاد ہوئی جو کچھ سُنائی دی۔

"وعلیکم اسلام۔۔۔"

"کیسی ہو؟۔۔"

"ٹھیک ہوں۔"

"ایم سوری۔۔۔"

"کس کس بات کے لیے سوری کرو گے؟۔۔کیا سوری کر دینے سے زخم بھر جاتے ہیں؟۔۔چلو پُرانے تو چھوڑ دو۔جو زخم آج لگا ہے۔وہ کیسے بھرے گا؟۔۔"

یہ سب وہ سوچ ہی سکی۔فراز کو جواب میں بس سر ہلا کر رہ گئی۔

☆......☆......☆

"میں نے لنچ لینے کی بات کیا کر دی۔آپ اتنے دن چُھٹی پر رہیں۔یار ویسے ہی کہہ دینا تھا۔لنچ نہیں دے سکتی۔"

"کتنے بے مروت انسان ہو۔پھر خود کو میرا دوست بھی بولتے ہو۔آج تک جتنی دفعہ بھی باہر لنچ کیا ہے۔ہر دفعہ پہ منٹ میں نے کی ہے۔مفت خور انسان۔۔۔"

"ہاں تو عمر میں بڑی آپ ہی ہیں۔پے منٹ بڑے ہی کرتے ہیں۔"

نوال کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

"اُف محمد تمہارے تو ابھی تک دودھ کے دانت بھی نہیں نکلے۔پر زبان چار گز لمبی ہے۔"

"آپ میرے ٹیلنٹ سے جیلس نہ ہوں۔"

”زبان درازی سے جیلس ہو سکتی ہوں۔یا کہ مفت خوری سے۔۔؟۔۔“

”آپ کا کوئی پتہ نہیں میری ہینڈسم لُکس سے ہی جیلس ہو جائیں۔“

نوال ایک دفعہ پھر ہنسنے پر مجبور ہو گئی۔

”اللہ کے بندے جھوٹ اتنے مت بولا کرو۔ نیلے پیلے ہو جاؤ گے۔خیر میں نے تم سے ایک درخواست کرنی تھی۔“

”بولیں۔۔“

”وہ تمہاری منگیتر میرے سے ناراض ہو گئی ہے۔“

”میری منگیتر نہ بولیں۔۔بڑا غیر سا لگتا ہے۔میری شمیم بولیں ہائے دل راضی ہو جاتا ہے۔میری شمیم۔۔۔“

”ہاں بھائی تیری شمیم۔۔۔اُسکو سمجھاؤ بھلا اتنی غیر اہم بات پر کون ناراض ہوتا ہے۔“

”آپ نے اُسکو کہا کیا تھا۔“

”کہا تو کچھ بھی نہیں۔۔۔اُس نے وڈیو کال کی تھی۔میری طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔جس کے گواہ تم بھی ہو۔ اتنے دن اسی لیے تو میں سینٹر آ نہیں سکی۔وڈیو چیٹ والی میری شکل نہیں تھی۔اُسکو بولو میں نے اُسکو اگنور نہیں کیا تھا۔بس کیمرے کے سامنے آنے والی حالت نہیں تھی۔اب میں ٹھیک ہوں۔اس سے کہو چاہے تو آج ہی وڈیو کال کر لے۔“

”ٹینشن نہ لیں۔۔وہ میری ہر بات مانتی ہے۔میں اسکو سمجھا دونگا۔آپ بتائیں میرے ساتھ چل رہی ہیں ؟۔۔“

”کہاں جا رہے ہو؟۔۔“

”قاضی صاحب کی طبیعت ناساز ہے۔یہاں سے کل سب لوگ اُنکی خیریت جاننے کو گئے تھے۔میں نہیں جاسکا۔آج جا رہا ہوں۔اگر آپ نے چلنا ہو تو موسٹ ویلکم۔۔۔"

”اوہ کیا ہوا قاضی صاحب کو؟۔۔“

”اُنکے گردے کا مسلہ ہوا ہے۔پچھلے ایک ہفتے سے ہسپتال میں ہی ہیں۔“

”کس ہسپتال میں ہیں؟۔۔وکٹوریہ میں۔۔؟؟۔۔“

”نہیں وکٹوریہ بند ہو گیا ہے۔اور نئے والے میں یہ سہولت نہیں ہے۔اسلیے قاضی صاحب کو صدر جنرل میں داخل کیا گیا ہے۔“

”اچھا۔۔کیا تم ابھی نکل رہے ہو۔یا تھوڑی دیر ٹھہر کر جاؤ گے۔“

”آج میرے پاس گاڑی نہیں ہے۔بس سے جار ہا ہوں۔وہ بھی یہاں سے دو سٹاپ آگے جا کر ملنی ہے۔اسلیے ابھی ہی نکلنا ہو گا۔ورنہ آج نہیں جا پاؤنگا۔“

”اچھا چلو پھر میں بھی چلتی ہوں۔“

”آجائیں۔“

”صرف ایک سیکنڈ دو میں مس جوزف کو بتا آؤں۔“

وہ ابھی سینٹر آئی تھی۔جب دروازے پہ محمد سے ملاقات ہو گئی۔

مسز جوزف اُسکو دیکھ کر حسبِ معمول بہت خوش ہوئیں۔

”نوال مجھے پتہ چلا تم ٹھیک نہیں ہو۔کیسی ہو اب؟۔۔تمہیں واپس دیکھ کر بہت خوشی ہو رہی ہے۔“

”بہت شُکریہ مسز جوزف اور میں اب بالکل ٹھیک ہوں۔دراصل میں آپکو بتانے آئی ہوں۔میں محمد کے ساتھ سر قاضی کی عیادت کو جا رہی ہوں۔میری آج کی غیر حاضری بھی قبول کر لیں۔“

”ہاں پور مین قاضی بڑی تکلیف میں ہے۔کل میں بھی اُسکی عیادت کو گئی تھی۔مجھے یقین ہے۔وہ بچ جائے گا۔“

نوال مسکراتے ہوئی بولی۔۔

”انشااللہ۔۔۔“

”جاؤ پر کل سینٹر پہ وقت سے آجانا۔اس دفعہ کی ٹرپ سے تم چھٹی نہیں کر سکتی ہو۔صرف اُن لوگوں کی خاطر دوبارہ ٹرپ رکھی گئی ہے۔جو پچھلی دفعہ نہیں جا سکے تھے۔“

”ارے واہ اس دفعہ کہاں کا پروگرام ہے؟“

”مجھے کنفرم پتہ نہیں پر میرا خیال ہے۔ایڈنبرا کاسل کا نام زیرِ غور ہے۔یا پھر ریور لوک نیس۔۔۔ہو سکتا ہے۔دونوں کے درمیان ووٹنگ ہو۔“

”بہت خوب میں کل آ کر مزید معلومات لونگی۔اس دفعہ بھی کھانے وغیرہ کے انتظامات میں میری طرف سے پورا تعاون حاصل ہوگا۔“

”نہ بالکل بھی نہیں۔کم از کم میں تمہیں اتنا خرچہ کرنے کی اجازت نہیں دونگی۔“

”پلیز ایسا نہ بولیں میں اپنی مرضی سے ایسا کرنا چاہتی ہوں۔

”اوہ نوال تم ہمیشہ ایسے کاموں میں اپنا رول ادا کرتی ہو۔مجھے سمجھ نہیں آتی۔آخر اپنے پلے سے اتنا خرچ اوپر سے جسمانی مشقت سے سب کر کے تمہیں کیا حاصل ہوتا ہے۔“

”مسز جوزف مجھے خوشی ملتی ہے۔میرا اپنا تو کوئی ہے نہیں۔میرا مطلب شوہر کے علاوہ کوئی بہن بھائی اسلیے میں آپ لوگوں کے لیے کھانے بنا کر اپنا شوق پورا کر لیتی ہوں۔“

”مجھے پورا یقین ہے۔نوال اگر تمہارے ماں باپ آج زندہ ہوتے تو تمہیں اتنی ایک چھوٹی سی لڑکی سے اتنی سمجھدار اور پیارے دل والی عورت کے روپ میں دیکھ کر اُنہیں تم پہ بڑا فخر ہونا تھا۔“

مسز جوزف کے جملے نے نوال کو چند پل کے لیے ساکت کیا۔

پُرنم لہجے میں بولی۔۔۔

”مسز جوزف کیا آپکو واقعی لگتا ہے۔کہ میں ایک اچھے دل والی عورت ہوں؟۔۔“

مسز جوزف کے ہاتھ رُک گئے اور اُس نے حیرت سے نوال کو دیکھا۔

اور ہنستے ہوئے بولی۔۔۔

”نوال۔۔۔!!تمہیں اس بات پر شک کیوں ہوا؟۔۔اگر میری کوئی بیٹی ہوتی۔تو میری خواہش ہے۔وہ بالکل تمہارے جیسی ہوتی۔“

نوال نے مسز جوزف کو گلے لگا کر اُس کے جُھریوں والے چہرے پہ بوسہ لے لیا۔

”ایسا بول کر آپ نے میرا آج کا دن خوشگوار بنا دیا ہے۔شُکریہ کے طور پر کل آپکے لیے گرما گرم ڈبل

چاکلیٹ مفنز بنا کر لاؤنگی۔اپنی چائے کے ساتھ کھائیے گا۔“

مسز جوزف لال چہرے کے ساتھ ہنستے ہوئے بولی۔۔۔

”اب سے ہر ہفتے تمہاری تعریف کیا کرونگی۔فری مفنز کس کو پسند نہیں ہیں۔“

”اگر آپ مفنز بنا رہی ہیں۔تو میں بھی کھاؤنگا۔مسز جوزف آپکی زیادہ سگی تو نہیں ہیں۔“

محمد کی غُصے بھری آواز پہ وہ چونک مُڑی۔۔وہ تو بھول ہی گئی تھی۔وہ باہر اُسکے انتظار میں کھڑا تھا۔

مسز جوزف اُسکے جواب میں بولیں۔۔۔

”زیادہ فرمائیشی ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔میں نے تو نوال کی سچی تعریف کی ہے۔اس لیے مجھے مفنز ملنے ہیں۔تم کس خوشی میں مانگ رہے ہو۔“

”اچھا تو جو انکی تعریف کرتا ہے۔یہ اُسکو مفنز دیتی ہیں۔مجھے اگر پہلے خبر ہوتی میں ہر روز انکے اعزاز میں دیوان لکھتا۔صبح سے شام تک صرف انکی تعریف کرتا۔“

محمد کے چہرے کی سنجیدگی نے مسز جوزف کو قہقہہ مارنے پہ مجبور کیا۔

”اوہ بوائے کیا تمہیں مفنز اتنے ہی پسند ہیں۔“

مسز جوزف کے سوال کا جواب نوال نے دیا

”ہاں خاص کر جب مفت کے مل رہے ہوں۔یہ ایک نمبر کا پیٹو انسان ہے مسز جوزف اسکے سامنے بھولے سے بھی کھانے پینے والی چیزوں کا ذکر نہ کیا جائے۔“

”آپ مسز جوزف کو میرے بارے میں گمراہ کر رہی ہیں۔“

مسز جوزف اپنے کام کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے بولیں۔

”محمد بڑا احساس کرنے والا بچہ ہے۔پچھلے ہفتے مجھے اپنی گاڑی میں شاپنگ لے گیا تھا۔واپسی پہ اس نے مجھے ایک ایشین سوئٹ ہاؤس سے برفی اور سموسہ کھلایا تھا۔محمد وہ برفی ابھی بھی میری فریج میں موجود ہے۔میرا میاں ہر روز چائے کے ساتھ لیتا ہے۔“

”سُن لیں۔یہاں پر ایک فقط آپ ہی سخی نہیں ہیں۔میں بھی کبھی کبھی۔۔۔“

”ہاں مجھے علم ہے۔۔کبھی کبھی حاتم طائی کی قبر پہ لات مار دیتے ہو۔“

”وہ کیا ہوتا ہے؟۔۔“

”وہ ہاسپٹل سے لیٹ ہونا ہوتا ہے۔“

”آپ بات بدل رہی ہیں۔“

”تم سرکھا رہے ہو۔“

”آپ جان چھڑوا رہی ہیں۔“

”نہیں میں سر قاضی کی عیادت کو جا رہی ہوں۔“

”اب آپکو پندرہ منٹ انتظار کرنا پڑے گا۔کیونکہ پہلی بس نکل گئی ہے۔“

”میری گاڑی پہ چلیں؟۔۔“

”آپ تو پیدل آئی ہیں۔“

”ہاں پر میری گلی تک واک کرتے ہیں۔وہاں میری گاڑی موجود ہے۔“

”نہیں معاف کریں۔اتنی لمبی واک کے موڈ میں نہیں ہوں۔“

”حد کرتے ہو۔یہ ایک سڑک اور دو بلاک آگے ہی تو جانا ہے۔“

”جی نہیں میں یہ اگلی گلی کے کونے پہ موجود بس سٹینڈ پہ جانا پسند کرونگا۔اوف ویسے بھی بس پہ جانے کا فائدہ ہے۔فری وائی فائی ملتی ہے۔“

”کیا تمہارے فون کی سم کا ڈیٹا نہیں ہے؟۔۔“

”جب فری وائی فائی مل رہی ہے۔تو میں اپنا ڈیٹا کیوں ضائع کروں۔“

وہ بلڈنگ سے نکل کر بس سٹاپ کی جانب جا رہے تھے۔

”مگر جہاں تک مجھے یاد ہے۔تم نے کہا تھا۔تمہارا فون کنٹریکٹ پر ہے۔اور کمپنی کی جانب سے تمہیں پورے مہینے کا انلیمیٹڈ ڈیٹا ملتا ہے۔“

”ہاں میں نے سچ کہا تھا۔“

نوال نے بڑی مشکل سے اپنے قہقہوں کو مسکراہٹ میں بدلا۔۔۔

"آپ مسکرا کیوں رہی ہیں؟۔۔"

"بس ایسے ہی دل کر رہا ہے۔"

چاہ کر بھی کہہ نہ پائی پاگل آدمی تمہیں کیا لگے فری وائی سے تمہارے اپنے فون میں فری ڈیٹا موجود ہے۔ پر محمد کی بعض باتیں ایسے ہی آپکو ہنسنے پر مجبور کر دیتی تھیں۔

"تم نے سُنا ٹرپ جا رہی ہے۔"

"ہاں مگر میں نے وہ جگہیں پہلے سے دیکھی ہوئی ہیں۔"

"اسکا مطلب تم ٹرپ کے ساتھ نہیں جاؤ گے۔"

"کیوں نہیں۔ سب جائینگے تو میں بھی چلا جاؤنگا۔"

"ٹھیک ہے۔ اپنے فون میں بہت سی تصویریں اُتار کر لانا۔ میں دیکھونگی۔"

"تو کیا آپ نہیں جائینگی؟۔۔"

"نہیں۔۔۔"

"کیوں۔۔؟۔۔"

"بس ایسے ہی دل نہیں مان رہا۔ ویسے بھی آج کل میری طبیعت اتنی ٹھیک نہیں رہتی۔ اتنا لمبا سفر نہیں کر پاؤنگی۔"

"ایڈنبرا اگر کار پہ جائیں تو گلاسگو سے صرف تیس پنتالیس منٹ کی دوری پہ ہے۔ بس پہ زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹہ لگ جائے گا۔ ایک گھنٹے کا سفر تو بالکل بھی لمبا نہیں ہوتا۔"

"ہاں پر میرا دل نہیں ہے۔"

"کہیں آپ ڈیڑھ سو پاؤنڈ کی وجہ سے تو انکار نہیں کر رہی ہیں۔ آپ کے پیسے میں دے دونگا۔"

"واہ بھئی اپنا محمد تو واقعی حاتم طائی نکلا۔۔۔"

"وہ کیا ہوتا ہے؟"

محمد کے سوال پہ وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

''کیا نہیں کون ہوتا ہے؟۔۔

''اچھا تو کون ہوتا ہے؟۔۔''

''کوئی نہیں بس تاریخ کا ایک کردار ہے۔''

''اوہ اچھا۔۔۔''

وہ مزید کچھ کہتی مگر بس کی آمد نے کچھ کہنے سے روک دیا۔

بس رُکی تو سب سے پہلے جو لوگ بس سے نکل رہے تھے۔وہ نکلے اُس کے بعد سٹاپ پہ ہجوم لائن بنا کر ایک ایک کر کے بس میں سوار ہوئے۔جس کو سیٹ نظر آ گئی وہ آرام سے بیٹھ گیا۔جس کو نہیں ملی وہ بغیر بُرا منائے کھڑا رہا۔

نوال ایک بوڑھی گوری کے ساتھ بیٹھ گئی۔محمد کو نیچے جگہ نہ ملی وہ اوپر چلا گیا۔اگلے سٹاپ پر بس رُکی تو وہ گوری جو نوال کے ساتھ بیٹھی تھی۔دوسرے دو لوگوں کے ساتھ وہ بھی اُتر گئی۔

مگر بس کے چلنے سے پہلے ایک تگڑا سا آدمی بس میں سوار ہوا۔گھسی ہوئی جینز کندھے پہ گندا بیگ۔۔لمبی زُلفیں دونوں کانوں میں یہ بڑے بڑے سوراخ جیسے کبھی افریقن قبیلوں کے لوگوں کے کانوں میں دیکھنے کو ملتے تھے۔مگر آج کل ہر رنگ و نسل کے لوگ ایسے شوق میں مبتلا نظر آتے ہیں۔خاص کر جن لوگوں کو ٹیٹوز کا شوق ہوتا ہے۔۔اس آدمی کے بھی دونوں بازو ٹیٹوز سے نیلے کالے تھے۔نوال کا سانس تب درمیان میں اٹکا جب وہ آدمی آ کر اُسکے ساتھ والی خالی سیٹ پر بیٹھ گیا۔

بدبو کے بھبھوکے میں سانس نہ آیا۔وہ اُسی وقت اُس سیٹ سے اُٹھ کر اوپر کو بھاگی۔

اوپر ا نتشار نہیں تھا۔دو چار سٹوڈنٹ ایک آدھ کھردرے چہروں والے آدمی۔۔

چلتی ہوئی بس میں چلنا بھی ایک الگ ہی عذاب ہے۔

جب وہ محمد کی سیٹ کے قریب پہنچی عین اُسی وقت بس ڈرائیور نے بریک لگائی۔نوال محمد والی سیٹ کی بجائے دونشت پیچھے والے آدمی کی گود میں گری۔۔۔

شرمندگی سے گال سُرخ ہو گئے۔

محمد نے اُسکو آتے تو نہیں دیکھا۔کیوں تب وہ ہیڈسیٹ کانوں میں لگائے اپنے فون پہ تیزی سے کُچھ ٹائپ کرنے میں مصروف تھا۔ہاں جب نوال کا بیگ لہرا کر محمد کے سر پہ لگا۔تب وہ متوجہ تو ضرور ہوا۔مگر بڑی دیر ہو چکی تھی۔نوال آنکھوں میں غُصہ وشرمندگی کے آنسو لیے رونے ہی والی تھی۔یہ سوچے بغیر کہ وہ ابھی تک گورے کی گود میں کیوں پڑی ہوئی ہے۔

بس پھر سے چل پڑی۔۔

محمد دو جست میں اپنی سیٹ سے نکل کر اُسکے پاس آیا۔نوال کا ہاتھ پکڑ کر اُسکو اپنے برابر کھڑا کیا۔اور اگلے ہی پل رکھ کر ایک مُکا گورے کے گال پہ مارا۔۔

گورے کے منہ سے گالیوں کا انبار برآمد ہوا۔

نوال ہکا بکا۔۔۔

”مجھے کیوں مارا ہے۔تیری گرل فرینڈ خود آکر میری گود میں گری تھی۔میں نے اُسکو دعوت نامہ نہیں بھیجا تھا۔“

”سالے اسکو کھڑا ہونے کا بولنے کی بجائے اپنے ہاتھ اُسکی کمر پر کیوں رکھے تھے؟۔۔“

”وہ اُٹھنا ہی نہیں چاہتی تھی۔تو میں زبردستی کیوں کرتا۔ہوسکتا ہے۔وہ تم سے اُکتائی میرے پاس آئی ہو۔“

نوال کے گال حد سے زیادہ تپ گئے۔ایک ہاتھ سے پول تھام کر دوسرے ہاتھ سے زور کا طمانچہ گورے کے منہ پہ مارا۔۔۔

”کیا بکواس پہ بکواس کیئے جا رہے ہو۔نہ تو میں تم پہ مرمٹی ہوں۔اور نہ یہ میرا بوائے فرینڈ ہے۔بھائی ہے یہ میرا۔۔۔“

نوال کے اس ردِعمل پہ محمد کی آنکھوں میں ہنسی ناچ گئی تھی۔مگر اُسکے آخری فقرے پہ محمد جل کر بولا۔۔۔

”اوہ خُدا کا واسطہ ہے نوال یہ کیا بول رہی ہیں؟۔۔“

دو سیکنڈ کے لیے نوال کو لگا شائد واقعی کُچھ غلط بول گئی ہے۔مگر پھر یاد آیا۔محمد کو بھائی کہنے پہ آگ لگی تھی۔

گورے کو مخاطب کر کے بولی۔۔

"بھائی صاحب آپ نے سچ کہا ہے۔ یہ میرا بوائے فرینڈ ہی ہے۔"

پھر غصے سے محمد کی جانب مڑی۔۔۔

"اب خوش ہو؟۔۔"

"نہیں۔۔۔"

"کیوں اب کیا موت پڑی ہے؟۔"

"میں آپکا بوائے فرینڈ نہیں ہوں۔ میرا مطلب ہے۔ آپکی خوشی کے لیے اگر مان بھی لوں۔ پھر بھی میں شمیم کا دل نہیں توڑ سکتا۔ آخر اُسکی میرے سے شادی ہونی ہے۔ کوئی مذاق تھوڑی ہے۔"

"محمد میرا جی کر رہا ہے۔ ایک مکا تمہارے اس چھکلو کے موٹے منہ پر بھی ماروں۔ بدتمیز انسان۔۔۔"

محمد ہنستے ہوئے بولا۔۔۔

"شمیم سے جیلس نہ ہوں۔ اس فیصلے میں اُسکا کوئی ہاتھ نہیں ہے۔"

نوال نے اپنے ماتھے پہ ہاتھ مارا۔۔۔

"میں بس سے اُتر رہی ہوں۔ مجھے نہیں لگتا ہم ہسپتال پہنچ پائیں گے۔"

"کیوں خدانخواستہ ایسا کیوں بول رہی ہیں۔"

گورا دونوں کو گھور رہا تھا۔ بلاخر بولا۔۔۔

"تم دونوں نے مجھ پہ ہاتھ اُٹھایا ہے۔ میں پولیس میں رپورٹ کرونگا۔"

محمد کو جیسے ہوش آیا۔ جلدی سے سمجھاتے ہوئے بولا۔۔

"دیکھو یار میں دل سے معذرت خواہ ہوں۔ مجھے تم پہ ہاتھ نہیں اُٹھانا چاہیے تھا۔ اگر تم چاہو تو مجھے بھی ایک مکا مار کر حساب برابر کر سکتے ہو۔ بلکہ لو یہ پیسے رکھ لو۔ میری طرف سے کھانا کھا لینا۔"

محمد نے اپنی جیب سے تین بیس بیس کے نوٹ نکال کر اُس گورے کے سامنے کیئے۔ جس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

”نہیں مجھے تمہارے پیسے نہیں چاہیے ہیں۔ میں شکایت میں ایک اور شق ڈال دونگا۔تم نے مجھے رشوت دینے کی کوشش کی ہے۔“

”اوپائی معاف کرکیا جان کا عذاب بنے گا؟۔۔“

محمد نے اُکتائے ہوئے انداز میں اُس کے سامنے ہاتھ جوڑے۔

نوال حیرت و بے یقینی سے محمد کا چہرہ دیکھنے لگی۔جسکا سارا دھیان گورے کی جانب تھا۔

بس سواری اُتارنے کو رُکی نوال موقع کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے جا کر محمد والی سیٹ پہ بیٹھ گئی۔اسکا بیگ پہلے سے ہی وہاں پڑا ہوا تھا۔

دو چار منٹ بعد محمد بھی آ گیا۔مگر وہ اُسکے برابر نہیں بیٹھا۔نوال سے اگلی سیٹ پہ ترچھا ہو کر بیٹھ گیا۔

”تمہیں کیا ضرورت تھی۔اُس جنگی کی اتنی منتیں کرنے کی؟ کرنے دیتے پولیس کو شکایت۔۔۔“

”یہ آپکا پاکستان نہیں ہے۔جہاں آپ پولیس کو رشوت لگا کر معاملہ رفہ دفع کروا لیتیں۔اگر وہ واقعی شکایت کر دیتا۔پولیس نے اس بس کے سی سی ٹی وی کیمرے سے ہمارے خلاف ثبوت نکال کر کورٹ میں دے دینا تھا۔اور ہمیں سزا ہو جانی تھی۔میری تو خیر ہے۔اپنا سوچیں کیسے حوالات میں گزارا کرتیں۔“

”توبہ استغفار تمہارے منہ میں خاک۔۔۔اللہ نہ کرے کبھی میرے اتنے بُرے دن آئیں۔“

”فکر نہ کریں۔میں نے گورے کے سامنے اسی لیے ہاتھ تک جوڑ دئے ہیں۔“

”کیا وہ مان گیا؟۔۔“

”نہ مانتا تو میں نے دو مکے اور لگا آنے تھے۔اگر حولات کی سیر ہی کرنی تھی۔تو ذرا دل کے سارے ارمان نکال کر جاتا۔“

”اس وقت تم ایک پاگل لڑکے لگ رہے ہو۔“

اگلا کافی راستہ خاموشی میں گزرا ہسپتال تک نہ جانے کتنے سٹاپ آئے۔ ہر سٹاپ پر بس رُکی پھر آگے بڑھی۔

کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے ایک دم سے نوال بولی

”کسی قوم کا نظم وضبط دیکھنا ہوتو ایسی مقامات پر دیکھنا چاہیے۔“

محمد متوجہ ہوتے ہوئے پوچھنے لگا۔

”میں سمجھا نہیں۔۔“

برطانوی عوام کی بات کر رہی ہوں۔ان میں صبر وتحمل کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔چاہے وہ ڈاکٹر کے انتظار میں گھنٹوں بیٹھنا ہو۔یا کسی سُپر سٹور کے مصروف دن میں چیک ان کے کیو کی لمبی لائن میں کھڑے ہو کر اپنی باری کا انتظار کرنا ہو۔یہ لوگ کبھی نہیں اُکتاتے۔نہ دھکم پیل کرتے ہیں۔یہی دیکھ لو ہر سڑک پہ نہ جانے کتنی دفعہ ٹریفک کی بتیوں پر رُکنا پڑتا ہے۔خاص کر سکول وآفس کے اوقات میں حد سے زیادہ رش ہوتا ہے۔مگر انکا نظام اُسی طرح چلتا رہتا ہے۔چاہے جتنی بھی لمبی گاڑیوں کی قطار ہو۔سب اپنی باری کے انتظار میں کھڑے ہوتے ہیں۔کوئی ہارن نہیں کوئی گالی گلوچ نہیں۔مجھے لگتا ہے۔یہ چیزیں ان لوگوں کی گھٹی میں رچی بسی ہوئی ہیں۔انکے رسم ورواج کا حصہ بنی ہوئی ہیں۔یہ لوگ ایسے رات کے رات نہیں ہوئے۔بلکہ انکی تاریخ صدیوں پُرانی ہے۔اسلیے مجھے لگتا ہے۔ہماری قوم کو اس لیول کا ڈسپلن سیکھنے میں ابھی زمانے درکار ہیں۔ہم ڈاکٹر کے پاس جاتے ہیں۔سامنے لمبی لائن لگی ہو۔ہم پرچی دینے والے کو سائیڈ پہ کر کے سودوسو لگا دیتے ہیں۔وہ آرام سے کسی اور کی باری ہمیں دے دیتا ہے۔اور ہم گردن اکڑا اکڑا آگے بڑھ جاتے ہیں۔جیسے بہت بڑا امیدان مارا ہو۔“

”مجھے آپکی بات سے اتفاق ہے۔“

محمد کے کہنے پہ وہ مزید بولی۔۔

”تم اتفاق نہ بھی کرو۔تب بھی یہی حقیقت ہے۔سب سے مزے کی بات پتہ کیا ہے۔ادھر بہت کم لوگ ایسے نظر آئینگے۔جنکو اپنے عہدے اور کام پر بڑی اکڑ ہوگی۔ورنہ انکا فوکس اپنی ذمہ داری پہ ہوتا ہے۔میں نے ایک ڈاکیومنٹری دیکھی تھی۔جو کہ لندن کے ایک بہت مشہور ہسپتال کی روٹین پہ بنائی گئی تھی۔جانتے ہو۔وہاں کا جو کنسلٹنٹ تھا۔وہ چھُٹی ہونے کے بعد سائیکل پہ اپنے گھر جا رہا تھا۔اتنے بڑے ہسپتال میں اتنی بڑی پوسٹ پہ کام کرنے والا اتنا اہم آدمی بغیر کسی پرٹوکال بغیر کسی سیکیورٹی کے عام سی سائیکل چلاتا اپنے گھر جا رہا ہے۔کتنا عجیب لگتا ہے نا۔خاص کر جس ماحول کی میں پلی بڑھی ہوں۔وہاں تو ایک کمپاؤڈر بھی اپنی اہمیت کیش کرواتا

ہے۔ مجھے ممتاز مفتی کی ایک بات بڑی یاد ہے۔ اُنہوں نے کہا تھا۔ ہمارے لوگ کسی عہدے پہ اس لیے نہیں پہنچتے کہ لوگوں کی خدمت کر سکیں۔ بلکہ اس لیے ساری محنت کرتے ہیں۔ تاکہ بعد میں لوگوں پہ رُعب ڈال سکیں۔ میں ایک استاد ہوں۔ تمہاری جرات کیسے ہوئی مجھے ایک عام انسان سمجھنے کی۔ مطلب مفتی صاحب کے الفاظ الگ ہیں۔ مگر مفہوم یہی ہے۔ گردن میں بل آجاتا ہے۔ جو ساری عمر پھر اکڑی ہی رہتی ہے۔ چاہے وکیل ہو۔ ڈاکٹر ہو۔ سیاست دان ہو۔ پولیس والا ہو۔ ہر کوئی بس ایک عہدے دار تو رہ جاتا ہے۔ مگر انسان نہیں رہتا۔"

"آپ کی آدھی باتیں میری سمجھ میں آرہی ہیں۔ آدھی سر کے اوپر سے گزر رہی ہیں۔"

"بڑی آسان سی بات ہے محمد تمہیں سمجھ کیوں نہیں آرہی۔ جب میں چھوٹی تھی۔ ایک دن پی ٹی وی پہ بحث چل رہی تھی۔ ایک آدمی نے کہا۔۔۔ ہر باپ اور ہر ماں یہ چاہتی ہے۔ اُسکا بیٹا بڑا آدمی بنے۔ کوئی یہ کیوں نہیں چاہتا کہ اُسکا بچہ نیک انسان بنے۔ بڑا بننے کے چکر میں انسان نہ جانے کدھر گم ہو گئے۔ وہی بچے جنکوں ان پڑھ ماں باپ نے تعلیم سے روشناس کروایا ہوتا ہے۔۔ جنہوں نے اُن پر دنیا کے دروازے کھولے ہوتے ہیں۔ وہی اولاد حرف شناس تو بن جاتی ہے۔ مگر قدر دان نہیں رہتی۔ ماں باپ کے مرتبے سے ہی انجان ہوتے ہیں۔ آخر کیوں؟۔۔ ایک بیوہ ڈاکٹر ماں کی کہانی ہے۔ جس نے تین بیٹوں کو اعلیٰ تعلیم دلوائی وہ تینوں اتنے قابل ہیں۔ یورپین ممالک اور امریکہ میں نوکریاں کر رہے ہیں۔ اپنی اپنی گرہستی چلا رہے ہیں۔ مگر اُن تینوں کی ایک ماں آج اولڈ ہوم میں رہتی ہے۔ محمد ایسا کیوں ہوتا ہے؟۔۔"

"جب میرے بچے مجھے اولڈ ہوم میں چھوڑ کر آئیں گے تب تو شائد میں آپکو اس سوال کا جواب دے سکوں مگر اس وقت میرے پاس اسکا کوئی جواب نہیں ہے۔ چلیں ہمارا اسٹاپ آگیا ہے۔"

اس دفعہ وہ بڑی احتیاط سے اُتری۔۔ محمد کی لمبی لمبی ٹانگیں فاصلہ طے نہیں کرتی تھی۔ فاصلہ کھاتی تھیں۔ وہ تقریباً ہانپتے ہوئے اُسکے ساتھ چلنے کے چکر میں بھاگ رہی تھی۔

"کیا تم نے کہیں پہنچ کر آگ بجھانی ہے؟۔۔"

محمد جیسے نیند سے بیدار ہوا۔ چونک کر رکا۔

"نہیں تو کیوں؟۔۔"

"تو اللہ کے بندے اتنی تیز کیوں چل رہے ہو۔آہستہ چلو۔۔۔"

"اوہ معاف کریں۔مجھے خیال نہیں رہا۔"

"کوئی بات نہیں۔پتہ فراز کیا کہتے ہیں۔؟۔۔"

"کون فراز۔۔۔؟۔۔"

"بھئی میرے میاں اور کون۔۔"

"اوہ اچھا اچھا۔۔۔کیا کہتے ہیں؟۔۔"

"وہ کہتے ہیں۔ساری بات ماں پہ ہے۔اگر اولاد نافرمان نکل آئے۔تب بھی قصور صرف ماں کا ہے۔اگر ماں اچھی ہو۔نیک ہو۔اولاد کبھی نہیں بھٹکتی۔۔۔"

محمد اُسکا چہرہ یوں دیکھ رہا تھا۔جیسے نوال کی زبان نہ سمجھتا ہو۔حالانکہ وہ انگلش میں ہی بول رہی تھی۔

"پر محمد مجھے فراز کی اس بات سے اختلاف ہے۔مجھے لگتا ہے۔اگر اللہ چاہیں۔تو بڑے بڑے بدکردار بد اخلاق لوگوں کو بھی نیک صالح اولاد سے نواز دیتے ہیں۔اور کبھی کبھار نیکوں کاروں کو نافرمان اولاد دیکر آزماتے ہیں۔یہ بس اللہ کے ہاتھ میں ہے۔انسان صرف کوشش کرسکتا ہے۔"

محمد ایک دفعہ پھر بے تاثر چہرہ لئے اپنی موٹی موٹی آنکھوں سے اُسکو دیکھ رہا تھا۔معصومیت سے بولا۔۔

"نوال آج آپ نے ناشتے میں کیا کھایا ہے؟۔"

نوال جو کسی جواب کی توقع کر رہی تھی۔گہری سانس بھر کر رہ گئی۔

"میں بھی کس بھینس کے آگے بین بجا رہی ہوں۔"

اپنی بات پہ خود ہی ہنستے ہوئے آگے بڑھی۔

"چلو چلیں تمہیں وارڈ نمبر تو پتا ہے نا۔"

"ہاں۔۔"

"ایک منٹ ہم نے قاضی صاحب کے لیے کارڈ اور پھول تو لئے ہی نہیں۔"

"بے فکر رہیں۔قاضی صاحب بُرا نہیں منائینگے۔۔ویسے بھی اُنکی عمر دُعاوں والی ہے۔نا کہ کارڈز اور

پھول وصول کرنے کی۔"

"محمد کبھی کبھی تم بہت روڈ ہو کر بات کرتے ہو۔ پاکستان میں جب کوئی کسی کی عیادت کو جاتا ہے۔ تو جانتے ہو۔ فروٹ کی ٹوکری لیکر جاتا ہے۔ اور ہم سوکھے منہ قاضی صاحب کو دیکھنے جا رہے ہیں۔ چلو واپس چل کر کچھ لیکر آتے ہیں۔"

"آپ خرچہ کیئے بغیر نہیں رہ سکتی ہیں۔ واپس جانے کا وقت ہے نہ ہی ضرورت۔ ہسپتال کے اندر ایک آدھ سٹور موجود ہے۔ وہیں سے کچھ لے لیتے ہیں۔"

سر ہلا کر وہ اُسکے پیچھے چل پڑی۔۔۔ ایک تو محمد کا حلیہ ایسا تھا۔ پاس سے گزرنے والا ایک دفعہ تو ضرور مُڑ کر دیکھتا۔

گھوم پھر کر جب سارا دیکھ لیا۔ تو محمد سے مخاطب ہوئی۔۔

"ادھر بُکے تو دور ایک کلی تک نہیں ملی۔ اب کیا کریں۔"

"میں تو ایک گیٹ ویل سون کے لوگو کا غبارہ لے رہا ہوں۔ آپ اپنے رواج کے مطابق فروٹ اُٹھا لیں۔ ویسے بھی چاکلیٹ کھا کر قاضی صاحب کے بچے کُچے دانت بھی جاتے رہیں گے۔"

"کبھی اچھا بھی بول لیا کرو۔"

نوال نے ایک پیکٹ اُٹھایا جس میں کٹے ہوئے آم اور تربوز کے کتلے تھے۔ سٹرابیریز اور انگور۔۔۔ ساتھ میں پستہ لیا۔

جس وقت دونوں وارڈ میں پہنچے قاضی صاحب دوا کے زیر اثر سو رہے تھے۔ اُنکی بیٹی ایک کُرسی پہ بیٹھی سلائیاں بُن رہی تھی۔ کمرے میں ہلکی آواز میں ٹی وی چل رہا تھا۔ جس پہ چینل فور آ رہا تھا۔

"اسلام علیکم۔۔۔ ہم لوگ قاضی صاحب کی عیادت کو آئے ہیں۔"

"وعلیکم اسلام آئیں برائے مہربانی تشریف رکھیں۔ ابو کو دس منٹ پہلے نرس دوا دیکر گئی ہے۔ میرے ساتھ باتیں کرتے کرتے ہی نیند میں چلے گئے ہیں۔"

"کوئی بات نہیں آپ انکو آرام کرنے دیں۔ ویسے اب طبیعت کیسی ہے؟۔۔"

دونوں سرگوشیوں میں بول رہی تھیں۔اور محمد ہاتھ میں پکڑے غبارے سے کھیل رہا تھا۔

نوال نے اُسکو گھور کر منع کرنا چاہا۔۔

"اللہ کا شکر ہے۔اب تو کافی فرق ہے۔درد رُک گیا ہے۔مگر یہ لوگ مزید ٹیسٹ وغیرہ کر رہے ہیں۔"

"اللہ کریں سب ٹیسٹ کلیر آئیں۔"

اس دفعہ نوال نے محمد کے ہاتھ سے غبارہ لیکر قاضی صاحب کے سرہانے کی جانب بیڈ سے باندھ دیا۔

محمد نے نوال کے ہاتھ سے فروٹ والا بیگ لیکر قاضی صاحب کی بیٹی کی جانب بڑھایا۔

"یہ میں قاضی سر کے لیے لایا ہوں۔ہم چلتے ہیں۔آپ اپنے والد صاحب کو بتا دیجئے گا۔نوال اور محمد آئے تھے۔"

"آپ لوگ رُکیں میں جگا دیتی ہوں۔"

"کیوں بے آرام کر رہی ہیں۔اس عمر میں تو نیند بھی نصیبوں سے آتی ہوگی۔"

نوال نے اپنا سر پیٹ لیا۔یہ کس گدھے کے ساتھ آ گئی تھی۔

جلدی سے صفائی دیتے ہوئے بولی

"پلیز اسکی باتوں پر دھیان نہ دیں۔سیدھا سا ہے۔اللہ لوک۔۔۔"

"ہاں جی وہ تو دیکھنے میں ہی لگ رہا ہے۔"

نوال نے مسکراہٹ دبائی اور سلام لیکر باہر نکل آئی۔

باہر آنے تک محمد پوچھتا ہی رہا آپ مسکرا کیوں رہی ہیں۔

"تمھیں پتہ ہے۔تم انتہائی احمق ترین انسان ہو۔اتنی دور سے قاضی صاحب سے ملنے آئے ہیں۔اور ملے بغیر ہی واپس جا رہے ہیں۔"

"اتنا ہی ہوتا ہے۔آپ کیا وہاں سارا دن رُک کر جراثیم لگوانا چاہ رہی تھیں۔"

"توبہ استغفار محمد تھوڑی سی شرم کر لو۔"

"اچھا دفعہ ماریں یہ سب۔۔۔یہ بتائیں اب کدھر جانا ہے۔"

"کیا مطلب کدھر جانا ہے۔واپس گھر جاؤنگی۔"

"اچھا چلیں میں آپکو چھوڑ دیتا ہوں۔"

"تم مہربانی کرو۔میں ٹیکسی کو فون کررہی ہوں۔تم اپنے راستے میں اپنے۔"

"بڑی بے دید ہیں۔آپ کا ادھر تک کا کرایہ دینے کے چکر میں میری جیب خالی ہوگئی ہے۔پھر آپ نے غبارہ لینے پر مجبور کیا۔بچی کُچی ریزگاری بھی جاتی رہی۔اب مجھے بے یارومددگار اس خطرناک علاقے میں چھوڑ کر جارہی ہیں۔آخر کس جنم کا بدلا لے رہی ہیں۔"

"تم سدا کے کنگلے انسان ہو۔اب کیا چاہتے ہو؟۔۔کرائے کے پیسے دوں یا ٹیکسی شئیر کرو گے؟۔۔"

"میں پہلے ہی بڑا قرض دار ہوں۔مزید نہیں لے سکتا۔آپ سے پیسے لیتا میں اچھا بھی نہیں لگونگا۔"

"ٹیکسی شئیر کرو گے؟۔۔"

"تو کیا آپ کو غیر آدمی کے ساتھ اکیلا جانے دوں۔کیا علم ڈرائیور کوئی سیریل کلر ہو۔آپ کے شوہر کو کیا جواب دونگا۔"

"باتیں باتیں اور بس باتیں۔۔۔باقی کسی کام کے نہیں ہو۔"

"اتنی تعریف نہ کریں۔۔وہ بھی عام عوام کے سامنے نظر لگوائینگی کیا؟۔۔۔"

"میرا خیال ہے۔ہیمڈن کو فون کرنے کی بجائے بلیک کیب لے لیتے ہیں۔"

برطانیہ میں دو طرح کی ٹیکسی پائی جاتی ہے۔کلاسک اولڈ بلیک کیب جسکو آپ کہیں بھی ہاتھ دیکر روک سکتے ہیں۔اور دوسری پرائیویٹ ہائیر جو آپ کمپنی کو فون کرکے بُک کرواتے ہیں۔گلاسکو میں پرائیویٹ ہائر کی سب سے زیادہ مشہور کمپنی ہیمڈن ہے۔

بلیک کیب کے ذریعے محمد سینٹر کے قریب اُتر گیا۔جبکہ نوال گھر چلی گئی۔آج کا دن ضائع ہی گیا تھا۔اگرچہ ابھی سینٹر کُھلا ہوا تھا۔مگر اُس نے گھر جاکر کھانا بنانے کو ترجیح دئی۔ویسے بھی اُسکی فراز کے ساتھ تازہ تازہ صلح ہوئی تھی۔وہ نہیں چاہتی تھی۔۔پھر سے کسی بات کو بہانہ بنا کر نئی لڑائی ہو۔

کال بیل کی آواز نے چونکایا۔یقیناً فراز آیا تھا۔

معمول کے مطابق اس کے ہاتھ سے جیکٹ اور بیگ تھام کر ان کی جگہ پہ رکھا۔

جب وہ سیٹنگ روم میں اپنی مخصوص جگہ پہ بیٹھ کر جوتے اتار چکا تو اس نے جھک کر اس کے اتارے ہوئے جوتے اٹھائے اور الماری میں رکھ دیئے۔ لا کر سلیپر اس کے سامنے رکھے۔

"کھانا لگا دوں؟"

"نہیں بھئی کیوں لگانا ہے۔ ایویں تکلیف کرو گی۔ میں بھوکا ہی سو جاتا ہوں۔ ویسے بھی تمہیں کیا فرق پڑے گا۔"

فراز کے جواب کے بعد اس نے مزید کچھ کہے بغیر کھانا گرم کر کے لگا دیا۔ آ کر فراز کو کہا۔

"اٹھ کر منہ دھو آئیں، کھانا لگ گیا ہے۔ ٹھنڈا نہ ہو جائے۔"

فراز اس بری طرح ٹی وی پہ آنے والے ٹاک شو میں منہمک تھا کہ نوال کی آواز اس تک پہنچ ہی نہ پائی۔ اس لئے اسے دوبارہ متوجہ کرنا پڑا۔

"فراز۔ کھانا لگ گیا ہے۔"

"آہستہ بولو، میں کوئی اونچا تو نہیں سنتا ہوں جو یوں جاہلوں کی طرح گلا پھاڑ رہی ہو۔ اور کیا ایک دفعہ بولی بات تمہاری سمجھ میں نہیں آتی جب میں نے کہا تھا کہ کھانا مت لگاؤ تو کیوں لگایا؟ کیا بہت شوق ہے میرے پہ گیس بجلی کے بھاری بل ڈالنے کا اور کھانا ضائع کرنے کا۔"

"نہیں۔ ایسی تو کوئی بات نہیں اور آپ نے منع تو نہیں کیا تھا۔ صاف منع کر دیتے تو یوں میرا وقت بھی ضائع نہ ہوتا۔"

اس کے بولنے کی دیر تھی۔ فراز اپنی جگہ سے کھڑا ہوا۔

"اوہ۔ چیونٹی کے بھی پر نکل آئے، تمہارے خیال میں میرا قصور ہے اور تمہارا وقت ضائع کیا ہے؟ سبحان اللہ۔ ذرا بتانا پسند کرو گی کہ کون سی مملکت کی ملکہ ہو؟" وہ خونخوار نظروں سے دیکھتا ہوا اپنے لہجے کے شعلوں سے اسے جلا کر بھسم کرنے لگا۔

"تم نے مجھے دیا ہی کیا ہے؟ ایک دو وقت کی روٹی بنا کر دیتی ہو وہ بھی تمہیں اب وقت کا زیاں لگ رہا ہے۔

جانتی ہو میں یہ سمجھ نہیں پایا ہوں کہ آخر تم میرے کن گناہوں کی سزا ہو۔ بیوی تو ایسی ہونی چاہیئے ناں کہ جس کو دیکھ کر ہی دل خوش ہو جائے۔ جس کے قرب میں انسان خود کو بھی بھول جائے۔ جس سے دوری کے تصور سے ہی جان نکلتی محسوس ہو۔"

"اور ایک تم ہو جس کے تصور سے ہی دل بے زار ہو جاتا ہے۔ تمہاری شکل دیکھوں تو جی چاہتا ہے آنکھیں ہی پھوڑ لوں۔ مجھے تمہاری شکل سے نفرت ہے، تمہاری باتوں سے نفرت ہے۔ تم جو خوشبو لگاتی ہو وہ زہر لگتی ہے۔ میں نے ابھی تک تمہیں طلاق نہیں دی میرا احسان مانو ورنہ یقین مانو اولاد کی خواہش مجھے ہر روز ایسا کرنے پہ مجبور کرتی ہے۔ مجھے صرف میری ماں کی ناراضگی کا خیال ہے Otherwise میں کبھی تمہیں اپنی زندگی میں برداشت نہ کروں۔ اب جاؤ یہاں سے۔ ایویں سر پہ سوار کھڑی ہو۔"

بازو سے تھام کر اسے ایک طرف دھکا دے کر واپس صوفے پر بیٹھ گیا۔ ریموٹ سے ٹی وی کا آواز اونچا کرتے ہوئے بڑبڑا رہا تھا۔

فراز کے دھکیلنے سے وہ لڑکھڑائی ضرور تھی مگر گری نہیں۔ سر اٹھا کر مستحکم قدموں سے چلتی ہوئی واپس میز تک آئی اور کھانا اٹھا کر کچن میں واپس رکھ دیا۔ ہاتھ کام میں چل رہے تھے اور ذہن کہیں دور ایک چار دیواری میں گھوم رہا تھا۔ ابو کہا کرتے تھے۔

"میری نوال بڑی نصیبوں والی بیٹی ہے۔ جتنی خوبصورت اور نازک سی یہ ہے اس کو اتنا ہی پیار کرنے والا اچھا بر ملے گا۔ میرے اللہ نے نوال کو بہت پیار سے بنایا ہے۔ میری بیٹی بڑی صابر ہے۔ کبھی اس نے مجھ سے اس چیز کی ضد نہیں جو میں نہ دے سکتا ہوں۔ بڑا پیارا دل ہے۔"

کب چائے تیار ہوئی اس نے فراز کو دی کب سب برتن دھلے۔ کچن کی صفائی کی یہ بھی یاد نہ رہا اور ابھی کل ہی سارے کیبن صاف کیئے تھے۔

ابا کی طرف سے دھیان ہٹا تو آنے والے پیکٹ کی طرف چلا گیا۔ ضبط کی انتہا پہ پہنچ کر اس نے اپنے اندر سے اٹھنے والی چیخوں کا گلا گھونٹا۔ دو نیند کی گولیاں خالی پیٹ نگلیں اور لمحوں میں بے خبر ہو گئی۔

☆......☆......☆

"احمد ماموں، اٹھ جائیں ناں۔" اس دفعہ تانیہ نے اس کے بال پکڑ کر زور سے کھینچے تھے۔

"اُف اللہ۔تانی کی بچی کتنا زور ہے تمہاری ان موٹی بانہوں میں۔" مندی ہوئی آنکھیں کھولے بغیر کروٹ بدلی اور بال تانیہ کے ہاتھوں سے نکل کر پھر سے کمبل کے اندر چھپ گئے تھے۔

"ماما۔ایوری باڈی از ریڈی۔۔۔آپ ہمیں لیٹ کروا رہے ہو۔

تانیہ اور سعد دونوں پچھلے آدھے گھنٹے سے اس کے سر پہ سوار تھے مگر ابھی تک اسے جگانے میں ناکام ثابت ہوئے تھے۔

"او یار تو تم لوگ جاؤ ناں میں کوئی بچہ تھوڑی ہوں کہ Beach پر بیٹھ کر فانٹے کی کلفیاں کھاؤں۔" کمبل کے اندر سے برہم سی آواز آئی۔ سعد نے اپنا پورا زور لگا کر کمبل ایک دفعہ کھینچا اور اس دفعہ کمرے کے دوسری طرف پھینک دیا۔

"پہلے آپ ایسے ہی کہتے ہیں مگر بعد میں ہر دفعہ زیادہ کلفیاں بھی آپ ہی کھاتے ہو۔"

مرتا کیا نہ کرتا......وہ اٹھ کر بیٹھ گئے۔

"تم دونوں کی ماں کدھر ہے؟"

"وہ نیچے سامان گاڑی میں رکھ رہی ہیں۔"

"اور تم دونوں کو میرے پیچھے لگا دیتی ہے۔ابھی ٹائم دیکھا ہے۔صرف ساڑھے آٹھ ہی ہوئے ہیں۔اتنی صبح سڑکیں صاف کرنے جانا ہے؟"

"اگر آپ بھول رہے ہوں تو یاد کروا دوں پچھلی دفعہ آپ نے ہی کہا تھا کہ اگلی دفعہ گھر سے جلدی نکلیں گے تاکہ زیادہ ٹائم ملے گھومنے کے لئے۔"

احمد نے سعد کو گھورا۔"تمہیں سکول کا سبق تو یاد ہوتا نہیں میرے فرمان کو بڑا رٹا ہوا ہے۔"

دس سالہ سعد کافی برا منا گیا۔فوراً بدلہ لینے کا سوچا۔

"ویسے ماموں، نانو آپ کے لئے ایک بات بالکل سچ کہتی ہیں۔"

احمد نے اسے درمیان میں ہی ٹوک دیا۔"بس بس، آگے ایک لفظ بھی کہا نا تو اس کھڑکی سے باہر پھینک

دوں گا۔"

تانیہ مزید ہاتھ رکھ کر ہنسی۔"ماموں! آپ بھائی کو اٹھائیں گے کیسے یہ تو اتنا موٹا ہے۔"

احمد کا قہقہہ بھی جاندار تھا۔سعد نے تانیہ کو گھورا۔

"ٹھہر جاؤ چھپکلی۔میں بتاتا ہوں کون موٹا ہے۔"

وہ تانیہ کی طرف بڑھا اور تانیہ دوڑتی ہوئی احمد کی گود میں گھس گئی۔

"Mamu,savemeplease"

"خبردار اوئے۔میری پری کو ہاتھ بھی لگایا نا تو بھول جانا کہ ٹرپ پہ جاؤں گا۔"

سعد نے منہ بسورا۔"پاپا ٹھیک کہتے ہیں کہ اہمیت کیش کروانا تو کوئی تمہارے ماموں سے سیکھے۔آپ جانتے ہیں کہ جس ٹرپ پہ آپ ساتھ نہ ہوں مزہ نہیں آتا۔اسی لئے ایسے دھمکیاں دیتے ہیں۔اور تم چھپکلی گھر جانے کے بعد پوچھوں گا ادھر تو ماموں کی چمچی بنتی ہو۔"

"او جاؤ،جاؤ،تم اور تمہارا باپ دونوں ہم ماما بھانجی سے ہمیشہ سے جیلس ہو۔"

"میرے پاپا کس چکر میں آپ سے جیلس ہونے لگے۔جانتے ہیں کتنے بڑے ڈاکٹر ہیں؟"

"او جان دے کا کا۔جتنا بڑا بھی ڈاکٹر ہو ڈرتا تو میری بہن سے ہے۔"

"میرے پاپا بے چارے بھی کیا کریں،آپ کی بہن ہیں ہی بہت ڈرونی۔"

احمد کا قہقہہ بلندو بانگ تھا۔

"او گدھے وہ تیری ماں ہے۔اور دوسرا تو میرے سامنے میری بہن کو ڈرونی بول رہا ہے۔وہ ایک فرشتہ ہے۔

"ہاں وہ ابھی ادھر آتی ہیں تو لگ پتا جائے گا فرشتہ ہیں یا Devil......"

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔اب ڈراؤ تو مت بلکہ نکلوں دونوں یہاں سے۔میں دس منٹ میں تیار ہو کر آیا۔"

"ماموں،دس منٹ Means دس منٹ Right؟"تانیہ نے اپنی اماں کے انداز میں شیورٹی لی۔

"ہاں دادی جی جو آپ کہیں......"

دس منٹ بعد وعدے کے مطابق نیچے کچن میں بیٹھا ناشتہ کر رہا تھا۔فریحہ کچن میں داخل ہوئی جسے دیکھتے ہی وہ بولا۔

”فری،ڈرائیو تم کرو گی مجھ سے امید نہ رکھنا۔“

سعدیہ کو اعتراض ہوا۔

”پاگل ہوئے ہو وہ اس حالت میں گاڑی چلائے گی۔“

وہ سعدیہ کا اشارہ سمجھ گیا تھا مگر بالکل متاثر نہیں ہوا۔

”فری اپنی شیرنی ہے۔ایسی ویسی باتوں سے نہیں گھبراتی۔“ابا نے اپنی عینک کے اوپر سے دیکھا۔

”بیٹی میری تو شیرنی ہے اور سعدیہ کا بیٹا گیدڑ۔“

کچن میں قہقہے گونجے۔

”ItissonotFairAba۔

ساری عوام کے سامنے اپنے بیٹے کی تعریف یوں نہیں کرے نظر لگ جاتی ہے۔“

بھلا وہ شرمندہ ہونے والوں میں سے کب تھا۔بڑے آرام سے ابا کو مشورہ دیا۔

”فکر نہ کرو بھائی۔تمہیں لگنے سے پہلے نظر بھی کوئی دس دفعہ سوچے گی کسے لگ رہی ہوں۔“فریحہ نے اپنا حصہ ڈالا۔سیریل کے باؤل سے سر اٹھا کر بہن کو اک نظر گھورا۔

”وری فنی،اور ہاں اپنے بچوں کی فرمائش پوری کرنے کے لئے ڈھیر سے پیسے بھی ساتھ رکھ لینا۔میں ایک پینی نہیں خرچنے والا۔“

”میں تمہاری ان دھمکیوں کی عادی ہوں۔کوئی نئی بات ہے تو کرو۔ورنہ چُپ کر کے ناشتہ کرلو۔“

”ہر وقت حکم دے دیکر تھکتی نہیں ہو۔“

”تم ہر وقت فضول کی بحث کر کے تھکتے ہو؟میں بھی تمہاری ہی بہن ہوں۔“

”ہاں کاش میرے جتنی سمجھدار لائق بھی ہوتیں۔“

”اب تم مجھ سے دو ہاتھ کھا نہ لینا۔“

”وہ بس تمہارا شوہر ہی ہے۔ جو تمہارے ہاتھوں مار کھا لیتا ہے۔ میں مار کھانے والا مرد نہیں ہوں۔“

”ماں صدقے جائے میرا لڈو۔۔۔ بیٹا کل کو تو بہت بڑا زن مرید ثابت ہونے والا ہے۔ اور تمہاری معلومات کے لیے بتا دوں۔ میرا شوہر انتہائی شریف انسان ہے۔ جس پہ ہاتھ اُٹھانے کا میں سوچ بھی نہیں سکتی۔ “

”بس ہر بیوی اسی چکر میں ماری جاتی ہے۔ میرا شوہر بڑا شریف انسان ہے۔ چاہے وہ اندر سے ہکا حرامی ہو۔“

”امی آپ اس زن مرید کو منع کر لیں۔ میرے میاں کے لیے ایسی بے ہودہ زبان کا استعمال نہ ہی کرے۔ ورنہ میرے ہاتھوں پٹے گا۔“

”تم دونوں یہ کیوں نہیں سمجھتے کہ اب تم لوگ چھوٹے بچے نہیں رہے ہو۔ اسلیے اب بچوں کی طرح لڑنا بھی چھوڑ دو۔۔

اگلے آدھے گھنٹے میں وہ لوگ گاڑی میں سوار روڈ پہ تھے جو کہ آبادی سے نکلنے کے بعد موٹر وے پہ منزل کی طرف رواں دواں تھی۔ فریحہ گاڑی چلا رہی تھی۔ احمد اس کے برابر میں اونگے بونگے انداز میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس سے پیچھے ابا اور سعد جبکہ اماں اور تانیہ سب سے پچھلی سیٹ پر موجود تھیں۔ بچے سارا وقت Beach پہ گزارنے کے لئے بڑے پر جوش تھے۔

☆......☆......☆

”لیلیٰ......یعنی کہ حد کرتی ہو۔ میں اپنے دس کام چھوڑ کر آیا ہوں کہ نجانے کیا ایمر جنسی ہے۔“ حدید تیار ہوا کھڑا تھا۔

”زیادہ ڈائیلا گز مارنے کی ضرورت نہیں ہے۔ پچھلے ہفتے دیکھا تھا تمہیں میں نے اس نئی لڑکی کے ساتھ گھومتے ہوئے بڑا آیا مصروف کہیں کا۔“ لیلیٰ نے متاثر ہوئے بغیر ڈانٹ دیا۔

”ہاں تو میں بھی انسان ہوں، میرا بھی حق بنتا ہے سوہنی سوہنی پریوں کے ساتھ گھومنے کا۔ تم کیا سمجھتی ہو، یہ عیاشی صرف تمہارا میاں ہی کر سکتا ہے۔“

”توبہ، استغفار۔ میرے معصوم شوہر کو خود سے نہ ملاؤ۔“

”ہاں ویسے ٹھیک کہہ رہی ہو۔ میں تو ایک معیار رکھتا ہوں۔“

لیلیٰ نے دو چار دھمو کے جڑ دیئے۔

”کمینے، میں اس کی بیوی ہوں یہ کوئی عام بات ہے۔“

”نہیں۔ میں نے کب یہ کہا میں مانتا ہوں

“ He is a dam Lucky Fela

لیلیٰ کے چہرے پہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

”ہاں، وہ تو وہ ہے۔ اچھا اب جلدی چلو ورنہ میں لیٹ ہو جاؤں گی۔“

”یار۔ تم اپنے شوہر کے ساتھ کیوں نہیں جاتی۔ وہ الّو کا پٹھا آخر کس مرض کی دوا ہے؟“

”حدید کمینے۔ کچھ تو شرم لحاظ کر لیا کر تو میری جان کو میرے سامنے گالیاں دیتا ہے۔ کسی دن میرے ہی ہاتھوں مرے گا۔ تم جانتے ہو وہ کتنا مصروف ہوتا ہے۔ کتنی ٹف جاب ہے اس کی اور بغیر وجہ کے چھٹی تو ملتی ہی نہیں۔ ویسے بھی ہم لوگ لونک ویک اینڈ پلان کر رہے ہیں۔“

”واہ صدقے جاؤں۔ ذی کی جاب سخت ہے تو میری بڑی آسان ہے؟

ہاں میں مانتی ہوں تمہارا کام زیادہ ڈیمانڈنگ ہے پر یہ بھی تو دیکھو ناں کتنی موج ہے۔ جب چاہے ٹائم نکال کر آسکتے ہو۔ ذی ایسا نہیں کر سکتے۔“

حدید نے تاسف سے سر ہلاتے ہوئے ٹریفک سگنل سبز ہونے پہ گاڑی آگے بڑھائی۔

”تمہارے جیسی بیویاں ہی پہلے شوہروں کو سر پہ چڑھاتی ہیں اور پھر خود سر پکڑ کر روتی ہیں۔ آخر تم اسے کہتی کیوں نہیں ہو کہ اب تمہیں زیادہ ٹائم دیا کرے۔ اس کے ایک بیٹے کی ماں ہو۔ دوسرے کی آمد آمد ہے۔ کچھ تو اپنا رعب بناؤ۔“

لیلیٰ نے اپنی سیٹ پہ پہلو بدلا۔

”یعنی تمہارے کہنے کا مطلب ہے کہ نوکری چھڑوا کر اسے گھر بٹھا لوں تو پھر ہمارے خرچ کیا تم اٹھاؤ

گے؟“

”نہیں۔ میں اتنا بھی اچھا نہیں ہوں۔“

”تو پھر اپنے فضول کے مشورے بھی اپنے پاس رکھو۔“

حدید نے کندھے اچکائے۔ فیر ائینف۔“

☆......☆......☆

آج وہ تھوڑی لیٹ ہو گئی تھی اس لئے جونہی سینٹر کے دروازے سے اندر داخل ہوئی سامنے محمد نظر آیا جو دروازے کی ہی جانب متوجہ تھا۔

”آج تو بڑی جلدی آ گئی ہیں؟“

”کیوں۔ تمہیں کوئی کام تھا؟“

تیزی سے اپنی کلاس کی جانب جاتی ہوئی پوچھ رہی تھی۔ محمد بھی اس کے ہم قدم ہی تھا۔

”نہیں۔ مجھے تو کوئی کام نہیں ہاں البتہ سر قاضی آپ کو ڈھونڈتے پھر رہے ہیں۔“

بات کرنے کے دوران ہی وہ اس کا راستہ روک کر سامنے کھڑا ہو گیا۔

”اتنا دوڑ کیوں رہی ہیں۔ یہ کون سا پرائمری کی کلاس ہے یا آپ یونی میں لیکچر کو لیٹ ہو رہی ہیں اور آپ کے دو چار سٹوڈنٹ جو ہیں آپ کی غیر موجودگی کو محسوس کر کے تتر بتر ہو چکے ہیں اس لئے سپیڈ بریکر لیں اور یہ پکڑیں مزے لیں۔ مینگو شیک ہے سپیشل گھر سے بنا کر لایا ہوں۔“

نوال کے ہاتھ میں پلاسٹک کا ڈسپوزبل بڑا سا گلاس جس کے اوپر ڈھکن چڑھا ہوا تھا۔

نوال نے ایک لمحہ کو بھی تکلف نہ برتا فوراً شیک پکڑ کر ایک بڑا سا گھونٹ بھرا۔ ”ممم۔ یمی......“

وہ آدھا گلاس دو گھونٹ میں خالی کر گئی۔ پھر محمد کی حیرت بھانپتے ہوئے جھینپ کر رکی۔

”وہ اصل میں تقریباً بھاگتی ہوئی آئی ہوں اس لئے پیاس بہت لگی ہوئی تھی۔ بائے دا وے تھینک یو، تو میں نہیں ادا کرنے والی۔۔“

ابھی پرسوں میں نے آپ کو مٹن کڑائی کھلائی تھی اور آپ نے جھوٹے منہ بھی شکریہ ادا نہیں کیا تھا۔“

”وہ تو خیر تم رہنے ہی دو، کبھی امریکہ بھی تمہارے نام کردوں تم نے تب بھی احسان نہیں ماننا۔ بائے داوے تمہاری منگیتر بڑی خوش ہے۔ رات میری اس کے ساتھ لمبی گپ شپ لگی تھی۔ اور جو گفٹس تم نے اسے بھیجے تھے اسے وہ بہت زیادہ پسند آئے ہیں۔“

”ہاں تو کیا نہیں پسند آنے تھے۔ اونٹسلی یار میں ادھر دو گفٹس دے کر ہی اجڑ گیا ہوں۔ کل کو شادی، ہر سالگرہ، ہر عید اور نہ جانے اور بھی کیا کیا رسومات میں گفٹس ہی دینے پڑیں گے۔ سوچ رہا ہوں آخر ضرورت ہی کیا ہے ایسے کھڑاک پالنے کی۔“

نوال نے ہنستے ہوئے اسے بازو پہ دھپ رسید کی۔

”پورے ڈرامے باز ہو۔“

دونوں آگے پیچھے ہال میں داخل ہوئے۔ سارے ہال کو متلاشی نظروں سے دیکھتے ہوئے آخر اسے قاضی صاحب نظر آ ہی گئے جو کہ اپنے کچھ دوستوں کے ساتھ باتوں میں مصروف تھے۔ محمد بعد میں ملنے کا کہہ کر دوسری طرف موجود لڑکیوں کے گروپ کی جانب بڑھ گیا۔ نوال قاضی صاحب کی طرف آئی۔

”السلام علیکم قاضی انکل۔“

”ارے ہاں۔ تم آ گئیں، وعلیکم السلام۔ آؤ بیٹھو، آج لیٹ آئی ہو۔“

”ہاں۔ دراصل دوپہر میں آنکھ لگ گئی تھی اور ٹائم سے جاگ نہیں پائی اس لئے، آپ سنایئے محمد کہہ رہا تھا کہ آپ مجھے ڈھونڈ رہے تھے۔ ڈونٹ ٹیل می کہ کوئی جائیداد وغیرہ میرے نام کرنے کا پروگرام ہے۔“

قاضی صاحب کے علاوہ ان کے دوست بھی خوب ہنسے تھے۔

”ہم نے تو اپنا دل تمہارے نام کر دیا ہوا ہے۔ پیاری بیٹی تم جائیداد کی بات کرتی ہو۔“

”ہاؤ سویٹ قاضی انکل۔ بتایئے کیا کام تھا۔“ وہ ان کے برابر خالی پڑی کرسی پر بیٹھ گئی۔

”ایک فیور چاہیے۔“

”حکم کریں سر۔“

”وہ مجھے برٹش ایشنز ایوارڈ شو کی طرف سے انویٹیشن آیا ہوا ہے اور میں وہاں تمہارے ساتھ شرکت کرنا

چاہتا ہوں۔"

نوال کو حیرت کا جھٹکا لگا۔

وَ "Omgsir,areyouseriouse"

قاضی صاحب دھیرے سے مسکرائے۔

" Yesiam"

"میرے لئے تو یہ بڑے اعزاز کی بات ہو گی سر۔ضرور جاؤں گی۔میری طرف سے ہاں ہے۔"اس نے مسکراتے ہوئے خوش دلی سے کہا اور ویسے بھی آج کل تو جیسے اس کے ہاتھ کوئی قارون کا خزانہ لگا ہوا تھا کہ وہ ہر وقت بڑی خوش نظر آتی تھی کیونکہ پہلی دفعہ اپنی زندگی میں حقیقی طور پر بڑی خوش تھی۔دنیا ہی نئی لگتی تھی۔

"تو پھر ٹھیک ہے۔میں ابھی ٹرین کے ٹکٹ بک کروا لیتا ہوں۔کل ہم دس گیارہ بجے یہاں سے نکلیں گے۔"

"نہیں۔ابھی ٹکٹ نہ کروائیں پہلے مجھے اپنے میاں سے پوچھ لینے دیں۔کہیں انہیں اعتراض نہ ہو۔"

تب ہی محمد وہاں آیا۔

"کیا پوچھنا ہے؟"سوال محمد کی طرف سے تھا۔"اور کس سے؟"

"whatGuess،میں قاضی انکل کی لیڈی آف ایوننگ بن رہی ہوں۔"

اس نے محمد کو پوری بات بتائی تو اس کا منہ لٹک گیا۔اب وہ قاضی صاحب سے مخاطب تھا۔

تو آپ اس لئے صبح سے ان کو ڈھونڈ رہے تھے۔او یار ایک دفعہ وجہ تو بتائی ہوتی میں فوراً سے وگ اور میک اپ کر کے حاضر ہو جاتا۔"

نوال کی ہنسی بے اختیار تھی۔ہنسی کے درمیان بولی۔

"قاضی انکل،ویسے چھ فٹ کی داڑھی والی عورت آپ کے ساتھ کیا خوب جچتی۔اس کے دو قدم آپ کے دس قدموں کے برابر ہونے تھے۔"

اس کی بات درمیان میں سے محمد نے اچک لی۔"اور تنگ آ کر میں نے انہیں گود میں ہی اٹھا لینا تھا کہ اتنی

آہستہ چلتے ہیں میرے ساتھ تو آپ کبھی بھی نہیں چل سکتے۔ اچھا کیا جو اپنے جیسی سست کو ہی اپنے ساتھ لے جانے کے لئے منتخب کیا۔"

نوال نے گھورا پھر بولی۔ "قاضی انکل۔ اصل میں یہ الفاظ اس کی اندر کی جیلسی کو شو کر رہے ہیں۔ اب اس نے اپنی ساری زندگی سوائے کھانے اور سونے کے اور کوئی کام کیا ہوتا تو آج یہ بھی ادھر انوائٹ ہوتا۔"

نوال نے بدلہ پورا پورا اتارا۔ محمد کا قہقہہ جاندار تھا۔

"میری ماں مجھے روز ایوارڈ دیتی ہیں کہ میں ان کا کتنا ہونہار بیٹا ہوں۔ پر جیلس اس بات سے ہوں کہ اتنی خوبصورت لڑکی کاش میرے ساتھ ایسے کسی شو پہ جا رہی ہوتی بجائے قاضی صاحب کے ساتھ جانے کے۔ اب تو آپ خوش ہو جائیں آخر میں نے آپ کی تعریف کی ہے۔"

نوال نے روشن چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا تھا جو کہ محمد کے بیگ کی باہری جیب میں لٹکنے والی چاکلیٹ کھول کر ایک بائٹ لے چکی تھی۔ لاپرواہی سے ہوا میں ہاتھ ہلاتی بولی۔

"میں اور قاضی انکل ہیں ہی خوبصورت تم اپنی تعریف اپنے پاس رکھو۔ کیوں قاضی انکل؟"

"ہاں بھئی اس میں کیا شک ہے۔ خوبصورتی بھلا کب تعریف کی محتاج ہوتی ہے۔"

"واہ بڑے آئے فلاسفی کہیں کے۔" محمد نے قاضی صاحب کی بات ہوا میں اڑائی۔ "اور آپ چل رہی ہیں میرے ساتھ زبردست لنچ مارنے؟"

نوال کی نظر بے اختیار ہال کی دیوار پر لگے کلاک کی طرف گئی۔

"ارے ساڑھے گیارہ ہو بھی گئے مگر تم اتنی جلدی کیوں لنچ کر رہے ہو؟ اچھا قاضی انکل میں آپ کو ٹیکسٹ کر دوں گی۔ ویسے آپ بھی چلیں ہمارے ساتھ لنچ پہ۔"

"جی نہیں۔ یہ ہمارے ساتھ بالکل نہیں آ سکتے کیونکہ میں ایک خوبصورت انسان کی کمپنی میں تو کھانا کھا سکتا ہوں دو خوبصورت لوگ میرے ساتھ ہوئے تو ایک نوالہ تک حلق سے نہیں اترے گا۔" وہ اس کا بازو پکڑ کر کھینچتا ہوا ہال سے باہر لے گیا۔

"کیا جنگلی پن ہے یہ۔ اور قاضی انکل کے ساتھ کس طرح سے بات کر کے آئے ہو محمد۔ تم تو بہت برے ہو

بھئی۔'' اپنا ہاتھ چھڑوا کر وہ گھورتے ہوئے سب کہہ گئی۔

''آپ مجھے ایک بات بتائیں میری دوست ہیں کہ ان بوڑھے قاضی کی؟''

''ہا...... یہ کیا فضول سوال ہے؟''

''آپ بھول رہی ہیں کہ آپ کی وجہ سے شمیم نے میرے ساتھ ویڈیو چیٹ بند کی ہے اور اب تو ویسے بھی بہت کم بات کرتی ہے۔ایک ہی تو لڑکی تھی یار میری زندگی میں، آپ نے اسے بھی مجھ سے دور کر دیا۔اب اگر آپ چاہتی ہیں کہ میں آپ کے اور دوستوں کو بھی ڈنر یا لنچ پر برداشت کروں گا تو ایم سوری۔ایسا نہیں ہونے والا۔اور چلیں نکلیں یہاں سے جس جگہ پہ ہم جا رہے ہیں تقریباً تیس پینتالیس منٹ لگیں گے وہاں جانے یں۔ دوست کی گاڑی مانگ کر لایا ہوں۔''

آج بھی اس نے گھسی سی جینز کے اوپر ہاف سلیوز شرٹ پہنی ہوئی تھی۔لائٹ براؤن آنکھیں موٹے عدسوں کے پیچھے چھپی ہوئی تھیں اور سر پہ ہمیشہ موجود رہنے والی ٹوپی آج بھی الٹی کر کے پہنے ہوئی تھی۔نوال نے اس کا سر سے پیر تک جائزہ لیا۔

''اب ایسے کیا دیکھ رہی ہیں؟''

''تم نے ہر روز یہی ایک ٹوپی پہنی ہوتی ہے۔کوئی اور نہیں ہے؟''

''کیوں؟

اگر آپ مجھے گفٹ کر دیں تو پھر دو ہوں گی، بدل کر پہن لیا کروں گا۔ پر میک شیور کیجئے گا کہ ٹوپی کالی ہو گہری نیلی ہو۔''

نوال نے منہ بنا کر اسے دیکھا پھر چلنے لگی رخ باہر کی جانب تھا۔

''چلو کوئی نہیں آخر تم آج لنچ کروا رہے ہو۔جواب میں تھینک یو کے طور پہ میں تمہیں کیپ خرید دوں گی۔''

''مجھے افسوس ہے آج کی تاریخ میں ایسا ممکن نہیں ہونے والا۔''

اپنی گاڑی کا لاک کھولتے ہوئے وہ بولا تو نوال نے تعجب سے پوچھا۔

''کیا مطلب ہے۔کیا ابھی ہم لنچ کے لئے نہیں جا رہے؟''

”جارہے ہیں مگر یہ لنچ میری طرف سے نہیں آپ کی طرف سے ہے۔“

”اچھا تو بھلا کب میں نے تمہیں انوائٹ کیا تھا اور مجھے کیوں یاد نہیں؟“ نوال نے گھورتے ہوئے پوچھا۔

”جب میں آج صبح اٹھا تھا میرے دماغ میں یہ خیال آیا تھا کہ جس جگہ کے بارے میں کل سنا ہے کہ بڑا اچھا کھانا ہے ادھر وہاں آپ مجھے لنچ پہ لے کر جا رہی ہیں۔ اس وقت میں آپ کو بتانا بھول گیا تھا۔“

”واہ کیا کہنے تم جیسے سخی کے......اور اگر میں غلط نہیں ہوں تو یہ گاڑی تو قاضی انکل کی نہیں؟“

”ہاں۔ میں نے کب کہا میری ہے بتایا تو تھا کہ دوست کی مانگی ہے۔“

”غالباً اسی دوست کی ابھی اندر انسلٹ کر کے آ رہے ہو۔“ نوال بھی اس کے برابر میں قاضی صاحب کی مرسیڈیز میں بیٹھ گئی۔

”یار۔ اگر اگلا بندہ اپنی انسلٹ فیل کرتا ہے تو پکا ہے وہ آپ کا دوست نہیں اور اگر دوست ہے تو کہاں کی انسلٹ کیسی انسلٹ۔ وہ تو صرف شغل تھا۔“

”تمہاری ہر تھیوری بس اپنے مطلب کی ہوتی ہے۔ بائے داوے اگلی دفعہ میں تمہیں لنچ وغیرہ پہ انوائٹ کروں تو مجھے اسی وقت بتا دیا کرنا تا کہ میں تم جیسے پیٹو کے لحاظ سے رقم لے کر نکلوں۔“

”کوئی حال نہیں بس غربت آنے کی دیر ہے دوست دشمن کھل کر سامنے آ جاتے ہیں۔ قیامت کی نشانیاں ہیں۔“

اس نے اسی رات فراز سے قاضی انکل کے ساتھ جانے کے بارے میں بات کی تھی۔ جواب میں فراز نے اپنی مرضی کرو کہہ کر بات ختم کر دی مگر نوال نے اسی وقت قاضی انکل کے نمبر پہ میسج کر کے ہاں میں جواب دے دیا۔ دوسرے دن انہوں نے نوال کو ساڑھے دس بجے اس کے گھر سے پک کیا تھا۔ ٹیکسی کے ذریعے وہ لوگ ٹرین سٹیشن پہنچے تھے۔

فنکشن مانچسٹر کے ایک ہوٹل میں رات کے سات بجے شروع ہونا تھا۔ وہ لوگ وقت سے بہت پہلے مانچسٹر پہنچ گئے تھے۔ قاضی انکل نے پہلے سے ہوٹل میں دو کمرے بک کروائے ہوئے تھے۔ جاتے ہی وہ خود تو آرام کرنے کی نیت سے اپنے کمرے میں چلے گئے مگر نوال کو بالکل بھی تھکاوٹ محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ وہ اپنا بیگ

کمرے میں رکھ کر یونہی چہل قدمی کرتی ہوٹل سے ملحقہ علاقے میں گھومنے لگی اور اگلے تین گھنٹے یونہی مٹر گشت کرتے گزارے۔ جب واپس ہوٹل پہنچی تو قاضی انکل کو ایک دم سے تیار لابی میں ہی موجود پایا۔

''ارے واہ۔ آپ تو بڑے ہینڈسم لگ رہے ہیں سر۔''

تھینک یو مائی لیڈی۔ اب تم بھی جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ آدھے گھنٹے میں گاڑی اِدھر ہوگی۔''

''جو حکم۔ میں ابھی گئی اور یوں سے تیار ہو کر آئی۔''

لفٹ سے اوپر آئی کمرے میں پہنچ کر پہلے اپنے کپڑے نکال کر ٹھیک کر کے رکھے پھر شاور لینے کے بعد تیار ہوئی۔ سوتیا رنگ کی نیٹ کی لانگ فراک پہ تھوڑا تھوڑا گلے اور بازوؤں پر موتیوں کا کام ہوا تھا۔ یہ رنگ اس نے رات کا فنکشن ہونے کی وجہ سے منتخب کیا تھا۔ جوڑے کے ساتھ میچکر کے جوتے اور جیولری ہلکا ہلکا میک اپ، البتہ لپ اسٹک اپنے فیورٹ ڈیپ سرخ رنگ کی ہی لگائی۔ ہوٹل کی ہی گاڑی انہیں مطلوبہ جگہ چھوڑ آئی تھی۔

جو ٹیبل انہیں ملی تھی وہ سٹیج سے چند فٹ دور کی تھی۔ قاضی صاحب کے ساتھ والی کرسی پہ بیٹھی وہ پوری طرح سے فنکشن انجوائے کر رہی تھی۔ جب شور کے درمیان وہ غیر معمولی سی حرکت نوٹ کرتے ہوئے چونکی۔ اس کے میز سے تیسرے میز پہ نوجوان لڑکوں کا ٹولا بیٹھا تھا۔ اسی ٹیبل پہ موجود ایک شخص کی حرکت پہ چونکی تھی۔ لوکل گروپ ڈھول پہ بھنگڑا ڈال رہا تھا اور انہوں نے سارے لوگوں کی توجہ کھینچی ہوئی تھی۔ نوال بھی ان لوگوں کو دیکھتے ہوئے بے اختیار ہاتھ اونچا کر کے تالیاں بجا رہی تھی۔ اسی دوران تیسرے ٹیبل پہ فلیش لائٹ آن ہوئی تھی۔ نوال کی نظر یونہی اس طرف گئی مگر وہ آدمی ابھی بھی اپنا فون اسی سمت میں اٹھائے مسکراتا ہوا یا تو تصویر لے رہا تھا یا ویڈیو۔ کچھ دیر اسے لگی یہ طے کرنے میں کہ آیا وہ واقعی اسی کی طرف دیکھ رہا تھا یا کہ صرف اسے غلط فہمی ہوئی تھی۔ فون اوپر اٹھائے یونہی بیٹھا رہا۔ اس کی توجہ سٹیج پہ ہونے والے ہنگامے کی طرف بالکل نہیں تھی۔ اس کی توجہ نوال کی جانب تھی۔ اس کا یقین اسے تب ہو گیا جب اپنے فون کی سکرین سے ایک دم نظر اٹھا کر اس نے بڑی سنجیدہ نظروں سے نوال کی جانب دیکھا اور دھیرے سے مسکرا دیا۔ پہلے تو اسے یقین ہی نہیں آیا مگر پھر شدید ترین طیش آیا۔ جی چاہا ابھی جا کر کمینے کے منہ پہ چار لگائے اور فون توڑ آئے۔ ضبط بھی نہ کر پائی تو قاضی انکل سے ریسٹ روم کا بول کر وہاں سے اٹھ آئی۔ تھوڑی دیر لگی اسے یہاں وہاں گھوم کر اپنا غصہ کم کرنے میں، جب وہ

واپس اپنی جگہ پہ آ کر بیٹھی تو سٹیج پہ ہوسٹ بدل چکا تھا۔ پہلے آنے والی خوبصورت سی لڑکی کی جگہ اس وقت وہی شخص موجود تھا جس کی وجہ سے نوال غصے میں آئی تھی۔

اس کے ہوسٹ کرنے کا انداز پراعتماد، پروفیشنل ہونے کے ساتھ ساتھ پُر مزاح بھی تھا۔ ہال میں تھوڑی تھوڑی دیر بعد ہنسی گونجتی مگر نوال اسے گہری ناپسندیدگی کی نظروں سے گھورتی رہی بلکہ ذہن میں مسلسل یہ منصوبے بناتی رہی کہ شو ختم ہونے سے پہلے کسی طرح اس آدمی کے فون تک رسائی حاصل کرنی ہے۔

''ہمارا اگلا ایوارڈ ایک بہت ہی جانی مانی ہستی کے لئے ہے جو کہ ان کو ان کی اُن خدمات کے صلے میں دیا جا رہا ہے جو انہوں نے پچھلے چالیس سال اپنی کمیونٹی کے لئے پیش کی ہیں۔ نہ صرف یہ کہ انہوں نے بہت اچھا بزنس مین بن کر دکھایا بلکہ کمیونٹی میں چھوٹے بزنس مینز کو گرو کرنے میں آج مدد کر رہے ہیں۔ آپ سب کی تالیوں میں دعوت عام دوں گا محترم جناب قاضی فیاض الٰہی صاحب کہ وہ تشریف لا کر اپنا لائف ٹائم اچیومنٹ ایوارڈ حاصل کریں۔ جناب قاضی فیاض الٰہی صاحب۔''

بڑے شائستہ لہجے میں اردو بولتا ہو جنہیں بلا رہا تھا وہ کوئی اور نہیں اپنے قاضی صاحب ہیں۔ وہ تب سمجھی جب انہوں نے کھڑے ہو کر اسے ساتھ آنے کو بولا مگر اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے انہیں گلے لگ کر مبارک باد دی۔

قاضی صاحب سٹیج کی طرف گئے اور وہ اپنی جگہ کھڑی ہی تالیاں بجا کر داد دیتی رہی۔ ہوسٹ چل کر سیڑھیوں کے قریب قاضی صاحب کو ریسیو کرنے آیا تھا۔ قاضی صاحب نے اس کے کندھے پہ ایک ہاتھ مارا تھا جس پہ اس کا فلک شگاف قہقہہ بلند ہوا تھا۔ تب یہ سارا منظر دیکھ کر وہ دوبارہ سے چونکی تھی جب وہ واپس مڑا تو اس کا فریم ہو بہو محمد جیسا تھا۔ کندھوں کی چوڑائی، قد گردن کی اکڑ سب جانی پہچانی لگی مگر وہ محمد نہیں تھا۔ اس کا ثبوت اس کے شیمپو کیے جدید ترین کٹ اور سٹائل میں سیٹ کیے ہوئے سر کے بال تھے۔ دوسرا ثبوت کالا ٹکسیڈو اور پراعتماد شخصیت اور سب سے بڑا ثبوت فر فر کرتا اردو بولتا جس کے لہجے میں بھی برٹش ایکسنٹ نہیں تھا جھانک رہا اور کہاں بے چارہ محمد جس کی ٹوٹی پھوٹی اردو بھی انگریزی لہجے سے بھرپور ہوتی تھی۔ محمد کی اردو یاد آتے ہی نوال کے لبوں پہ مسکراہٹ دوڑ گئی۔ کیا عجیب اللہ کی مخلوق تھی۔ اس نے اپنی سیٹ پر بیٹھ کر پاؤچ میں سے اپنا

موبائل نکال کر سٹیج کی تصویر کی اور محمد کو واٹس ایپ کے ساتھ ہی بتایا۔

''مجھے تم ابھی یاد آئے فوراً میسج کیا ہے۔''

دو چار منٹ بعد ہی جواب آیا تھا۔

''میں اپنی جان شمیم سے بات کر رہا ہوں لہٰذا بے وفا لوگ مجھے ڈسٹرب نہ کریں۔''

''بے وفا کے بچے آئی نیڈ یور ہیلپ۔''

اب کی بار فوراً جواب آیا۔

''اگر پرسوں والے لنچ کے پیسے مانگنے ہیں تو یہ نمبر بند ہے اور میں ابھی تک غریب کا غریب ہوں۔''

قاضی صاحب واپس اپنی جگہ پہ آ گئے تھے اور اس وقت ایک سنگر سٹیج پر موجود تھی۔

''تم کبھی کھانے اور پیسے سے باہر نکل سکتے ہو۔'' مسلسل مسکراتے ہوئے اس کی انگلیاں سکرین پہ کھیل رہی تھی۔ جواب پھر فوراً آیا۔

''غریب لوگ صرف دو ہی چیزیں سوچتے ہیں۔ خالی پیٹ، خالی جیب۔ خیر یہ ثابت ہو گیا آپ کو پیسے نہیں چاہئیں تو پھر کیا مدد درکار ہے وہ بھی دوسرے شہر میں موجود ہو کر۔''

وہ ایک دفعہ پھر سنجیدہ ہو گئی۔

''اگر سنجیدہ ہو تو میں کچھ کہوں۔''

''جی کہیے۔''

نوال نے اپنا مسئلہ رکھ دیا۔

''مجھے شک ہوا ہے کہ ایک شخص نے اپنے فون میں میری تصویر لی ہے۔ اب بتاؤ مجھے کیا کرنا چاہئے۔''

دوسرے ہی لمحے جواب آیا۔ ''سیدھی رکھ کر گولی ماریں۔''

''دیکھا تم کبھی سنجیدہ نہیں ہو سکتے۔''

''یار آپ کو یقین ہے کہ ایسا کچھ ہوا ہے؟ آئی مین ایویں ہی شک بھی تو ہو سکتا ہے۔''

''مجھے پورا یقین ہے کہ اس نے تصویر لی ہے۔''

اب کی بار محمد نے مشورہ دیا۔ ''سیدھا اس کے پاس جائیں اور اپنے شک کا اظہار کر دیں۔ اگر وہ ڈرے تو پکا جھوٹا ہے، فون دیکھ لیں بات ختم۔ اور اگر پولیس کو فون کر لیں تو اور زیادہ زبردست کل کی خبریں بڑی رنگین آئیں گی۔''

''تم ناجا کر اپنی شمیم کو ہی انٹرٹین کرو میں خود ہی کچھ سوچتی ہوں۔'' اس نے غصے سے فون بند کر کے رکھ دیا۔

''اب ہم جسے دعوت دے رہیں وہ کچھ سال پہلے اسی پلیٹ فارم پہ آ چکے ہیں۔ ینگ ایشین فوٹوگرافر آف دی ائیر کا اعزاز حاصل کرنے مگر آج وہ اپنے پروفیشن کی وجہ سے آئیں گے۔ پچھلے چھ سال سے گارڈین کے انوسٹی گیٹر رپورٹر کی جاب کرنے والے اپنے اس نوجوان کو دیکھ کر دل کو انتہائی خوشی ہوتی ہے۔ فوٹوگرافی، صحافت کے ساتھ ساتھ میڈیا میں بھی نظر آتے رہتے ہیں۔ آپ سب کی بھرپور پذیرائی میں مسٹر A-H-M''

ہال تالیوں سے گونجا تھا اور جو آدمی آیا تھا وہ کوئی اور نہیں کچھ دیر پہلے والا ہوسٹ ہی تھا۔ ایوارڈ دینے کے بعد اسے مائیک پر بلایا گیا۔ اس نے انگریزی میں بولنا شروع کیا کیونکہ ہوسٹ اس سے پوچھ رہی تھی کہ A-H-M پہلی دفعہ تم بہت چھوٹے تھے ابھی دوبارہ ادھر کھڑے ہونا کیسا لگ رہا ہے۔''

''میں ابھی بھی اتنا بڑا نہیں ہوا ہوں۔ خیر آج تو بہت زیادہ خوش ہوں۔ اس لئے نہیں کہ یہ ایوارڈ جیتا ہے بلکہ اس لئے کہ یہ مجھے اس کی موجودگی میں اس کے سامنے ملا ہے اس لئے یہ اسپیشل ہے۔ یہ ایوارڈ بھی میں اسے ہی ڈیڈیکیٹ کرتا ہوں۔ بے بی یہ مجھے ہمیشہ تمہاری یاد دلوائے گا۔ تھینک یو۔''

''اتنی جلدی کیسے تھینک یو۔ آہم آہم کیا بتانا پسند کرو گے کہ وہ اہم ہستی آخر ہے کون۔ بڑے لوگوں کو تجسس ہے آج ختم کر ہی دو۔'' ہوسٹ نے اسے گھیرا تھا۔ جواب میں A-H-M بڑی دلکشی سے ہنسا۔

''میں کسی کا دل توڑنے جیسا گناہ نہیں کر سکتا اس لئے اس بات کو پس پردہ ہی رہنے دیں۔'' مختصر سا بول کر وہ سٹیج سے غائب ہو گیا۔

قاضی صاحب اپنے سب جاننے والوں سے اس کا تعارف بیٹی کی حیثیت سے کروا رہے تھے۔ ان کی اس ادا پہ نوال کی آنکھوں میں نمی آ گئی۔ تب ہی ایک فوٹوگرافر ان کے گروپ کے پاس آیا تھا۔ فنکشن اختتام پذیر ہو چکا تھا اب لوگ یونہی ٹولیوں کی شکل میں باتیں کرتے نظر آ رہے تھے۔ ایک دفعہ پھر سے ایوارڈ جیتنے والوں کی

تصویریں ان کی فیملی اور دوستوں کے ساتھ بنائی جا رہی تھیں۔نوال نے A-H-M کو باہر بالکونی کی طرف جاتے دیکھا تو قاضی انکل کو مصروف دیکھ کر موقعے کا فائدہ اٹھاتی ادھر کو آ گئی۔

بالکونی پر اتنی روشنی نہیں تھی اور لوگ بھی چند ایک ہی تھے۔جن میں سے دونوں سامنے گرل کے پاس کھڑے باتیں کرتے نظر آئے۔نوال نے ایک دفعہ ارد گرد نظر دوڑائی اور سانس خارج کرتی اعتماد سے چلتی اُدھر کو آئی۔گلا صاف کرتے ہوئے بولی۔

''کیا میں آپ کا کچھ وقت لے سکتی ہوں؟''

دونوں مرد حضرات کی توجہ یکدم اس کی طرف پلٹی تھی۔ جو بھی کوئی بات کر رہے تھے ادھوری رہ گئی۔A-H-M نے ساتھ والے کو اشارہ کیا تو وہ لڑکا وہاں سے ہٹ گیا۔اب وہ نوال اکیلے رہ گئے تھے۔وہ یہاں تک آ بھی گئی تھی اس کی توجہ بھی پا چکی تھی مگر اس آدمی سے دو فٹ کی دوری پہ کھڑے ہو کر وہ بڑے عجیب ترین احساس کا شکار ہوئی تھی۔پہلی چیز اس انسان کے وجود سے پھوٹتی خوشبو تھی جس نے دماغ کو کنفیوز کیا کہ جیسے وہ پہلے بھی کہیں یہ خوشبو محسوس کر چکی تھی۔فراز کا پرفیوم یہ نہیں تھا۔ہوسکتا ہے کسی شاپنگ سٹور پر سونگھی ہو مگر دماغ میں کہیں نہ کہیں یہ موجود تھی۔دوسری اس قرب میں بڑی جانی پہچانی سی انرجی محسوس ہوئی تھی۔اس نے بڑے غور سے ایک دفعہ قریب سے اسے سرتاپا دیکھا تھا۔فریم جانا پہچانا تھا مگر چہرہ نہیں۔A-H-M نے اس کی آنکھوں کے سامنے چٹکی بجا کر متوجہ کیا تھا۔

''او کم آن۔اب میں اتنا بھی ہینڈسم نہیں ہوں کہ پوری کی پوری یوں سرپرائز ہو کر اپنی آمد کا مقصد بھی بھول جاؤ۔''

نوال نے جواب میں اعتماد سے سامنے والے کی گہری کالی مسکراتی ہوئی نگاہوں میں دیکھا۔

''میں سرپرائز بالکل نہیں ہوئی ہوں۔ہاں مانتی ہوں کہ کنفیوز ضرور ہوئی ہوں۔''

''پوچھ سکتا ہوں کس بارے میں کنفیوز ہوئی ہے؟''

نوال نے اپنا سر جھٹکتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔

''نہیں میرا خیال ہے کہ مجھے وہی بات کر لینی چاہئے جس کے لئے میں یہاں آئی ہوں۔''

”تم یہاں مجھے ایوارڈ وصول کرتا دیکھنے آئی تھیں۔ یہ بات میں پہلے سے جانتا ہوں اس کے علاوہ اگر کوئی اور بات ہے تو وہ کرو۔“

نوال مسکرا بھی نہ سکی کیونکہ جس طرح فری ہو کر وہ بات کر رہا تھا اور جن گرم نظروں سے نوال کو دیکھ رہا تھا کہیں کوئی آلارم ضرور بجنے لگا تھا۔

”میں ایسے چیپ مذاق پہ نہیں کہ داد نہ دے سکنے پر معذرت کرتی ہوں۔ اور جو تم نے اپنے موبائل پر میری تصویر لی تھی ابھی میرے سامنے وہ ڈیلیٹ کرو۔“

نوال کے آرڈر پہ کچھ دیر سوچتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھتا رہا پھر دھیمی سی آواز میں پوچھا۔

”تم کیسے کہہ سکتی ہو کہ میں نے تمہاری تصویر لی ہے۔ میں اتنا فارغ نظر آتا ہوں تمہیں؟ تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔“

نوال نے نفی میں سر ہلایا۔ ”نہیں۔ ابھی تم سے بات کرنے کے بعد مجھے یقین ہو گیا ہے کہ تم نے کوئی نہ کوئی چیپ حرکت کی ہے۔“

”میری تو ساری عمر گزری ہے چیپ حرکتیں کرتے ہوئے اور یقین مانو میں ان کے ثبوت اپنے موبائل میں لے کر ہرگز نہیں گھومتا ہوں۔“

”ویری سمارٹ مسٹر A-B-C اور C-B-A جو کوئی بھی ہو مگر میں تمہارا فون دیکھنا چاہتی ہوں۔ ثابت ہو جائے گا کہ میں غلط اور تم صحیح ہو۔ سو پلیز اپنا فون دکھاؤ تا کہ میں جاؤں۔“

”یعنی تمہارا مطلب ہے کہ جب تک میں فون نہ دکھاؤں تم یہیں کھڑی رہو گی؟ یہ تو زبردست آئیڈیا ہے کیونکہ میں تمہاری کمپنی کافی انجوائے کر رہا ہوں۔“

نوال کو غصہ آنے لگا تھا مگر وہ اس کے سامنے شو نہیں کرنا چاہتی تھی۔

”تمہیں ایک اچھا رپورٹر ہونے پر کس گدھے نے ایوارڈ دیا ہے۔ کسی بھی عورت پہ کمبل ہونے سے پہلے انسان تھوڑی سی ریسرچ ہی کر لیتا ہے کہ وہ شادی شدہ تو نہیں۔“

جواب میں قہقہہ بڑا جاندار تھا۔ پھر اتنا ہی سنجیدہ ہو گیا۔ چہرے پر ایک دم سختی آ گئی۔ جب بولا تو آواز بڑی

مضبوط اور سرد تھی۔

”میرا یقین کرو جب میں کہوں کہ تمہارے بارے میں وہ سب بھی جانتا ہوں جو تم خود اپنی زندگی کے بارے میں نہیں جانتی ہو۔“

نوال اس کے انداز اور الفاظ پہ یکدم ٹھٹک گئی۔ ٹانگوں سے جان نکلتی ہوئی محسوس ہوئی۔

”اپنا فون کھول کر دکھاؤ ورنہ میں ابھی سکیورٹی کو بلا لوں گی۔“

اس دفعہ اس نے مسکراتے ہوئے اپنی جیکٹ کی اندرونی جیب میں سے اپنا سیل فون نکال کر کھولا اور اس کی گیلری اوپن کر کے نوال کی طرف بڑھا دیا۔ فون کی گیلری میں کل پانچ فائلیں تھیں۔ اس نے کیمرہ والی فائل کھولی اور اپنے پیروں کے نیچے سے زمین سرکتی ہوئی محسوس ہوئی۔ اس فائل میں ایک ہزار چار سو پندرہ تصویریں تھیں اور ان تمام تصویروں میں ایک ہی چہرہ فوکس تھا۔ نوال نے کانپتے ہاتھوں سے چند ایک تصویریں کھول کر دیکھیں۔

”ڈیلیٹ کرنا چاہتی ہو کر دو۔ میں یہ جرأت کرنے کی اجازت دے بھی صرف تمہیں ہی سکتا ہوں اور ایسا سوچنا بھی مت کہ تمہارے ہاتھ کوئی ثبوت آ گیا ہے جسے اٹھا کر پولیس کے پاس جاؤ گی تو کوئی فائدہ ہوگا۔ تمہارے شوہر کی اصلیت دنیا کے سامنے آ جائے سب سے زیادہ خوش میں ہوں گا چاہے بدلے میں مجھے جیل ہی ہو جائے جو کہ ہونی تو نہیں ہے کیونکہ یہ تو میری جاب کا حصہ ہے چہروں پہ چڑھے نقاب اتارنا۔“

تصویروں میں موجود چہرہ کسی اور کا نہیں صرف نوال کا تھا اور آج شام کی تو صرف دو تصویریں تھیں باقی کی سب پہلے تھیں۔ مختلف موقعوں پر مختلف جگہوں پہ نجانے کب اس کی بے خبری میں اسے کیچر کیا گیا تھا اور وہ لاعلم تھی۔ وہ تصویریں نہیں تھیں نوال کی زندگی فلم کی گئی ہوئی تھی۔ کبھی سوچا بھی نہیں ہوگا کہ آپ کی ساری زندگی اپنی بدصورتی سمیت ورق ورق آپ کے سامنے کوئی اور لا کر رکھ دے اور لانے والا بھی وہ جس کے نام تک سے آپ واقف نہ ہوں۔

”ڈیلیٹ کرنا چاہتی ہو کر دو مگر میرے پاس تو ایسی اور بھی نہ جانے کتنی تصویریں موجود ہیں جن کی گنتی میں نے خود بھی آج تک نہیں کی۔“

نوال نے غصے اور بے بس سے سرخ ہوتی نگاہیں اٹھائیں۔

''اس سے پہلے کہ میں تمہارے منہ پہ تھوکوں میں تم سے ایک آخری سوال پوچھ لینا چاہتی ہوں۔''

''میں جانتا ہوں کیا پوچھنے کا سوچ رہی ہو۔تمہارے کہے بغیر بتا دیتا ہوں کہ ہاں وہ پارسل میں نے ہی تمہیں بھیجا تھا۔''

سب کچھ کرچی کرچی ہو کر نوال کی نظروں کے سامنے بکھر گیا۔ایک پل کو آنکھوں کے سامنے مکمل اندھیرا چھا گیا۔تم تو واقعی میرے بارے میں وہ کچھ بھی جانتے ہو جس کا مجھے کبھی علم نہ ہو سکا۔کیا کچھ اور ایسا رہ گیا ہے جو تمہیں تو علم ہو اور میں نہ جانتی ہوں۔''

یہ سب بولتے ہوئے اس کے ہاتھ کی انگلیاں موبائل سکرین پر چل رہی تھیں۔ساری فائل ڈیلیٹ کر دی۔آنکھوں سے پانی بہہ رہا تھا اور اس کو خود اپنی ہی آواز اجنبی محسوس ہوئی۔

''نوال، یو آر آ وری بریو۔''

نوال نے آگے بڑھ کر کس کے پورے جوش سے ایک چماٹ اس کے بائیں گال پہ رکھی۔

''بے غیرت انسان۔خبردار جو اپنی گندی زبان سے آئندہ کبھی میرا نام بھی لیا ہو۔کیا سمجھ کر آج میرے سامنے آئے ہو کہ میں تمہارے گلے میں پھولوں کے ہار ڈال کر تمہاری آرتی اتاروں گی بہت بڑا احسان کیا ہے تم نے۔''نوال نے اس کا گریبان اپنے دونوں ہاتھوں سے جکڑا۔

''میرا شوہر مجھے مارتا پیٹتا ہے جو کچھ مرضی کرے میرے حق سے محروم رکھے مجھ سے نفرت کرے یہ میرے گھر کا معاملہ ہے جو گھر کی چار دیواری میں ہوتا ہے۔تمہیں کس نے اجازت دی میری چار دیواری میں جھانکنے کی۔کمینے میں تو تمہارے منہ پر تھوک ہی سکتی ہوں۔ہاں اگلے سال میری زندگی جو تصویروں میں بند کی ہے اس کی فلم بنا کر یہاں اس جگہ پیش کرنا تا کہ ایک اور ایوارڈ لے سکو۔دو ٹکے کے گھٹیا مرد۔لعنت ہے تمہاری زندگی پہ۔''

بالکونی پہ ان دونوں کے علاوہ ایک دو لوگ موجود تھے۔تعجب اور حیرت سے ان دونوں کو دیکھ رہے تھے۔

نوال بول رہی تھی اور وہ گردن جھکائے آرام سے سن رہا تھا۔

''آئندہ کبھی بھی میرے سامنے ہیرو بن کر داد وصول کرنے مت آنا ورنہ یقین مانو تمہارا حشر کر دوں گی۔ کمزور مت سمجھنا۔ سن رہے ہو۔ مجھے کمزور یا بزدل مت سمجھنا کمینے۔''

ایک جھٹکے سے اس کا گریبان چھوڑ کر واپس جانے کو مڑی۔ جب اس نے روکا۔

''سنو نوال۔''

نوال ایک لمحے کو تھمی اور رکھ کر دوسرا تھپڑ مارا۔

''نام مت لینا۔''

اس کا فون بھی اسی کی طرف پھینک کر چلی گئی جو اس کے سینے سے ٹکرا کر نیچے گر گیا۔ نہ اس نے فون کی فکر کی نہ جھک کر اٹھایا بلکہ گہری نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ اس نے زیر زبان خود کو دو چار گالیوں سے نوازا اور زمین سے فون اٹھا کر پورے چھ ماہ بعد وہ آج اپنے فلیٹ میں واپس آیا تھا اور آخری دفعہ سات ماہ پہلے اس نے خود سے نوال کے لئے پارسل بھیجا تھا اور وقتاً فوقتاً آتے جاتے اسے واچ کیا تھا جو کہ بالکل بدل گئی تھی۔ فلیٹ کا دروازہ کھولتے ہوئے اس کی نظروں کے آگے دو ہفتے پہلے کا منظر گھوم گیا۔ جب اس نے نوال کے خوشی سے بھرپور چہرے اور سراپے کو بغیر دیکھنے سے اس لئے گریز کیا تھا کہ کہیں اسے نظر ہی نہ لگا دے۔ وہ کھلے گلاب جیسی شاداب لگ رہی تھی۔ ہمیشہ کی طرح اس کی نظروں سے لاعلم۔ جتنی فکر وہ اس کی کرتا تھا اس سے لاپرواہ...... اور اسے خوش اور مطمئن دیکھ کر اس نے خود اپنے اندر جتنا سکون اترتے دیکھا تھا وہ اس سے بھی بے نیاز تھی۔ اپنے پیچھے دروازہ بند کرتے ہوئے اس نے چابی کاؤنٹر پر پھینکی ساتھ ہی اپنا بیگ وغیرہ نیچے رکھا۔ وہ ائیرپورٹ سے سیدھا اسی طرف آیا تھا۔ اور کس لیے آیا تھا؟ کیوں آیا تھا؟ یہ سوال وہ خود سے بھی نہیں پوچھنا چاہتا تھا۔ سردیاں ہونے کی وجہ سے سرِ شام اندھیرا چھا چکا تھا۔ سیٹنگ روم کے ٹیبل پر رکھی دوربین اٹھا کر سیدھا پچھلی طرف والی کھڑکی کی طرف بڑھا۔

دوسری طرف کچن سیٹنگ روم وغیرہ کی ساری لائٹیں آف تھیں۔ نہ ہی کوئی وجود نظر آیا۔ اسے یہ سوچتے ہوئے تھوڑی مایوسی سی ہوئی کہ جس کی وجہ سے اتنا سفر کر کے آیا تھا وہ چہرہ شاید کہیں باہر نکلا ہوا تھا یا اپنے کمرے میں تھی۔ جو کہ اس کی پہنچ سے دور تھا۔ یونہی بے دلی سے دیکھتے وہ ایک دم چونک گیا۔ سیٹنگ روم اور کچن کے

درمیان ہال میں موجود فون سٹینڈ کے قریب فرش پہ گٹھڑی سی محسوس ہوئی۔ چھٹی حس کانپی تھی۔ وہ بھاگ کر دوسری کھڑکی کی طرف گیا جہاں سے زیادہ کلیئر نظر آتا تھا۔

فرش پہ کپڑوں کی گٹھڑی نہیں بلکہ انسانی وجود تھا۔ رنگین آنچل پہ خون کے دھبے گہرے سے گہرے ہوتے لگ رہے تھے۔ ایک ساعت کو تو اس کی ساری حسیات جواب دے گئیں۔ دوربین ایک طرف پھینک کر وہ دونوں ہاتھوں کی انگلیوں میں سر کے بال جکڑ کر گہرے سانس لینے لگا۔ کچھ پل لگے تھے پھر وہ بیرونی دروازے کی طرف بھاگا۔ اپنے پیچھے دروازہ بند کرنے کا بھی ہوش نہ رہا۔ گرتے پڑتے ایک ایک جست میں دو دو تین تین سیڑھیاں اترتا وہ نیچے تک پہنچا اس کے بعد بیرونی دروازہ پار کرتے ہوئے منہ کے بل برف پہ گرا، فوراً اٹھا اور اسی طرح اندھا دھند بھاگتا ہوا دوسری گلی میں موجود نوال کی بلڈنگ تک پہنچا۔ ساتھ ساتھ جیب سے موبائل برآمد کر کے ایمرجنسی سروسز کا نمبر ملا کر صورتحال سے مطلع کرتا جا رہا تھا۔

بلڈنگ کا بیرونی دروازہ بند تھا جس کی چابی اس کے پاس تو نہ تھی۔ بغیر سوچے سمجھے بھی فلیٹس کی گھنٹیاں بجاتا گیا یہ سوچ کر کے کہ کوئی تو دروازہ کھولے گا مگر تین چار منٹ گزر جانے کے باوجود دروازہ نہ کھلا اور ہر گزرتا لمحہ اس کا سکون چھین رہا تھا۔ اوپر وہ تھی چوتھی منزل پہ موجود اپنے فلیٹ کے اندر خون میں ڈوبی......کیا وہ زندہ تو تھی ناں؟ فار گاڈ سیک پیپل......

Somebodypleaseopenthe Freaking doorthere'san emergency-------

openthedoor-------

وہ اونچی آواز میں دروازہ پیٹتے ہوئے چلا رہا تھا جب سپیکر سے نسوانی آواز گونجی۔

''ہیلو!''

''ہیلو......ہیلو پلیز اوپن دا ڈور......!''

دوسری طرف سے کچھ بھی پوچھے بغیر نامعلوم خاتون نے بزر بجا دیا۔ دوسرے پل وہ بلڈنگ کے اندر تھا۔ لمبی لمبی جست میں سیڑھیاں چڑھتا اوپر ایک دفعہ بند دروازے کا سامنا کیا۔

ایک دو دفعہ دروازہ بجانے کے ساتھ اس نے اونچی آواز میں نوال کو پکارا بھی تھا مگر پھر سب بے سود دیکھ کر اپنا سارا زور استعمال کرتے ہوئے لاک والی جگہ پہ دروازے کو ضرب مارنے لگا۔تین چار کِکس کے بعد دروازہ ہلتا ہوا معلوم ہوا۔اتنے میں نیچے ایمرجنسی ایمبولینس کے سائرن کی آواز تو جاگی ہی تھی ساتھ ہی بلڈنگ میں موجود فلیٹس میں سے دو تین کے رہائشی دروازے کھول کر کچھ چہرے تشویش، تجسس و پریشانی سے صورتحال کا جائزہ لیتے نظر آئے۔

اس کے وجود کے سارے زور کے ساتھ دو دفعہ کندھے سے ضرب کھانے کے بعد دروازہ جواب دے گیا تھا۔پھولی سانسوں اور کانپتے ہاتھوں سے جب اس نے نوال کا چہرہ تھاما۔اس کی آنکھیں بند تھیں۔

”آنکھوں کھولو......نوال آنکھیں کھولو پلیز“

تبھی پیرا میڈک کے ساتھ ہی ایک ڈاکٹر وہاں پہنچی۔کیونکہ وہ فون پر ان لوگوں کو یہ بات بتا چکا تھا کہ وہ لوگ ایک پریگنیٹ عورت کا کیس ڈیل کرنے والے تھے اسی لئے ایمبولینس کے ساتھ ایمرجنسی ڈاکٹر بھی آئی تھی۔

ڈاکٹر نے آتے ہی معلومات اکٹھی کرتے ہوئے اپنی ساری توجہ فرش پہ بے جان وجود کی طرح پڑی نوال کی طرف مبذول کی۔

وہ نیم بے ہوشی کی حالت میں تھی۔فرش پہ اوندھے منہ پڑی تھی۔اس کے چہرے اور ہاتھوں پر خراشیں صاف نظر آ رہی تھیں جن سے ابھی تک خون رس رہا تھا مگر سب سے زیادہ تشویش دہ وہ ڈھیر سارا خون تھا جو کہ اس کے پیٹ کے قریب فرش پہ سوکھ رہا تھا۔اور وہ نہ جانے کب سے یہاں اس حالت میں پڑی ہوئی تھی۔

ڈاکٹر تیزی سے ہاتھ چلاتے ہوئے اپنے کام میں مصروف تھی۔

”ہمیں اس لڑکی کو سیدھا کرنا پڑے گا۔آئی ہوپ کوئی ہڈی وغیرہ کریک نہ ہو۔اس کو اس کی بیک پہ لٹانے میں میری مدد کرو۔“

ڈاکٹر جس سے مخاطب تھی وہ فق چہرہ لئے پھٹی ہوئی آنکھوں سے یک ٹک نوال کا چہرہ دیکھے جا رہا تھا۔ڈاکٹر نے ٹائم ضائع کیے بغیر اس کا شانہ ہلا کر اسے متوجہ کیا۔اس نے چونک کر ڈاکٹر کی ہدایت سنی اور اسے مکمل نظر انداز

کرتے ہوئے آگے بڑھ کر نوال کو پھولوں کی طرح اپنی بانہوں میں بھر کر سیدھا کر دیا مگر اب اس کا سر اس کی گود میں تھا۔ اس کے بعد پتھرائی ہوئی آنکھوں سے اگلی کارروائی دیکھتا رہا۔ ڈاکٹر نے کسی طرح سے نوال کو کچھ سیٹل حالت میں کیا تھا تاکہ اسے ہسپتال منتقل کیا جاسکتا۔ سٹریچر پہ ڈال کر اسے نیچے ایمبولینس تک لایا گیا تھا۔ سارا وقت وہ ہوش وحواس سے بیگانہ لاش کی مانند پڑی رہی تھی۔ ڈاکٹر اپنی سمجھ بوجھ کے مطابق ہر طرح کی مدد کرنے کی سرتوڑ کوشش میں مصروف ہے۔ مگر اس کا وجود کسی بھی قسم کا ردعمل ظاہر کرنے سے قاصر ثابت ہو رہا تھا۔ ہاسپٹل کے کوریڈور میں بیٹھا وہ شخص بچوں کی طرح دھاڑیں مار مار کر رو یا تھا۔ جب ڈاکٹروں کی ٹیم نے بتایا کہ نوال کے جسم میں پلتا ساڑھے چار ماہ کا زندہ وجود اپنی زندگی شروع کرنے سے پہلے ہی ختم ہو چکا تھا اور خون اس قدر بہہ چکا تھا کہ نوال کی زندگی کی ڈور کسی بھی لمحے ٹوٹ سکتی تھی۔ اس کا ذہن اعلیٰ درجے کے شاک میں تھا۔ اگر اگلے کچھ گھنٹوں تک ہوش میں نہ آئی تو کومہ میں جاسکتی ہے۔ شدید قسم کا نروس بریک ڈاؤن تھا۔

نوال کی حالت نے چیخ چیخ کر اس پر ہونے والے جسمانی تشدد کا اعلان کیا تھا کہ اب اس کیس میں پولیس بھی انوالو تھی۔ ڈاکٹر سے ساری معلومات لینے کے بعد پولیس والے اس سے سوال جواب کرنا چاہتے تھے جب وہ وہاں سے نکل آیا۔ ٹیکسی لے کر وہ اپنے مطلوبہ پتے پر پہنچا تھا۔

☆......☆......☆

دروازہ کھولنے والی لیلیٰ تھی جو بڑے خوش گوار موڈ میں مسکراتے ہوئے اس استقبال کو تیار تھی۔

"ارے واہ حدید، واٹ آ سرپرائز۔ بالکل ٹھیک وقت پر آئے ہو۔ ڈنر ٹیبل پہ لگ چکا ہے۔ ایم شیور تمہیں کوفتوں کی خوشبو جرمنی سے کھینچ لائی ہے۔" اپنے معمول کے حساب سے بولتے بولتے وہ ایک دم خاموش ہو گئی۔ چہرے سے مسکراہٹ غائب ہو کر تشویش ابھری۔

"یہ تمہیں کیا ہوا ہے؟ سب کچھ ٹھیک تو ہے؟"

جواب میں اس نے بڑے سرد لہجے میں صرف اتنا پوچھا۔ "کیا تمہارا شوہر گھر پہ ہے؟"

"فراز......؟ ہاں ادھر ہی ہے مگر......"

وہ لیلیٰ کی بات مکمل سنے بغیر اسے ایک سائیڈ پہ کرتا اندر کی طرف بڑھ گیا۔ لیلیٰ ہکا بکا ارے ارے کرتی رہ

گئی۔ فراز اپنے بیٹے کے ہمراہ سیٹنگ روم میں ہی موجود تھا۔ نظر اٹھا کر اندر داخل ہوتے شخص کو دیکھ کر خوش دلی سے مسکرایا۔

"آؤ یار۔ کدھر غائب رہتے ہو؟"

جواب میں جن نظروں سے اس نے فراز کو گھورا تھا وہ بے اختیار اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"ایسے کیوں دیکھ رہے ہو؟" جواب میں وہ بولا نہیں پھنکارہ تھا۔

"واہ فراز صاحب دا گریٹ۔ اتنی اعلیٰ جاب اتنی پیاری شخصیت اتنا تعلیم یافتہ کامیاب آدمی۔ ایک بیٹے کا باپ، میری بیسٹ فرینڈ کا شوہر، کیا بات ہے آپ کی۔ کیا شاندار پروفائل ہے، پر اس ظاہری روپ کے پیچھے ایک اصل روپ بھی ہے تمہارا اور اس قدر بھیانک کہ اگر تم کبھی انسانیت کے پلڑے میں خود کو تولو تو دنیا کے تہی دامن شخص ہو۔ ایک یہ معصوم جان ہے جسے پیار سے اپنے ساتھ لگا کر بیٹھے ہوئے اور ایک وہ معصوم جان تھی جسے پچھلے کتنے سالوں سے تم اسی دنیا میں آنے سے روک رہے تھے۔ تم نے اس کی ماں سے جنسی تعلق ختم نہیں رکھا بلکہ نفس پرستی کے لئے استعمال کرتے رہے۔ میں نے اسے تمام رپورٹ کی اصل بھیجی تھی۔ میں نے اسے تمہارا اصل روپ دکھایا تھا۔ پر اسے مجھ سے زیادہ تم پہ یقین تھا۔ اس سے بڑا اور ظلم کیا ہوگا کمینے انسان کہ تم ایک عورت کو اینٹی پریگنسی ادویات استعمال کرواؤ تاکہ کہیں وہ پریگنٹ نہ ہو جائے اور پھر اسے بے اولادی اور بانجھ پن کے طعنے دو۔ تم اپنے اس بیٹے کو پیار کرتے ہو، اس معصوم کا کیا قصور تھا جس کو مار کر ادھر چھپے ہوئے ہو؟"

"کون عورت، کون سا بچہ کس نے مارا...... کس کی بات کر رہے ہو حدید؟"

لیلیٰ آ کر حدید کے بالکل سامنے کھڑی ہو گئی تھی۔ کسی انہونی کے سائے اس کے چہرے پہ گزر رہے تھے مگر حدید نے لیلیٰ کی طرف دیکھا تک نہیں تھا بلکہ اک ٹک فراز کی آنکھوں میں سرد نگاہیں گاڑے کھڑا رہا۔ فراز کے تاثرات بالکل تبدیل ہو چکے تھے۔

"میں نہیں جانتا کہ تم کیا بکواس کر رہے ہو حدید، پر یہ چاہتا ہوں کہ تم ابھی اور اسی وقت میرے گھر سے دفع ہو جاؤ اور آئندہ کبھی میری بیوی سے بھی رابطہ مت رکھنا۔"

"کس بیوی کی بات کر رہے ہو؟" حدید نے لیلیٰ کو پھر سے درمیان سے ہٹایا اور عین فراز کے سامنے جا

کھڑا ہوا۔ ”تمہاری ایک بیوی کو ابھی ہاسپٹل چھوڑ کر آ رہا ہوں۔ ایک یہاں موجود ہے اور میرا ان دونوں کے ساتھ رابطہ ہے۔“

حدید کی بات ابھی پوری نہیں ہوئی تھی جب فراز نے اسے تھپڑ مارنے کے لئے ہاتھ اٹھایا مگر درمیان میں ہی روک لیا گیا۔ حدید نے اپنے بائیں ہاتھ سے اس کا اٹھا ہوا ہاتھ تھام کر سیدھے ہاتھ سے رکھ کر گھونسا فراز کے چہرے پہ مارا، ساتھ ہی نفرت سے پھنکارا۔

”تم اگر خود کو بہت بڑا سورما سمجھتے ہو تو اس میں سارا قصور نوال کا ہے۔“ اس نے فراز کے بازو کو بل دے کر اس کی کمر کے ساتھ لگا دیا۔ تکلیف کے آثار فراز کے چہرے پہ صاف نظر آ رہے تھے۔

بچہ رونے لگا تھا اور لیلیٰ ایک دم سے چیخی تھی۔

”کوئی مجھے بتانا پسند کرے گا کہ یہاں ہو کیا رہا ہے؟ اور یہ نوال کون ہے؟“

”تمہارے جانو کی پہلی بیوی ہے۔“ حدید نے نفرت سے کہتے ہوئے فراز کو دھکا دے کر چھوڑ دیا۔ ”مسٹر فراز، دعا کرو وہ بچ جائے۔ معاف تو میں تمہیں کسی صورت نہیں کروں گا۔ اپنے باپ کا نہیں ہوں جو تمہیں بخش دوں۔ اگر وہ بچ گئی تو سزا قانون دے گا اور اگر خدانخواستہ وہ نہ رہی تو میں تمہیں بھی نہیں چھوڑوں گا۔ اپنے ہاتھوں سے تمہیں ماردوں گا جیسے تم نے اسے مارا ہے۔“

”او ئے لعنتی انسان، اگر وہ پسند نہیں تھی، اچھی نہیں لگتی تھی تو اسے چھوڑ دیتے پر اتنا ظلم......“ لعنت اور ملامتی نظروں سے فراز کو دیکھتا وہ مزید کچھ کہے بغیر وہاں سے نکل آیا۔

اس کے جانے کے بعد کمرے میں موت کی سی خاموشی تھی۔ لیلیٰ یوں ویران نظریں لئے بیٹھی تھی جیسے ساری عمر بھر کا سرمایہ لٹ گیا ہو۔

باہر پولیس پیٹرول کے سائرن کی آواز پہ فراز نے گھبرا کر اپنی زبان کھولی۔

”لیلیٰ بے بی، میری بات کا یقین کرو۔ میں نے یہ سب خوشی سے نہیں کیا۔ میرا خدا گواہ ہے کہ میں نے آج تک جو بھی کیا ہے صرف اور صرف تمہاری محبت کو قائم رکھنے کے لئے کیا ہے۔“

باہر دروازے پہ دستک ہو رہی تھی۔

”دیکھولیلیٰ۔ میں تمہارے علاوہ کسی کے ساتھ نہیں رہ سکتا۔ وہ سراسر میری ماں کی پسند تھی۔ نفرت کرتا ہوں اس عورت سے۔ میں نے صرف تم سے محبت کی ہے۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ میرے بچوں کی ماں بن کر میرے پیروں میں بیڑیاں ڈالتی۔ میں اپنی اولاد صرف تم سے چاہتا ہوں۔ لیلیٰ، تم میری بات سن رہی ہو ناں۔“

وہ جیسے دیوانہ ہو رہا تھا۔ لیلیٰ نے برستی ہوئی آنکھوں کی پلکیں اٹھا کر اسے دیکھا جو اس کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھا مسلسل اس کا چہرہ چوم رہا تھا۔

”تو اس کو چھوڑا کیوں نہیں تھا؟“

”چھوڑنے والا تھا۔ قسم کھاتا ہوں میں۔ اسے چھوڑنے والا تھا کہ اس نے اتنی بڑی چالاکی دکھائی، گولیاں لینا بند کر دیں اور مجھے کہتی رہی کہ روز لیتی ہوں۔ آج صبح میں نے اس کا اسپتال کا اپائنٹمنٹ لیٹر دیکھ لیا تھا جس کے مطابق وہ پریگنینٹ تھی۔ میں پاگل ہو گیا تھا۔ وہ مجھے اتنا بڑا دھوکا دے گئی دو ٹکے کی عورت۔ بس غصے میں ہاتھ اٹھ گیا اور کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ میں اسے طلاق دے دوں گا لیلیٰ۔“

لیلیٰ نے اونچی آواز میں روتے ہوئے فراز کے ہاتھ جھٹک دیئے۔ آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔ فراز کسی قسم کی مزاحمت کئے بغیر پولیس والوں کے ساتھ چلا گیا۔ لیلیٰ بچے کو اٹھا کر فراز کے جانے سے پہلے ہی دوسرے کمرے میں چلی گئی تھی۔

☆......☆......☆

کمرے میں نیم تاریکی تھی۔ ہارٹ بیٹ مانیٹر کی مخصوص آواز وقفے وقفے سے گونجتی تھی۔ بیڈ پہ پڑے وجود میں زندگی ابھی موجود ہے اس کا واحد ثبوت ہارٹ مانیٹر کی بیپ تھی اور پچھلے ایک ہفتے سے اسے یونہی ڈرگز کے زیر اثر نیند میں رکھا گیا تھا کیونکہ ہوش میں آتے ہی اس کا دماغ دوبارہ سے ڈیپریشن میں چلا جاتا تھا۔ کسی بھی قسم کی کوئی چیز اس کے حلق سے نہ اتری تھی۔ گلوکوز وغیرہ کے ذریعے اس کے جسم کو خوراک دی جا رہی تھی۔ وہ تو مریض تھی اس لئے اس کمرے میں موجود تھی مگر اس کے علاوہ ایک اور وجود بھی وہاں موجود رہا تھا۔ آئی سی یو کے مریضوں کے ساتھ کسی کو بھی رات کے وقت چوبیس گھنٹے رکنے کی اجازت نہیں تھی مگر اس کو وہاں سے ہٹانے کی ہر ترکیب ناکام ہو چکی تھی۔ غصہ، دھمکی، منت کس نے اثر نہ کیا تھا۔ اس کے تن پہ وہی لباس موجود تھا جو اس نے

ایک ہفتے پہلے پہنا تھا۔ جب وہ اسے کمرے سے نکالتے تو وہ باہر کوریڈور میں پڑ جاتا۔ ساری دنیا بھولی ہوئی تھی اور سب سے زیادہ دل چیر دینے والا احساس اس کے لیے یہ تھا کہ وہ اس عورت کے لئے کتنا آگے جا چکا تھا۔ جہاں سے واپسی ناممکن تھی۔ کرسی پہ بیٹھے نہ جانے کب آنکھ لگ گئی تھی جب اپنے کندھے پہ نرم سے لمس کو محسوس کر اس نے فوراً آنکھیں کھولیں۔ بالکل سامنے لیلیٰ کھڑی تھی۔ ہاتھوں میں سفید پھولوں کا گلدستہ لئے۔ دونوں کچھ بھی کہے بغیر کتنی دیر ایک دوسرے کو سنجیدہ نظروں سے دیکھتے رہے۔ آخر وہ بولا۔

''بیٹھو۔''

لیلیٰ اس وقت بالکل اجڑی اجڑی سی لگ رہی تھی۔ ڈھیلی ڈھالی سی گرے ٹراوزر پہ سفید شرٹ پہنے میک اپ کے بغیر بالوں کی ڈھیلی سی پونی، ہونٹ سختی سے ایک دوسرے میں پیوست تھے۔ آنکھوں سے بہنے والے آنسو کو ہتھیلی کی پشت سے صاف کرتی وہ بیڈ کی جانب بڑھی اور اپنے سامنے پڑی لڑکی کو دیکھ کر نئے سرے سے ساکت ہو گی کیونکہ وہ کوئی اور نہیں تھی وہی تھی جس کی خاطر اس کا دوست حدید سے محمد بن کر کمیونٹی سینٹر کے پھیرے کاٹتا تھا مگر وہ شاداں چہرہ جو اس نے حدید کے ساتھ ایک دن ٹاؤن میں میکڈ ملڈ پہ دیکھا اِس چہرے سے میل نہیں کھاتا تھا۔ بند آنکھوں کے گرد گہرے حلقے، ہونٹ کے قریب سارا چہرہ نیلا ہٹ کا شکار تھا۔ لیلیٰ کی آنکھوں میں نئے سرے سے نمی جا گی۔

''پولیس والے اسے کل کورٹ میں پیش کر رہے ہیں۔'' کچھ لمحوں کے لئے وہ خاموش ہوئی۔ حدید بھی اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا تھا مگر بولا کچھ نہیں۔ وہ جانتا تھا کہ لیلیٰ فراز کے بارے میں بات کر رہی تھی۔

''تم جانتے ہو مجھے فراز کے دھوکے باز نکلنے پہ اتنا دکھ نہیں ہوا جتنا اس بات پہ کہ میرا دوست ہی مجھ سے سچ چھپا گیا۔ میں نے خود تمہیں اس کی سچائی جاننے کو بھیجا تھا۔ پھر کیوں کیا تم نے ایسا؟'' سرگوشی نما آواز میں آنسوؤں کی نمی واضح تھی۔ ''حدید، شوہر جھوٹا نکل آئے کوئی بہت زیادہ بڑی بات نہیں ہوتی، بہت سے شوہر ایسا کرتے ہیں پر دوست تو اعتماد نہیں توڑتے۔ اس لڑکی کی حالت دیکھ کر مجھے احساس ہوا کہ جس فراز کو میں جانتی تھی وہ کسی کے ساتھ ایسا ظلم کبھی نہیں کر سکتا تھا تو پھر یہ کس نے کیا؟ سچ یہی نکلا ناں کہ میں اس آدمی کو کبھی جان ہی نہیں پائی ہوں۔''

حدید کے لب اب بھی سختی سے ایک دوسرے میں پیوست تھے۔نظریں سامنے دیوار پہ جمی ہوئی تھیں۔لیلیٰ نے اپنے آنسو ایک دفعہ پھر صاف کیئے اور ہاتھ میں پکڑے پھول سائیڈ ٹیبل پہ رکھ کر حدید کی جانب پلٹی۔ہونٹوں پہ مجروح سی مسکراہٹ ابھری۔

"ایک سے بڑھ کر ایک لڑکی تمہاری زندگی میں آئی اور کمینے تمہیں محبت بھی ہوئی تو کس سے؟ میرے شوہر کی پہلی بیوی سے۔یہی ہے ناں وہ جس کے ساتھ فیس بک اور واٹس ایپ پہ شمیم بن کر بات کرتے رہے ہو؟"

حدید اب بھی خاموش تھا نہ تردید نہ تصدیق۔

"کچھ بکو گے یا یونہی بت بن کر کھڑے رہنے کا ارادہ ہے؟"

ایک پل کو حدید نے نظر موڑ کر اسے دیکھا اور دھیمی سی آواز میں بولا۔

"ایم سوری مگر میرے ہاتھ میں کوئی جادو کی چھڑی نہیں تھی کہ جس سے میں یہ ساری تکلیفیں تمہاری یا نوال کی زندگی سے دور رکھ سکتا۔وہ باسٹرڈ انتہائی خوش قسمت ہے۔دونوں بیویاں بے مثال عورتیں ملیں مگر دونوں ایک جیسی خوش نصیب نہیں تھیں۔"

"تم شاید مجھے خودغرض سمجھو گے مگر میں کیا کروں میرے پاس اس کے علاوہ اور کوئی راہ نہیں ہے۔میں نہیں چاہتی کہ میرے بچے یہ احساس لے کر بڑے ہوں کہ ان کا باپ ایسا انسان ہے۔"

حدید نے ہاتھ اٹھا کر اسے درمیان میں روک دیا۔

"ویٹ آ منٹ۔اگر تو تم یہ کہنا چاہتی ہو ناں کہ میں فراز کے خلاف کیئے گئے چارجز پولیس سے واپس لے لوں تو ایسا میری زندگی میں ممکن نہیں ہے۔"

حدید کی آواز میں سختی تھی اور وہ غصے سے چیلنج کرتی نگاہوں سے لیلیٰ کو دیکھ رہا تھا۔تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد لیلیٰ بولی۔

"اگر اس کی قیمت نوال کی آزادی ہو تب بھی نہیں؟"

"تم کیا گیم کھیلنا چاہ رہی ہو میرے ساتھ؟ کیا تمہیں لگتا ہے کہ میں اس شخص کو کبھی اس کے نزدیک پھٹکنے بھی دوں گا؟ جو کچھ اس عورت کے ساتھ ہوا ہے میں خود کو بھی اس سب میں برابر کا شریک سمجھتا ہوں۔جب مجھے اس

آدمی کی کمینگی کا علم بھی ہو چکا تھا تو مجھے کوئی فیصلہ لینا چاہئے تھا تو شاید آج یہ سب نہ ہوتا۔ نہ صرف اس کا بچہ مرا ہے بلکہ اب......'' آگے کی بات وہ مکمل نہ کر پایا۔

''مجھ سے کبھی امید نہ رکھنا کہ میں چارجز واپس لوں گا۔''

کچھ دیر خاموشی سے رہنے کے بعد لیلیٰ Bye بول کر چلی گئی۔ وہ اس کی تکلیف بھی سمجھ سکتا تھا۔ آخر بچپن کا ساتھ تھا اور یہ بھی جانتا تھا کہ وہ کیسے فراز پر مرتی ہے اور اس کی محبت میں کسی حد تک بھی جا سکتی تھی مگر یہاں وہ دوستی کا پاس بھی نہیں رکھ سکتا تھا۔ جو کچھ فراز نے کیا تھا اس کے لئے معافی کی کہیں کوئی گنجائش نہیں نکلتی تھی۔ یہ کلیہ دنیا کی کسی ڈکشنری میں موجود نہیں ہے کہ اگر کوئی ناپسند ہستی آپ کی مرضی کے برخلاف آپ کی زندگی میں شامل ہو جائے تو آپ اس سے جینے کا حق ہی چھین لو گے؟ نہیں...... شریعت نے اس کا بہت آسان اور سادہ حل بتایا ہوا ہے۔ ایک دوسرے سے نفرت، بہتان بازی، دھوکے، جھوٹ نفرت سے بہتر ہے کہ علیحدگی اختیار کر لو۔ خود بھی جیو اور دوسروں کو بھی جینے دو۔

یہ انسان کا بنیادی حق ہے۔ ہر انسان کا بنیادی حق ہے۔

☆......☆......☆

''امی آپ اس کو سمجھاتی کیوں نہیں ہیں؟''

''لو تم بھی عجیب باتیں کرتی ہو فری۔'' سعدیہ نے وڈیو کال کی دوسری طرف موجود فریحہ کو گھورا۔

''اس کے ساتھ سر کھپا کھپا کر میرا سر سفید ہو گیا ہے اور تم کہتی ہو کہ اس کو سمجھاتی کیوں نہیں ہوں۔''

''ایم سوری ممی پر میں یہ چاہتی ہوں کہ کسی بھی طرح اس پر پریشر ڈال کر یا جیسے بھی اس کو راضی کریں، بھلا یہ بھی کوئی ڈھنگ ہے زندگی گزارنے کا۔ ساری عمر یونہی دوستوں کے ساتھ آوارہ گردی میں گزار دی جائے۔'' سعدیہ نے پھر ٹوکا۔

''نہیں خیر آوارہ گردی تو نہیں کرتا۔ اپنے کام میں مصروف رہتا ہے۔ ہاں کبھی کبھار ڈنر یا لنچ دوستوں کے ساتھ کر لیا تو یہ آوارہ گردی ہرگز نہیں ہے۔''

''جانتی ہوں میں اپنے لاڈلے کی شان میں ذرا سی گستاخی بھی آپ کے مزاج پر بھاری گزرتی ہے مگر امی جو

رشتہ آپ نے بتایا ہے لاکھوں نہیں تو ہزاروں میں ایک تو ضرور ہے۔"

"فری ڈارلنگ۔ کیا تمہیں واقعی یہ لگتا ہے کہ تمہارا بھائی اتنا معصوم اور سیدھا ہے کہ تم اور میں ہاتھ پکڑ کر جس طرف بھی لے جائیں بغیر کسی اعتراض کے چل پڑے گا۔ ایک نمبر کا کمینہ ہے وہ اور جس رشتے کو تم لاکھوں میں ایک کہہ رہی ہو اس میں وہ لاکھوں عیب مجھے گنوا چکا ہے۔ تمہارے ابو تو کہتے ہیں کہ اس کو اس کے حال پہ چھوڑ دیا جائے۔ کرلے گا شادی بھی جب کرنی ہوئی۔ اب بچہ تو نہیں ہے کہ کان سے پکڑ کر سمجھایا جائے۔"

"اچھا امی۔ آپ مجھے بتائیں ابھی جاگ رہا ہے یا سو گیا۔ فون تو آنسر نہیں کر رہا کتنی دفعہ ٹرائے کر چکی ہوں۔ ہر دفعہ جیفری ہی فون اٹھاتا ہے۔"

"ابھی گھر کہاں آیا ہے۔"

"امی۔ رات کے ساڑھے بارہ کا وقت ہے اور وہ ابھی تک گھر نہیں آیا۔ کدھر گئے آپ کے اصول کہ گیارہ سے پہلے ہر حال میں گھر پہ پایا جائے۔" سعدیہ نے سر پیٹ لیا، سخت پچھتا رہی تھی اس وقت بیٹی کی کال آنسر کر کے۔

"فری۔ اپنے کام کی وجہ سے اسے دیر سویر ہو جاتی ہے۔ اتنی کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ کبھی کبھی وہ اپنے گھر چلا جاتا ہے۔ تم آرام کرو صبح بچے سکول جاتے ہیں۔"

انہیں بیرونی دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز سنائی دی۔

"لو میرا خیال ہے احمد آ گیا ہے۔"

تب ہی اس نے کچن کے دروازے سے سر نکالا۔

"السلام علیکم اماں۔ آپ ابھی تک جاگ رہی ہیں؟" اپنا بیگ اور چابیاں کاؤنٹر پہ ڈال کر سعدیہ کے قریب آیا۔ ماتھے پہ بوسہ لیا۔

"بس یہی تمہاری ٹریکس ہیں بگ برو، جن سے اماں کو پٹا کر اپنے ہاتھ میں رکھتے ہو۔" فری کی چنگھاڑتی ہوئی آواز پہ اک دم کو وہ مصنوعی ڈر کا اظہار کرتے ہوئے اچھلا۔

"بھئی پہلے سنا تھا کہ آدھی رات کے بعد چڑیلیں نکلتی ہیں آج دیکھ بھی لیا۔" اس کا اشارہ فریحہ کے چہرے

پر لگے ماسک پہ تھا۔

"ویری فنی۔ اپنا حلیہ کبھی آئینے میں دیکھا ہے اور آخری دفعہ شیو کب کی تھی تم نے؟"

"شاید پچھلے ہفتے، یاد نہیں۔" اس نے داڑھی پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے لاپرواہی سے کہا۔ سعدیہ نے جیسے شکر کیا تھا اور کب کی سیٹ احمد کے لئے خالی چھوڑ کر کچن سے چلی گئی تھیں۔

"اور سناؤ، تمہاری فوج سو گئی؟ ارصم کو لے کر کب آ رہی ہو؟" اس نے فریحہ کے چھوٹے بیٹے کا پوچھا جو ابھی صرف نو ماہ کا تھا۔

"میں نہیں آ سکتی بچوں کو چھٹیاں نہیں ہیں اور اوپر سے مصیبت ارصم کی بے بی سیٹر کی چھٹی کر دی میں نے۔"

وہ جو اک دم ڈھیلا ڈھالا ریلیکس ہو کر صوفے پہ بیٹھا تھا یکدم الرٹ ہو گیا۔

"اتنی اچھی لڑکی تھی، چھٹی کیوں کروائی؟" لہجے کو لاپرواہ رکھنے کی کوشش ناکام ثابت ہو رہی تھی۔

"ارے میں خود اس کو بڑا اچھا سمجھتی تھی۔ یقین مانو مجھے تو جب سے اسے رکھا ہے کوئی فکر ہی نہیں رہی تھی۔ صبح میرے آفس نکلنے سے دس پندرہ منٹ پہلے آئی تھی اور میری واپسی کے بعد جاتی۔ کھانا تک تیار کر دیتی۔ لانڈری پڑی ہوتی تو وہ کر دیتی مجھے تو اتنی زیادہ سہولت تھی۔"

"میں یہ جانتا ہوں کہ تمہیں حد سے زیادہ سہولت تھی۔ مجھے یہ بتاؤ اس کو نکالا کیوں؟" فری کی بات درمیان میں ہی ٹوک دی۔

"وہی تو بتانے لگی تھی۔ تم نے ٹوک دیا۔ پرسوں رات وہ پولیس کی کسٹڈی میں رہی ہے۔"

احمد کے سر پہ جیسے کوئی بم پھٹا تھا۔

"تمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہو گی۔"

"اس کی ہوسٹل وارڈن نے جب مجھے بتایا مجھے خود یقین نہیں آیا تھا مگر وہ بتا رہی تھی کہ اس رات وہ کسی کلب میں شراب پی کر آپے سے باہر ہو گئی تھی اس لئے پکڑی گئی۔ اگلے دن ضمانت پر رہا ہوئی تھی۔" فریحہ بتاتی جا رہی تھی اور وہ کئی لمحے تو منہ کھولے سکرین کو دیکھتا رہا پھر یکدم اندر غم و غصے کا ابال اٹھا تھا۔ فری اس کی آنکھوں میں ابھرتے سرد تاثر کو دیکھ کر ہی گھبرا گئی۔

"تمہیں کیا ہوا ہے؟"

"میں اس وقت تھکا ہوا ہوں کل بات کرتے ہیں۔"

دوسری طرف کا جواب سنے بغیر اس نے لیپ ٹاپ بند کر دیا۔ کچن میں یکدم خاموشی چھا گئی۔ اگلے دو تین منٹوں میں وہ گھر سے باہر تھا اور اس کی موٹر بائیک ہوا سے باتیں کرتی ہوئی جا رہی تھی۔ مطلوبہ جگہ پہنچ کر اس نے بائیک باہر گلی میں روکی اور دروازے تک آ کر بیل بجائی اور ساتھ میں دروازہ بھی بجایا۔ انداز میں عجلت تھی۔ سارے گھر کی روشنیاں گل تھیں مگر اس کے یوں مسلسل گھنٹی بجانے اور دروازہ دھڑ دھڑانے پہ دوسری طرف زندگی دوڑ گئی۔ پہلے باہر کی بتی جلی پھر دروازہ کھلا۔ سلیپنگ سوٹ کے اوپر گاؤن پہنے بکھرے بالوں سمیت وہ نینسی تھی جو کہ اپنے سامنے کھڑے شخص کو دیکھ کر ہکا بکا رہ گئی۔

"حدید تم......؟ اور اس وقت میرے گھر پہ؟ پر تمہیں یہاں کا پتا کس نے دیا؟"

جواب میں وہ ایک لفظ بھی بولے بغیر کمر پہ دونوں ہاتھ رکھے سرخ ہوتی آنکھوں سمیت مسلسل نینسی کو گھورتا رہا۔

"سیریسلی نینسی، کیا واقعی تمہیں مجھ سے ایسے سٹوپڈ سوال پوچھنے چاہئیں؟

God dam you Nancey---what the hell"----

وہ اونچی آواز میں دھاڑا تھا۔ نینسی ایک دم ٹھٹک گئی۔ ایک سنجیدہ نظر اپنے گرد پہ ڈالی اور پھر اس سے مخاطب ہوئی۔

"میری امی دل کی مریض ہیں اور نیند کی دوا لے کر سوتی ہیں۔ تم ادھر شور نہ کرو۔ آؤ اندر آؤ اور بیٹھ کر آرام سے بات کرو۔" سنسان گلی میں آواز اور بھی زیادہ گونج رہی تھی۔ "کوئی پولیس کو بھی فون کر سکتا ہے۔"

"جس نے جو کرنا ہے نا کرلے۔

I dam don't care"---

"حدید۔ دیکھ سکتی ہوں کہ تم غصے میں ہو مگر مجھ سے اگر کوئی بات کرنی ہے تو اندر آ کر انسانوں کی طرح کرو نہیں تو ابھی واپس جا سکتے ہو۔"

چند لمحے اسے گھورنے کے بعد وہ اندر بڑھ آیا۔ نینسی نے بیرونی دروازہ بند کیا اور اس کی رہنمائی کرتی سیٹنگ روم میں لے آئی اور دروازہ بند کر دیا۔

”بیٹھو اور اب بولو کیا بات ہے۔“

مگر وہ بیٹھا نہیں۔ جیبوں میں ہاتھ ڈالے یونہی کھڑا رہا۔

”نینسی میرے سامنے کوئی ڈرامہ مت کرنا اور بتاؤ کہ کیا یہ سچ ہے کہ وہ ایک رات حوالات میں گزار کر آئی ہے؟“

نینسی اس کے سوال پہ چونکی بالکل نہیں تھی بلکہ گہری سانس خارج کرتی صوفے کے بازو پہ ٹک گئی۔

”تمہیں یقیناً تمہاری بہن نے بتایا ہوگا مگر یہ بات سچ ہے۔ ہاں ایسا ہوا ہے۔ مگر پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے کیونکہ اس کے خلاف کوئی چارجز پریس نہیں ہوئے۔“

جب وہ بولا تو آواز میں شعلوں کی سی لپک تھی۔ ”مس نینسی ایڈورڈ۔ تم یقیناً مذاق کر رہی ہو نا؟ یا پھر میری شکل پہ لکھا ہوا ہے کہ میں ایک بے غیرت اور پاگل مرد ہوں۔ بتاؤ مجھے دونوں میں سے کون سی بات سچ ہے؟“

”حدید تم......“

”بس کرو نینسی۔“ حدید نے اسے درمیان میں ہی بری طرح ٹوک دیا۔ ”پورے تیرہ ماہ پہلے تم نے اپنے آفس میں بلوا کر مجھے یہ بتایا تھا کہ وہ اپنی طلاق ہو جانے کی وجہ سے بڑے غصے میں آئی ہے اور لہٰذا اپنے شوہر کے خلاف سارے چارجز ڈراپ کر کے یہاں سے چلی گئی ہے۔ میں نے تب بھی اپنے تحفظات کا اظہار کیا تم نے مجھے یہ کہہ کر چپ کروا دیا کہ وہ مجھ سے کوئی رابطہ رکھنا نہیں چاہتی۔ نفرت کرتی ہے وہ......اور تم نے مجھے یہ تک نہیں بتایا کہ وہ کہاں گئی ہے۔ کیوں اور کس کے ساتھ گئی ہے۔ ہر بات تم نے مجھ سے چھپائی مگر وہ میں ہی تھا جس نے اپنے طور پر اسے ڈھونڈ نکالا اور ایک دفعہ پھر تم درمیان میں آٹپکیں۔ کیا فلسفہ تھا تمہارا؟ وہی ناں کہ اسے کچھ وقت دو سنبھلنے کے لئے اور حقیقت قبول کرنے کے لئے......تم اتنی لائق فائق آفیسر ہو کر یہ بات بھول گئیں کہ حقیقت کتنی بھیانک ہے اور وہ خود کتنی نازک سی لڑکی ہے۔ آخر کیسے وہ یہ سب قبول کرتی t، وہ کوئی ایسی لڑکی نہیں تھی جس کو اس کا بوائے فرینڈ چھوڑ گیا تھا اور وہ بریک اپ کے سائیڈ افیکٹ فیس کر رہی تھی۔ وہ ایک ایسی

نیک عورت تھی جس کا شوہر اس پہ بلاوجہ تشدد کرتا تھا۔نفرت کرتا تھا۔دھوکے باز تھا مگر وہ اس کے ساتھ پوری وفادار اور مخلص تھی۔وہ عورت وہ تھی جس کے میاں نے اس کو چار سال تک اولاد سے محروم رکھا دھوکے سے۔اور جب وہ بڑی خوش تھی اپنے اندر ایک زندگی محسوس کر کے تو اس جانور نے اس گلاب کو کھلنے سے پہلے ہی نوچ ڈالا۔

''سن رہی ہو نینسی۔نہ صرف یہ کہ اس کا بچہ مرا تھا۔اس کے ساتھ یہ ظلم بھی ہوا کہ اس کے جسم میں اندرونی چوٹیں اتنی گہری تھیں کہ اب وہ کبھی ماں نہیں بن سکتی۔''

دو موٹے موٹے آنسو اس کی خوبصورت آنکھوں سے نکل کر بڑھی ہوئی رف سی داڑھی میں چھپ گئے۔

''میں اس کا دوست تھا۔میں اسے اس طرح مرتے نہیں دیکھ سکتا تھا۔فراز سے طلاق بھی اس لئے کروائی اور اسی وجہ سے وہ مجھ سے ناراض تھی کیونکہ اس کا اپنا کوئی رشتہ زندہ نہیں ہے۔ایک صرف فراز تھا خبیث کیونکہ فراز کے ساتھ اس کا رشتہ اس کے اپنے والد نے طے کیا تھا اس لئے وہ پاگل لڑکی اپنا خون دے کر اس ایک رشتے کو زندہ رکھ رہی تھی۔

اب بتاؤ مجھے جس انسان کے ساتھ اتنا کچھ ہو جائے اور وہ اپنے دشمن کو پھر بھی معاف کر دے کیا اس کو یوں اکیلا چھوڑ دینا کہیں کی مصلحت تھی؟ تم نے میری ایک نہیں سنی۔الٹا پولیس میں میرے خلاف رپورٹ کر دی کہ مجھ سے اسے خطرہ ہے؟ اس آدمی کو بالکل فری چھوڑ دیا جو قاتل تھا اور میں جو اس کا بھلا چاہتا ہوں مجھ پہ پابندی لگوا دی کہ اس شہر میں نہیں جا سکتا ہوں جہاں وہ رہتی ہے؟''

''تم ایک بات سمجھ کیوں نہیں جاتے کہ اس نے جو فیصلہ کیا جو وہ کر رہی ہے اس میں میرا کوئی حصہ نہیں ہے۔ اپنے شوہر کے خلاف کیس واپس لینا خالصتاً اس کی ضد تھی۔یہاں سے جانا اس کی ضد،تم سے دور ہونا اس کی مرضی،پولیس میں تمہارا نام دینا اس کی ضد۔مجھ سے تو اس نے فون پر بات کرنا بھی چھوڑ دی تھی کیونکہ ہر دفعہ میں اسے تمہارے حق میں قائل کرنے کی کوشش کرتی تھی۔یہ تو تم ہو جو خود کو اس کا دوست بولتے ہو۔وہ تو تمہیں اپنا دشمن سمجھتی ہے۔تم تو اس لئے غیر ہو۔''

وہ درمیان میں ہی دھاڑا۔

”اچھا، اگر میں غیر ہوں تو کیا وہ اس کے مامے کے پتر ہیں جن کے ساتھ شراب پی کرنا چتی ہے؟ میں نے اس بددماغ عورت کا دماغ ٹھکانے نا لگا دیا تو میرا نام بدل دینا۔ صبح تم پولیس سے رابطہ کر کے ساری حقیقت انہیں بتاؤ گی تا کہ انہوں نے جو مجھ پہ پابندی لگائی ہوئی ہے وہ ہٹا لیں۔ اس کے بعد دیکھنا کیا کرتا ہوں۔“

نینسی نے اسے مشکوک نظروں سے گھورا۔

”ایسے دھمکیاں دو گے تو کیا میں تمہاری بات مانوں گی؟“

”نینسی، تمہیں اندازہ بھی نہیں کہ اس وقت میں کس اذیت و غصے میں ہوں۔ فارگاڈ سیک، وہ ایک مسلمان عورت ہے اور کوئی نام کی مسلمان نہیں۔ اچھی خاصی پرہیز گار عورت ہے اور اگر وہ اس وقت اس مقام پہ کھڑی ہے جہاں وہ ایسے کام کر رہی ہے جو کبھی اس نے سوچے تک نہ ہوں گے تو یقین مانوں کہ وہ خود سے لڑ لڑ کر تھک گئی ہے۔ وہ سب باتیں بھول کر جینے میں ناکام ہوئی ہے اور اسے مدد کی ضرورت ہے۔ اسے کسی اپنے کی ضرورت ہے۔ اگر تمہیں ذرا بھی اس سے ہمدردی ہے تو پلیز صبح میرا نام صاف کرواؤ تا کہ میں جا کر اپنی امانت سنبھالوں۔ پلیز نینسی۔“

صرف ہاتھ جوڑنے کی کسر رہ گئی تھی۔ نینسی نے گہرا سانس خارج کرتے ہوئے ہار مان لی۔

”ٹھیک ہے۔ کل کر دوں گی۔“

”اور تم اسے میرے یہاں آنے اور یہ سب پوچھنے کے بارے میں بالکل مت بتانا۔ میں خود براہ راست اس سے بات کروں گا۔“ اتنا کہہ کر اس نے آگے بڑھ کر کمرے کا دروازہ کھولا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا پیچھے مڑ کر دیکھے بغیر باہر نکلتا چلا گیا جہاں اس کی بائیک اس وقت برف میں بھیگ رہی تھی۔ اپنے مخصوص اسٹائل میں ایک جھٹکے سے بائیک سیدھی کر کے کک ماری۔

☆......☆......☆

اس نے آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر دوسری جانب ابھرتے اپنے عکس کو بغور دیکھا۔

اے خدا ریت کے صحرا کو سمندر کر دے
یا چھلکتی ہوئی آنکھوں کو بھی پتھر کر دے

جانے کتنے لمحے بیت گئے۔ یک ٹک اپنی بے نور آنکھوں کو دیکھتی رہ گئی۔

تجھ کو دیکھا نہیں محسوس کیا ہے میں نے

آ کسی دن میرے احساس کو پیکر کر دے

یا چھلکتی ہوئی آنکھوں کو بھی پتھر کر دے

آنکھوں کے نیچے گہرے حلقے تھے کیونکہ چاہے جتنی بھی کوشش کرتی نیند کی گولیاں لیتی پر ساری رات میں دو ڈھائی گھنٹے سے زیادہ نیند نہ لے پاتی۔

اور کچھ بھی مجھے درکار نہیں ہے لیکن

میری چادر میرے پیروں کے برابر کر دے

یا چھلکتی ہوئی آنکھوں کو بھی پتھر کر دے

حالانکہ وہ دن میں جاب کرتی تھی جہاں اس کو مسلسل چاق و چوبند رہنا پڑتا تھا۔ زرد رنگت، سوکھے ہونٹوں کو وہ ہر روز بڑی مہارت سے میک اپ کی دبیز تہہ میں یوں چھپاتی کہ اب تک کوئی جان نہ پایا کہ وہ اندر سے کیا ہے۔ ایک نہایت شوخ وہ شریر لڑکی مشہور تھی مگر آج کی شام الگ تھی۔ سارا دن گھر پہ رہ کر وہ سخت بور تھی۔

اچانک اس کے کمرے کا دروازہ ایک دھماکے سے واہ ہوا۔ لیزا کا چہرہ فریم میں ابھرا۔ ساتھ ہی تیز خوشبو کے جھونکے اندر آئے۔ اس نے آئینے میں ہی دروازے کی جانب دیکھا۔

لیزا اپنی بات مکمل کر کے جیسے آئی تھی ویسے ہی پلٹ گئی۔ نہ جانے کس سوچ کا عکس آنکھوں میں نمی کی صورت جاگا تھا۔ اس نے جی بھر کر خود کو ملامت کی اور تیزی سے ہاتھ چلانے شروع کیے۔

محبت میں نہیں ہے فرق جینے اور مرنے کا

اسی کو دیکھ کر جیتے ہیں جس کافر پہ دم نکلے

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے

بہت نکلے میرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

جب وہ تیار ہو کر لائی میں موجود اپنے گروپ کے ساتھ باہر نکلی۔ پیروں میں ابھی سے لڑکھڑاہٹ جاگ

رہی تھی حالانکہ ابھی ساری رات پینے کو ناچنے میں گزارنی تھی۔کل کام پر جانے کی فکر بھی نہ تھی کیونکہ کام سے اسے مکمل چھٹی مل چکی تھی۔

☆......☆......☆

صبح ہونے تک وہ اپنی مرضی کی ساری معلومات حاصل کر چکا تھا۔شام پانچ بجے کا ائیر ٹکٹ بھی بک کروالیا۔ کبھی اس کے اندر غصے افسوس کے جذبات جاگتے کبھی بے بسی اور رحم کے۔مگر کل رات سے وہ ایک پل کو سکون سے نہ بیٹھا تھا۔سکون سے تو کافی عرصے سے پالا نہیں پڑا تھا۔

یہ رات آٹھ بجے کا وقت تھا۔مانچسٹر سٹی سینٹر میں موجود ایک نامی گرامی نائٹ کلب کے باہر لوگوں کی بہت لمبی لائن لگی ہوئی تھی۔سکیورٹی والے لوگ کالے رنگ کے کپڑوں میں ملبوس تھے جن پہ مخصوص سلوگن لگا ہوا تھا۔ جو لوگ داخلی دروزے پہ کھڑے تھے۔وہ جس آدمی یا لڑکی سے مطمئن ہوتے اندر جانے کی اجازت دیتے جس کے پاس وہاں کا ممبر شپ کارڈ تھا وہ بغیر کسی پریشانی کے سیدھا جاتا۔ان کے علاوہ خوبصورت جوان لڑکیوں کو خاص رعایت دی جاتی اور جس پہ ان لوگوں کو کسی قسم کا کوئی شک ہوتا اسے وہیں سے ٹرخا دیا جاتا۔اس دوران تین لڑکیاں وہاں آئیں جبکہ یہاں اپنی سواری نہ آتی تھیں۔ان میں سے جو لمبی سی لڑکی اونچی ہیل پہ سلور بلیک منی ڈریس کے ساتھ کالے ٹائٹس پہنے کھلے بالوں میں خوبصورت چمکتا چہرہ لئے مسلسل ہنس رہی تھی وہی گاڑی چلا کر دونوں کو یہاں لائی تھی۔دوسری دو کا تو صاف علم ہوتا تھا کہ ایک حبشن تھی اور دوسری گوری مگر اس تیسری کے بارے میں کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا تھا کہ کس ایتھنک گروپ سے تعلق رکھتی ہے مگر قابلِ غور یہ بات نہیں تھی بلکہ یہ بات تھی کہ وہ تینوں لائن میں کھڑی ہونے کی بجائے سیدھی اندر گئی تھیں حالانکہ ان کے پاس ''پاس'' بھی موجود نہ تھے۔باہر کھڑے دوسرے لوگوں نے خوب احتجاج کیا مگر پرواہ کسے تھی۔

کلب کے اندر قدم رکھتے ہی کان پھاڑتی میوزک کی آواز سے واسطہ پڑا۔رنگ برنگی روشنیوں کے ڈانس تلے ڈانس فلور پہ موجود لوگ مسلسل تھرک رہے تھے۔جیسا بے ہنگم میوزک تھا ویسے ہی ڈانس کرنے والے تھے۔

کلب میں آتے ہی اس کی طبیعت پہ چھائی ساری اداسی ہمیشہ کی طرح ابھی بھی جاتی رہی۔ابھی بھی وہ لیزا اور جیز مین کے ساتھ چلتی ہوئی بار کی جانب جاتے ہوئے اپنے انداز میں ناچتی جا رہی تھیں۔لیزا نے اسے دیکھ

کر قہقہہ لگایا۔ ساتھ ہی اونچی آواز میں چیخی۔

"You are such a party animal Nwal"

اس نے لیزا کے کمنٹ کو انجوائے کیا۔ ساتھ ہی اپنے والٹ میں سے سو پاؤنڈ کا نوٹ نکال کر بارٹینڈر کی طرف بڑھایا۔ میوزک کی وجہ سے وہ بھی اونچی آواز میں چلائی تھی۔

"مجھے یہاں کی سب سے سٹرونگ ڈرنک دو جو ایک پل میں آپ کو جنت پہنچا دے۔"

بارٹینڈر دھیرے سے مسکرایا پھر پوچھا۔

"کیا تم پر یقین ہو کہ سٹرونگ ڈرنک جھیل پاؤ گی کیونکہ جو میں دیکھ رہا ہوں تم پینے سے پہلے ہی جھوم رہی ہو۔"

جواب میں اس نے بارٹینڈر کو انگلی کے اشارے سے قریب بلایا۔ جب وہ تھوڑا قریب ہوا تو اس کے کان کے قریب چیخی۔

"تم کچھ نہیں جانتے ہو۔ میں عادی ہوں سخت چیزیں جھیلنے کی۔ چاہے وہ انسان ہوں یا شراب۔"

پھر خود ہی بے ہنگم قہقہہ لگا کر ہنسی تھی۔ بارٹینڈر بھی مسکراتا ہوا پلٹ کر اپنا کام کرنے لگا۔ لیزا اور جیز مین نہ جانے کہاں کھپ بھی چکی تھیں۔ اس نے دو ڈرنکس اندر چھینکی اور ڈانس فلور کا رخ کیا۔ انجان چہروں اور جسموں کے درمیان وہ اکیلی تھی۔ اتنے سارے رش میں اپنے آپ میں مگن ناچتی چلی جا رہی تھی۔ تین گانوں پہ ناچتے ہوئے جب پیاس کا احساس ہوا تو واپس بار کی طرف آئی اور سادہ پانی پینے کی بجائے چار شوٹ کا آرڈر کیا۔

بار کے گرد پڑی سیٹوں پہ اور بھی کئی لڑکیاں لڑکے موجود تھے۔ دو شوٹ لگا کر اپنے ہاتھ پہ ڈالا نمک چاٹ رہی تھی۔ جب نتھنوں سے ایک جانی پہچانی خوشبو ٹکرائی۔ کچھ جو رہے سہے حواس بچے تھے یکدم ٹھٹک گئے۔ وہ بار کے اوپر دونوں کہنیاں ٹکائے آگے کو جھک کر بیٹھی تھی وہیں سے اپنا سر دائیں طرف موڑ کر دیکھا۔ ساتھ والی سیٹ خالی تھی۔ وہ قدرے پرسکون ہوئی مگر خوشبو ابھی بھی وہیں موجود تھی پھر اس نے دائیں بائیں سر موڑ کر دیکھا تو ایک اکیس بائیس سالہ گورا مرد بیٹھا پایا تو بے اختیار اسکے بازو پہ ہاتھ مار کر ہنس پڑی۔ دوسری طرف وہ بھی نشے میں ہی لگ رہا تھا۔ پر ہلکا سا گھور کر پوچھنے لگا۔

”مجھے یوں کیوں مارا پاگل لڑکی؟“

جواب میں اس نے ہنستے ہوئے ایک دفعہ پھر وہی عمل دہرایا اور بولی۔

”غصہ نہ کرو، اصل میں جو خوشبو تم نے لگائی ہوئی ہے اسے سونگھ کر میں ڈر گئی تھی کہ کہیں وہ تو نہیں آ گیا۔ پر اس کے بجائے تمہیں دیکھ کر مجھے بہت زیادہ خوشی ہوئی ہے اس لئے خوشی میں ہاتھ اٹھ گیا۔“

اسے تفصیل سے بتاتے ہوئے اس نے اپنے آگے رکھے شوٹ کے چھوٹے گلاسوں میں سے ایک گلاس اٹھا کر اس لڑکے کے سامنے رکھ دیا۔

”یہ لو اسی خوشی میں تم بھی پیو۔“

اس دفعہ وہ بھی ہنس پڑا۔

”عجیب پاگل لڑکی ہو۔ کیا ہمیشہ خوشی کے اظہار کے طور پر لوگوں کو پیٹتی ہو؟“

”ارے نہیں بس آج ہی بے اختیاری میں ایسا کیا۔ اصل میں یہ خوشبو وہ بھی لگاتا ہے۔“

گورے نے ڈرنک اندر پھینکی اور جھرجھری لے کر پوچھا۔

”وہ کون؟ تمہارا بوائے فرینڈ؟“

اس دفعہ اس کا قہقہہ بھی بلند ہوا۔

”نہیں ہرگز نہیں۔ وہ میرا دوست تھا۔ مگر دوست ثابت نہ ہوا۔“

گورے کو تعجب ہوا۔ ”یہ کیا بات ہوئی۔ دوست تھا اور دوست ثابت نہ ہوا۔“

وہ نفی میں سر ہلاتی ہوئی بولی۔

”تم نہیں سمجھو گے کیونکہ تم جانتے ہی نہیں ہو۔“

پھر تھوڑی دیر تک خاموشی سے اپنے سامنے رکھے خالی اور بھرے گلاسوں کو دیکھتی رہی اور ایک دم پھر اس سے مخاطب ہوئی۔

”تمہیں بتاؤ؟ میں مسلمان ہوں اور کچھ ماہ پہلے میں جانتی تک نہ تھی کہ کبھی اس ماحول میں بیٹھ کر تم سے بات کر رہی ہوں گی اور یہ جو شراب ہے ناں اس کو حرام مانتی تھی۔ کبھی زندگی میں چھونے تک کی تمنا نہ تھی۔“

نہ جانے وہ واقعی پر تجسس تھا یا یونہی بات بڑھا تھا۔ ''تو اب کیوں پیتی ہو؟''

''کیونکہ میں بھولنا چاہتی ہوں۔''

''کیا بھولنا چاہتی ہو؟''

تھوڑی دیر خاموشی رہی پھر اس کی جانب رخ کر کے بولی تو آنسوؤں کی آمیزش شامل تھی۔

''اپنے بیٹے کو بھولنا چاہتی ہوں۔''

اب وہ گورا حیران ہوا۔ ''پاگل ہو۔ کون ماں اپنے بچے کو بھولنا چاہتی ہے۔''

''میں! مجھ جیسی ماں واقعی بھولنا چاہتی ہے۔''

''کیا عمر ہے تمہارے بیٹے کی؟''

''چار ماہ دو ہفتے۔''

''اتنا چھوٹا بچہ ہے تمہارا اور تم اندھا دھند شراب پی رہی ہو۔''

''وہ اگر میرے پاس ہوتا تو میں شراب کیوں پیتی۔ وہ اگر میرے پاس ہوتا تو میں یہاں کیوں ہوتی۔ پھر میں جو ہوں وہ کیوں ہوتی۔ جیسے محمد میرے بارے میں سب کچھ جانتا تھا اسی طرح میں فراز کے بارے میں سب کچھ جان گئی تھی۔ میں نے اس کو اس کی بیوی اور بیٹے کے ساتھ میکڈونلڈ میں لنچ کرتے دیکھا تھا۔ اپنی ان آنکھوں سے دیکھا تھا۔ جانتے ہو اگر مجھے ذرا بھی علم ہوتا کہ آدمی یوں میرے بیٹے کو مار دے گا میں کبھی مر کر بھی اسے نہ بتاتی۔ اس دن ڈاکٹر نے سکین کیا تھا۔ میرے ہاتھوں میں میرے بیٹے کی سکین کے دوران لی گئی تصویر تھی۔ تم دیکھنا چاہتے ہو ابھی بھی میرے پاس ہے۔ میں ہر وقت یہ تصویر اپنے ساتھ رکھتی ہوں۔ نینسی سے کہہ کر میں نے فلیٹ سے منگوائی تھی۔''

بات کرتے کرتے اس نے اپنے والٹ میں سے ایک سکین کی تصویر کاؤنٹر پہ گورے کے ساتھ رکھ دی۔

''یہ ہے میرا بیٹا۔ دیکھو اس کے اوپر بھی اس کی عمر لکھی ہوئی ہے۔ چار ماہ دو ہفتے۔''

کچھ لمحے وہ اپنے آپ پہ قابو پاتی رہی پھر سامنے رکھا گلاس ایک ہی گھونٹ میں خالی کیا۔ گورا اب تشویش اور ہمدردی سے خاموش بیٹھا صرف سن رہا تھا۔

”اس دن میں بڑی خوش تھی۔ سوچا فراز کو بتا دیتی ہوں اور ساتھ یہ بھی کہہ دوں گی کہ وہ اپنی بیوی کے پاس چلا جائے مجھے کوئی اعتراض نہیں مگر اس نے کچھ سنا ہی نہیں۔ بچے کا سن کر ہی آپے سے باہر ہو گیا۔ اس نے میری کوئی التجا کوئی دھمکی سنی ہی نہیں اور اس بے دردی سے میرے بیٹے کو مار دیا۔ میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ وہ ایسا بھی کر جائے گا مگر وہ ایسا کر گیا۔“

تھوڑی دیر پھر وہ خاموش ہو گئی۔ اس کی آنکھوں کا میک اپ پھیل گیا تھا۔

”اور جانتے ہو دوسری طرف میرا دوست محمد...... اصل میں اب تو مجھے یہ نہیں کہنا چاہئے کیونکہ نہ محمد اصل تھا نہ شمیم...... وہ دونوں صرف گیٹ اپ تھے حدید کے روپ میں...... میں یہ سب آج اِدھر اتنے یقین سے نہ کہہ پاتی اگر اس کی دوست نے ساری حقیقت نہ بتائی ہوتی۔ اور جانتے ہو اس کی دوست کون ہے۔ میرے شوہر کی دوسری بیوی ”لیلیٰ“ مگر اب وہ لیلیٰ کے ساتھ نہیں ملتا کیونکہ میں نے لیلیٰ کے شوہر کو معاف کر دیا تھا۔ میں نے اس آدمی کے خلاف کیس واپس لے لیا کہ جس کے تشدد سے میرے جسم کا کوئی حصہ نہیں بچا اور جس نے آخری روز وہ گھاؤ لگایا کہ جو ساری عمر نہیں بھرنا مگر میں نے اسے معاف کر دیا۔ جانتے ہو کیوں؟ اس کی بیوی اور بچے کی وجہ سے۔ مجھ سے میرا بچہ چھینا گیا ہے اور اس تکلیف کو میں جانتی ہوں اور ویسے بھی اگر انسان کو ضمیر کی مار ہی نہیں تو اسے سولی بھی لٹکا دو گے وہ خود کو ہی برحق سمجھے گا۔

جانتے ہو اگر اس کو علم ہو جائے کہ میں شراب پیتی اور کلبوں میں غیر مردوں کے ساتھ ناچتی ہوں تو وہ مجھے جان سے بھی مار سکتا ہے۔“

بہت دیر بعد گورے کی طرف سے سوال آیا تھا۔

”کون تمہارا شوہر؟“

اب کی بار وہ ہنسی۔

”میرا اب کوئی شوہر نہیں ہے۔ طلاق ہو گئی ہے اور اس نے کروائی ہے جس کی میں بات کر رہی ہوں اور اس کا نام حدید ہے، محمد یا شمیم۔ مجھے کوئی علم نہیں۔ میں نہیں جانتی وہ ہے کون، کہاں رہتا ہے، کیا کرتا ہے۔ میری زندگی میں کیوں آیا۔ کیسے آیا مگر وہ مجھے بہت یاد آتا ہے۔“

ایک دفعہ پھر آنسوؤں کی آمیزش ظاہر ہوئی تھی اور اس کی پشت کی جانب پتھر بنے آدمی نے بے قراری سے پہلو بدلا تھا۔

”جب میں اپنے بیٹے کو یاد کر کے تھک جاتی ہوں تو اسے یاد کرتی ہوں۔ وہ بہت پہلے چاہتا تھا کہ میں فراز کو چھوڑ دوں مگر میں یہی کہتی رہی کیوں اپنا شوہر چھوڑوں مگر اب میں سوچتی ہوں کہ چھوڑ دیتی تو شاید آج میرا بیٹا زندہ ہوتا۔“

اب وہ زار و قطار رونے لگی تھی۔

”میرا جی چاہتا ہے کہ میں حدید کے پاس جاؤں اور اس سے پوچھوں کہ مجھے بتاؤ میرا اور میرے بیٹے کا قصور کیا تھا؟ ہم لوگوں کو کس جرم کی سزا ملی ہے؟ میرا جی چاہتا ہے میں اس سے ایک بار ضرور ملوں اور اس کے سامنے بیٹھ کر ڈھیر سارا روؤں کیونکہ اللہ اور اس کے رسول کے بعد اس دنیا میں ایک وہی میرے دکھ سے واقف ہے۔ وہ میرے جسم و روح کے ہر زخم کا گواہ ہے۔“ روتے روتے ایک دم پھر سے ہنسی۔

”ویسے اتنی باتیں بتا دیں۔ اب ایک کام کی بات بتاؤں؟“ گورے کا جواب سنے بغیر بولی۔ ”پچھلے تیرہ ماہ سے جن لوگوں کے ساتھ رہ رہی ہوں اور چھ ماہ سے جہاں جاب کر رہی تھی اور جن دوستوں کے ساتھ ہر روز باہر جاتی ہوں کبھی ان کے سامنے اس طرح خود کو کھول کر بیان نہیں کر پائی کبھی یوں بے اختیاری نہیں چھائی۔ مگر آج سب بول دیا اور تم یہ نہ سمجھنا کہ تم سے دکھڑا اشیئر کیا ہے۔ یہ جو تم نے خوشبو لگائی ہوئی ہے ناں اسے سونگھ کر آج بہت عرصے بعد لگا جیسے کوئی اپنا ملا ہے۔ تو ساری باتیں تمہارے ساتھ نہیں ہیں اس خوشبو کے ساتھ کی ہیں۔ ویسے میں سوچ رہی ہوں مجھے بھی یہ پرفیوم خریدنا چاہیے۔ نام بتاؤ جلدی؟“

”کس کا نام؟“ گورا کنفیوز ہوا۔

”جو پرفیوم لگایا ہوا ہے اس کا نام بتاؤ؟“

”پتا نہیں کیا کہہ رہی ہو۔ مجھ سے سوائے شراب کے اور کوئی خوشبو نہیں آسکتی کیونکہ میں نے کوئی پرفیوم نہیں لگایا ہوا۔ ہاں البتہ یہ جو آدمی ہمارے پیچھے کھڑا کب سے ہماری باتیں سن رہا ہے اس نے ضرور کوئی پرفیوم لگایا ہوا ہے۔“

وہ جو سر کاؤنٹر پر رکھے آنکھیں بند کیئے پڑی تھی۔ گورے کی بات پہ یکدم کرنٹ کھا کر سر اٹھایا اور مڑ کر دیکھا۔ آنکھوں کے آگے گول گول گھومتے ہوئے دائروں میں کچھ پلوں کو وہ چہرہ واضح تھا۔ نوال نے بہت چاہا کہ آنکھیں بند نہ ہوں کیونکہ وہ اسے جی بھر کر دیکھنا چاہتی تھی۔ نہ جانے زندگی میں پھر کبھی کوئی شناسا چہرہ دیکھنے کو ملتا کہ ناں۔ آخری احساس اپنی طرف اٹھتے دو بازوؤں کا تھا جنہوں نے مضبوطی سے تھام کر اسے گرنے سے بچایا تھا اور دوسرا احساس اس خوشبو کا تھا جو پہلے سے تیز ہو کر حواس پہ چھاتی تھی۔ اس کے آگے اس کا ذہن مکمل غنودگی میں چلا گیا۔ حدید نے بڑی احتیاط کے ساتھ اس کے گرد بازوؤں کا حلقہ بنا کر اسے اپنے ساتھ لگایا تھا۔ کاؤنٹر پہ رکھے نوال کے والٹ میں سے چابی نکال کر بارٹینڈر کی طرف بڑھائی۔

ہ" یہ چابی اس کی ساتھیوں کو دے دینا۔ اور اُنکو بتا دینا نوال اپنے گھر چلی گئی ہے۔"

بھیڑ میں سے راستہ بناتا وہ سنجیدہ چہرہ لیے بار سے باہر آیا۔ باہر کی سردی بھی نوال کے جسم میں کوئی حرکت نہ جگا سکی۔ مضبوط قدم اُٹھاتا وہ اپنی گاڑی تک آیا۔ نوال کا چہرہ حدید کی گردن کو مس کر رہا تھا۔ ملائم جلد حدید کی داڑھی سے کھیل رہی تھی۔ اُسکے شیمپو کی خوشبو حواس بیدار کرنے کو کافی تھی۔ مگر وہ مکمل طور پر بے حس بنا ہوا تھا۔

وہ اُسکے سارے اعتراف اپنے کانوں سے سُن کر اندر سے بُری طرح سے ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو رہا تھا۔ جی چاہ رہا تھا۔ اسکو یونہی پکڑ کر جی بھر کر روئے۔ اور جب آنسو خشک ہوں۔ نوال کے سارے دُکھ دُھل جائیں۔ نینسی نے سچ کہا تھا۔ نوال اب پہلے والی نوال کبھی نہیں بن سکتی تھی۔ یہ ایک نئی نوال تھی۔ جسکو دیکھ کر دل اور بھی تڑپ گیا تھا۔ وہ یہاں آتے وقت پورے غُصے میں تھا۔ مگر اب غُصے کی جگہ گہرے غم نے لے لی تھی۔ وہ اس عورت کے لیے دُکھی تھا۔ جس سے اُسکو محبت تھی۔ وہ اُسکے لیے وہ کچھ کر گیا تھا۔ جو کرنے کا کبھی سوچا تک نہ تھا۔ اور ابھی نہ جانے اور کیا کُچھ کر جانا چاہتا تھا۔

اس شہر سے دور اِک کُٹیا ہم نے بنوائی ہے

اور اُس کُٹیا کے دروازے پہ لکھوایا ہے

اب مایا ہے' سب مایا۔۔۔

مانچسٹر سے گلاسگو موٹروے پر کار کے سفر میں نوال ایک دو دفعہ غنودگی میں بُڑ بڑائی ضرور مگر جاگی نہیں۔

دن نکلنے والا تھا جب گلاسگو شہر سے پیچھے ہی حدید نے گاڑی موٹر وے سے اُتار کر قریبی آبادی کو ڈال لی۔ پھر آبادی سے نکل کر بہت آگے جا کر پہاڑوں پہ کھیتوں کے درمیان موجود اُس گھر کی پارکنگ میں گاڑی روکی۔

جب تک انجن بند کر کے وہ گاڑی سے باہر نکلا گھر کا دروازہ کھُلا اور ایک ادھیڑ عمر گوری باہر آئی۔

"ہیلو سر۔۔"

آواز پہ وہ چونکا۔۔". ہیلو ربیکا۔۔۔میرے کمرے کی صفائی کی ہوئی ہے؟۔۔"

"جی سر کمرہ ہمیشہ کی طرح صاف سُتھرا ہے۔"

"آج میں تمہاری مالکن کو لیکر آیا ہوں۔اس وقت ٹھیک حالت میں نہیں ہے۔اسکے لیے کوئی آرام دہ لباس کا انتظام کرو۔بہتر یہی ہے۔میری کبرڈ میں سے کچھ ڈھونڈ لو۔"

ربیکا کو زیادہ سوال کرنے کی اجازت نہ تھی۔مگر حیرت اُسکے چہرے پہ صاف پڑھی جا سکتی تھی۔حدید نے سیٹ پہ پڑے بے ترتیب نازک وجود کو احتیاط سے باہوں میں اُٹھا کر اندر کا رُخ کیا۔

سیڑھیوں کی جانب بڑھتے ہوئے گردن موڑ کر ربیکا کو ہدایت دی۔

"اسکو بخار ہے۔میڈیکل باکس لاؤ ساتھ میں پانی کا باؤل اور صاف تولیے بھی۔۔۔جلدی۔۔۔"

ربیکا اُسکے پیچھے ہی آرہی تھی۔جی اچھا کہتی وہیں سے کچن کو مُڑ گئی۔

جبکہ وہ ہموار قدموں سے سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آیا۔ترتیب میں بنے تیسرے دروازے کو پیر کی ٹھوکر سے کھولتا ہوا اندر آیا۔اندھیرے کمرے میں ہی اندازے سے بیڈ تک آیا۔

دھیرے سے اسکو بیڈ پہ ڈال کر سب سے پہلے لائٹ جلائی۔پھر اُسکے جوتے اُتارے اور کمبل اوڑھا دیا۔

اپنی جیکٹ اُتار کر ایک سائیڈ پہ ڈالی۔کف فولڈ کر رہا تھا۔جب ربیکا مطلوبہ چیزیں لیکر اندر آئی۔بیڈ سائیڈ میز پہ رکھ رہی تھی۔جب نوال کے وجود میں حرکت ہوئی۔۔ہلکی سی کھانسی شروع ہوئی اور کل رات کی پی ساری شراب منہ کے راستے پیٹ سے نکل گئی۔

ربیکا آنکھیں پھاڑے دیکھ رہی تھی۔ایک نظر حدید کو دیکھا جسکی نظروں میں صرف تشویش تھی۔

دھیمے سے بولا۔۔

"دوسری شیٹس لاؤ۔۔اور اسکا لباس بھی۔۔"

خود اُس نے تولیہ گرم پانی میں ڈبویا اور نوال کا چہرہ صاف کرنے لگا۔سفید تولیہ میک اپ سے کالا ہو گیا۔ اُس نے ایک دفعہ پھر پانی میں ڈبو کر اُسکی گردن صاف کی۔۔۔بال صاف کیئے۔۔۔نوال کا جسم بخار کہ شدت سے دہک رہا تھا۔آنکھیں پوری طرح بند تھیں۔لب نیم وا تھے۔

حدید کے چہرے پہ نہ قابل فہم تاثرات تھے۔اُس نے نوال کا ہاتھ پکڑا۔۔۔کمزور سے ہاتھ جن پہ گہرے کالے رنگ کی نیل پالش لگی ہوئی تھی۔

وہ نہ جانے کب تک یونہی اُسکا ہاتھ تھامے بت بنا کھڑا رہتا۔ربیکا کی آواز نے حال میں بُلایا۔

اُس نے ایک دفعہ پھر اُسکو اُٹھایا۔ربیکا نے شیٹ بدلی۔وہ نوال کو واپس ڈال کر باہر نکل گیا۔

جب تک وہ شاور لیکر فریش ہو کر آیا۔ربیکا نوال کی پیشانی پہ ٹھنڈے پانی کی پٹیاں رکھ رہی تھی۔نوال کے گلے سے نکلنے والی آواز بتا رہی تھی۔جیسے وہ بڑی تکلیف میں ہو۔

اُس نے آگے بڑھ کر نوال کی نبض دیکھی۔جب حدید کے ٹھنڈے ہاتھ نے نوال کی گرم کلائی کو چھوا حدید نے اُسکے لوئیں کھڑے ہوتے محسوس کیئے۔اُسکو یقیناً ٹھنڈ لگ رہی تھی۔یہی ہوا تھوڑی دیر بعد وہ بُری طرح سے کانپ رہی تھی۔

ربیکا نے اُسکو ایک اور کمبل اوڑانا چاہا۔جس پہ حدید نے حیرت کا اظہار کیا۔

"یہ کیا کر رہی ہو؟۔۔"

"انکو ٹھنڈ لگ رہی ہے۔اسلیے۔۔۔"

"نہیں اسکی ضرورت نہیں ہے۔ایک ہی کمبل بہت ہے۔بلکہ تھوڑی دیر کے لیے یہ بھی اُتار دو۔"

"مگر سر وہ کانپ رہی ہیں۔"

"ہاں تو اچھی بات ہے۔اسکا مطلب ہے اسکا جسم ہیٹ خارج کر رہا ہے۔تھوڑی دیر بعد اسکے بُخار میں کمی ہو جائے گی۔"

حدید نے باکس سے چار گولیاں نکال کر اُنکا پاؤڈر بنایا۔

اُس نے پاؤڈر والا چمچ ربیکا کو تھمایا۔

"یہ اور پانی کا گلاس پکڑ کر ادھر کھڑی ہو جاؤ جب کہوں مجھے دینا۔"

ربیکا اُسکی ہدایت پہ عمل کرتے ہوئے سر اثبات میں ہلا کر چیزیں تھام کر کھڑی ہوگئی۔

حدید بیڈ پہ نوال کے قریب بیٹھا اُسکا سر سرہانے سے ہٹا کر اپنی گود میں رکھا۔ایک اُنگلی اُسکے منہ میں ڈالی جس پہ نوال نے شدید احتجاج کیا۔اپنے دانتوں کے درمیان رکھی حدید کی اُنگلی پہ پوری قوت کے ساتھ دانت بند کیئے۔

حدید کے منہ سے ہلکی سی آواز نکلی۔۔مگر اُس نے ہاتھ ہٹایا نہیں۔ایک ہی بار میں سارا پاؤڈر پانی کے ساتھ اُسکے حلق میں اُتار دینے کے بعد اپنی اُنگلی کو اُسکے دانتوں سے آزاد کروایا۔

شہادت کی اُنگلی پہ دانتوں کے واضح نشان دیکھ کر اُسکے ہونٹوں پہ مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"تمہاری یہ حرکت دیکھ کر کوئی بھی یہ یقین نہ کرے کہ تم اتنی بیمار اور کمزور ہو۔"

ربیکا نے تعجب سے اُسکی مسکراہٹ دیکھی۔اُردو میں بولے جانے والا فقرہ اُسکی سمجھ میں نہ آسکا تھا۔حدید نوال کا سر واپس سرہانے پہ ڈالنے کے بعد ربیکا سے مخاطب ہوا۔

"یہاں سے سب گند ہٹا دو ربیکا۔اور اسکے بعد میرے لیے ناشتہ بنا دو۔دوا کو اثر کرنے میں تھوڑی دیر لگے گی۔مگر یہ اب آرام سے سوتی رہے گی۔"

"جی سر میں ناشتہ بنا کر واپس یہی آجاؤنگی۔ان پہ نظر رکھونگی کہیں پھر سے سک نہ ہوں۔"

"شکریہ ربیکا مگر اسکی ضرورت نہیں پڑے گی۔"

"کیوں سر۔۔۔"

"کیونکہ میں خود یہاں موجود ہوں۔"

"پر سر۔۔۔"

"ربیکا۔۔۔جیفری کو بتا دینا۔میرے لیے کوئی فون آئے۔پیغام لیکر فون بند کر دے۔"

"جی سر۔۔۔ناشتہ اوپر لیکر آؤں۔۔"

"نہیں شکریہ۔۔اتنی تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔میں وہیں آ کر کھالونگا"

"اس میں تکلیف والی کوئی بات نہیں ہے سر۔۔"

"شکریہ ربیکا۔۔۔اب تم جا سکتی ہو۔"

"جی سر۔۔۔"

ربیکا سارا سامان لیکر نکل گئی۔

اُس نے نوال کی پیشانی کو محسوس کیا۔جو ابھی بھی تپ رہی تھی۔واش روم سے ہینڈ سائز تولیہ ٹھنڈے پانی میں بھگو کر اُسکی پیشانی پہ رکھا۔تین چار دفعہ یہی عمل دُہرایا۔کہیں جا کر نوال کے جسم کا درجہ حرارت نیچے آیا۔

اچھے سے کمبل اوڑھا کر ناشتے کے لیے نیچے آ گیا۔

جیفری بھی وہیں بیٹھا اخبار پڑھتے ہوئے کافی پی رہا تھا۔

"صبح بخیر جیفری۔۔۔"

اُس نے اپنی جگہ سنبھالتے ہوئے کہا۔جسکے جواب میں جیفری کپ رکھ کر اپنی جگہ کھڑا ہوا۔

"صبح بخیر سر۔۔"

اُس نے ہاتھ کے اشارے سے جیفری کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"سر مس گریس کل سے چار دفعہ فون کر کے آپ کا پوچھ چکی ہیں۔"

اُسکی توجہ اپنے سامنے رکھے گئے کھانے پہ تھی۔ایک پراٹھا' دو انڈے' اچار اور ایک عدد کافی کے کپ کے ساتھ پانی کا گلاس۔۔

"پہلے کیوں نہیں بتایا؟۔۔"

"سر وقت ہی نہیں ملا۔۔آپ پہلے ہی کافی پریشان تھے۔"

"پھر بھی یار۔۔۔کیا تمہارا اُس سے رابطہ ہوا۔وہ ٹھیک تو ہے؟۔۔"

"پتا نہیں سر۔۔اُنہوں نے کہا آپ سے بات کرنا چاہتی ہیں۔میں نے پیغام لینا چاہا تو انکار کر دیا۔"

"ابھی فوراً رابطہ کرو۔ہو سکتا ہے۔اُسکی طبیعت ٹھیک نہ ہو۔"

ابھی جیفری اپنی جگہ پہ بیٹھا ہی تھا۔ جب اُسکے موبائل کی بیل ہونے لگی۔ جیفری حدید اور ربیکا سے معذرت کرتے ہوئے فون سُننے لگا۔ حدید بے نیازی کے ساتھ کھانے میں مصروف تھا۔ ذہن اوپر اُسکے بیڈروم میں موجود عورت کی جانب تھا۔ وہ سوچ رہا تھا۔ آیا جب وہ ہوش میں آئے گی۔ اُسکو یاد رہے گا اُس نے نشے کی حالت میں حدید کے حوالے سے کیسے جذبات کا اظہار کیا تھا۔ اُسکو پورا یقین تھا۔ نوال کو کُچھ بھی یاد نہیں ہونا۔ مگر وہ اُس پہ ظاہر ہو چکی تھی۔ جس بات نے حدید کو اپنے فیصلے پہ مزید مستحکم کر دیا تھا۔ اب یہ کہیں نہیں جائے گی۔ میں اسکو دوبارہ سے کھونے والا نہیں ہوں۔

"سر فون پہ آپکی امی آپ سے بات کرنا چاہ رہی ہیں۔"

جیفری کی آواز نے اُسکو خیالی دنیا سے نکالا۔۔۔

جیفری کا فون والا ہاتھ اُسکی جانب بڑھا ہوا تھا۔

اُس نے فون لیکر کان سے لگایا۔

"اسلام وعلیکم امی۔۔۔کیسی ہیں۔؟۔۔"

"احمد اس سے پہلے کہ مجھے ہارٹ اٹیک آ جائے۔ مجھے بتا دے یہ عورت گریس کون ہے؟۔۔"

ماتھے پہ تیوری آئی۔۔۔

"آپ کو کہاں ملی؟۔۔"

"گھر پہ آئی بیٹھی ہے۔ احمد جو وہ کہہ رہی ہے۔ کیا وہ سچ ہے؟۔۔"

سعدیہ کی آواز سرگوشی میں تھی۔

"آپ کیوں پریشان ہو رہی ہیں؟۔۔تحمل سے رہیں۔ اتنا سیریس لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ نہ ہی کوئی اس دنیا سے باہر کی بات ہے۔ میں جیفری کو بھیج رہا ہوں۔ آپ گریس کو اُتنی دیر جانے نہیں دینا۔"

"تم گھر کب آ رہے ہو؟۔۔تمہیں مجھے ساری سچائی بتانی پڑے گی۔"

"امی میں کہیں بھاگ نہیں رہا ہوں۔ میں اپنے گھر پہ ہوں۔ مجھے ایک دن کا وقت دیں۔ میں خود آ کر آپ کو ساری بات بتاؤنگا۔ مجھ پہ یقین تو ہے نا؟۔۔"

”تم وہاں گاؤں میں کیا کر رہے ہو۔ مجھے پتہ تھا کہیں آفس کے سلسلے میں باہر گئے ہو۔“

”گیا تھا۔ مگر نجی کام کے سلسلے میں۔ واپسی پہ ادھر آیا ہوں۔ کل گلاسگو آؤنگا۔“

”تم جانتے بھی ہو وہ کیا دعویٰ کر رہی ہے۔“

”ماں جو وہ کہہ رہی ہے۔ وہ سچ ہے۔ مگر وہ سچ کیوں ہے۔ اُس کے بارے میں ہم بعد میں بات کریں گے۔ ابھی میں تھوڑی دیر تک سونا چاہتا ہوں۔ مجھے اُمید ہے آپ تحمل مزاجی سے حقیقت کو قبول کریں گی۔“

”احمد۔۔۔“

”جی۔۔“

”کل ہر حال میں تم میری طرف نہ آئے تو میں وہاں آ جاؤنگی۔“

”جی میں سمجھ رہا ہوں۔“

”اچھی بات۔۔۔ اچھا بس اتنا بتادو۔ کیا واقعی وہ تمہاری۔۔“

”امی۔۔۔ کل بات کریں گے۔ اور آمنے سامنے بیٹھ کر بات ہوگی۔ اللہ حافظ ابو کو سلام دے دیجئے گا۔“

فون جیفری کی جانب بڑھاتے ہوئے بڑبڑایا۔

”یہ عورت اتنی بے صبری ہے۔ اسکو میرے گھر کا پتا کہاں سے ملا ہوگا؟۔۔“

سوالیہ نظروں سے جیفری کو دیکھا۔ جس نے لاعلمی سے کندھے اُچکاتے ہوئے کہا۔

”کچھ کہا نہیں جا سکتا۔“

اُس نے اپنا کافی کا کپ اُٹھایا۔

”خیر تم جاؤ اُسکو یہاں لیکر آؤ۔ میں جاننا چاہونگا آخر ایسی کیا ایمرجنسی آ گئی۔ اُسکو میرے گھر جانا پڑا۔“

”جی سر۔۔۔“

جیفری وہیں سے مُڑ گیا۔

جبکہ اُس نے اطمینان سے اپنا ناشتہ ختم کیا۔ اُسکے میز چھوڑتے ہی ربیکا برتن اُٹھانے لگی۔

”جیفری کے ساتھ گریس آئے تو اُسکو گیسٹ روم کھول دینا۔ مجھے اُٹھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اُسکی

ضرورت کا خیال رکھنا۔ میں اُٹھ کر اُس سے ملونگا۔"

"جی بہتر سر۔۔۔"

وہ اوپر اپنے کمرے میں آیا۔ سب سے پہلے نوال کی پیشانی چھو کر دیکھی۔ پھر نبض چیک کی۔ تسلی ہو جانے کے بعد اُس نے مین لائٹ بند کر کے لیمپ جلایا۔

بیڈ پہ دوسری جانب پڑا سرہانا اپنی مرضی کے مطابق سیٹ کر کے اُسکی نرماہٹ پہ سر رکھ کر لیٹ گیا۔

آج بہت عرصے کے بعد آنکھیں بے اختیار بند ہو رہی تھیں۔ مگر وہ پوری کوشش کر کے اُنہیں کُھلا رکھ رہا تھا۔ کیونکہ نوال کا چہرہ آنکھوں کے بالکل سامنے تھا۔ اتنا قریب کہ ہاتھ بڑھا کر چھُوا جا سکتا تھا۔ پوری طرح دسترس میں تھا۔ مگر وہ اُسکو چھو نہیں سکتا تھا۔ ابھی اجازت نہیں تھی۔ ابھی اُس پل کا انتظار کرنا تھا۔ جب وہ دسترس میں ہونے کے ساتھ ساتھ ملکیت میں بھی ہوگی۔

نہ جانے کب اُسکی آنکھ لگی۔ وہ سویا بھی یا جاگتا ہی رہا۔ کمرے میں گلاس کے گرنے کی آواز پہ اُسکی آنکھ کُھلی تھی۔ ساتھ ہی ربیکا کی منتیں۔۔اور نوال کی غُصے اور ضد سے بھری آواز۔۔

"پلیز آپ پاؤں نیچے مت اُتاریں۔ سارے فرش پہ کانچ بکھرا ہوا ہے۔ پاؤں زخمی ہو جائینگے۔"

"مجھے چھوڑو بُری عورت۔۔۔!!۔۔ میں نے سکین کے لیے جانا ہے۔ ڈاکٹر نے مجھے آج کے دن بُلایا تھا۔ تم اپنے ہاتھ میرے کندھوں سے ہٹا لو ورنہ میں تمہارے منہ پہ مُکا مار دونگی۔ تم مجھے فراز کی شناسہ لگتی ہو۔ تمہیں بھی میرا بچہ پسند نہیں ہوگا۔ میں اپنے بچے کو تم سب لوگوں سے بہت دور لے جاؤنگی۔"☆

وہ اُردو میں بول رہی تھی۔ ربیکا انگریزی میں سر کھپا رہی تھی۔ نوال کو تو ربیکا کی سمجھ آ رہی تھی۔ مگر ربیکا کے کُچھ پلے نہ پڑ رہا تھا۔

"کیا ہوا ہے؟۔۔۔"

اُس کو پوچھنا پڑا۔۔

اُسکی آواز سُنتے ہی دونوں خواتین نے ردِ عمل دیکھایا۔ ربیکا نے شُکر ادا کیا تھا۔ جبکہ نوال کے لبوں سے نام پھسلا تھا۔

"محمد۔۔۔"

"سر میں نے زبردستی انکو ایک ٹوسٹ کھلایا ہے۔مگر یہ بیڈ سے نکلنے پہ بضد ہیں۔ہاتھ مار کر گلاس گرا دیا ہے۔اُسی گلاس کے کانچ سے پاؤں زخمی کرنے پہ تلی ہوئی ہیں۔"

وہ ربیکا کے ہاتھوں کو مسلسل جھٹکتے ہوئے۔بیڈ سے اُٹھنے کی کوشش میں مصروف تھی۔

حدید نے وہیں سے ہاتھ بڑھایا نوال کو کمر سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچا۔۔

"کیا کر رہی ہو؟۔۔"

"شکر ہے محمد تم آ گئے۔یہ پاگل عورت مجھے اپوائنٹمنٹ سے لیٹ کروانے والی تھی۔"

حدید کی جانب نوال کی پُشت تھی۔وہ جانتا تھا۔وہ اُسکا چہرہ دیکھے بغیر آواز سے ہی پہچان رہی تھی۔

"اچھا اتنا غصہ کیوں ہو رہی ہو۔ڈاکٹر کے پاس تمہیں میں لے جاؤنگا۔تم پہلے یہ دوا کھا لو۔اُسکے بعد ہم چلیں گے۔"

وہ بیڈ پہ بیٹھا ہوا تھا۔نوال کی پُشت اُسکے سینے سے لگی ہوئی تھی۔۔

وہ یک دم زاروقطار رونے لگی۔

"میں جانتی ہوں۔میں سب جانتی ہوں محمد تم جھوٹ بول رہے ہو۔اُس کی طرح تم بھی جھوٹے ہو۔یہ دیکھو۔۔۔"

اُس نے کمر کے گرد رکھا حدید کا ہاتھ اپنے گرم کانپتے ہوئے ہاتھوں میں تھام کر اپنے پیٹ پہ رکھا۔اور روتے ہوئے بولی۔۔۔

"محسوس کر سکتے ہو؟۔۔اب یہاں کوئی نہیں رہتا۔یہاں پہ میں نے زندگی کا وجود خود محسوس کیا تھا۔اب کچھ بھی نہیں ہے۔"

وہ ہارنے والے انداز میں ڈھیلی ہو کر لیٹ گئی۔سارا وزن حدید پہ ڈال دیا۔جس نے اپنے چہرے پہ جاگنے والی اذیت ربیکا سے چُھپانے کی خاطر اپنا چہرہ نوال کے اُلجھے بے ترتیب بالوں میں چُھپا لیا۔

"ربیکا جو گولیاں صبح دی تھیں۔وہی نوال کو ایک دفعہ پھر دو۔"

"جی سر میں نے نکالی ہیں۔مگر یہ لے نہیں رہی ہیں۔"

"لاؤ میں دیتا ہوں۔"

ربیکا نے گولیاں پلیٹ میں سے اُٹھا کر حدید کی ہتھیلی پہ رکھیں۔ساتھ ہی پانی کا گلاس تھمایا۔

"نوال اگر تم یہ دوا لے لو۔صبح تک بہتر محسوس کرو گی۔"

وہ قہقہہ مار کے ہنسی۔۔۔

"کیا یہ زہر ہے؟۔۔کیونکہ زہر کے سوا کسی دوا میں میری شفا نہیں ہے۔"

"پہلے یہ کھا لو پھر بات کریں گے۔چلو شاباش۔۔۔"

"میرے ساتھ ایسے بات نہ کرو جیسے کسی بچے کو پچکار رہے ہو۔میں عمر میں تم سے بڑی ہوں۔ادب سے بات کرو۔"

"عمر میں تم مجھ سے پانچ سال چھوٹی ہو۔مگر میں ادب کروانے کے موڈ میں ہرگز نہیں ہوں۔منہ کھولو۔۔۔"

نوال نے منہ کھولا۔۔۔حدید نے سر نیچے کر کے اُسکے منہ میں دوا رکھ کر پانی لبوں سے لگایا۔جسے وہ بغیر احتجاج کے پی گئی۔

"تم بھول رہے ہو۔تم نے ہی کہا تھا۔میں عمر میں تم سے بڑی ہوں۔

وہ میرا ایک روپ تھا۔جھوٹ تھا۔تمہارے ساتھ وقت گزارنے کا صرف ایک بہانہ تھا۔اسلیے تب میں نے کیا کہا وہ بھول جاؤ۔۔۔

"میں سونا نہیں چاہتی ہوں۔"

"کیوں؟؟۔۔"

"کیونکہ مجھے خواب میں فراز نظر آتا ہے۔اُسکے ہاتھوں پہ خون لگا ہوتا ہے۔وہ میرا گلا دبانا چاہتا ہے۔میں بڑی کوشش کرتی ہوں۔مگر میں بھاگ نہیں پاتی ہوں۔پھر میں وہاں ٹھنڈے فرش پہ مر جاتی ہوں۔"

اُس نے ساکت بیٹھے حدید کے سینے سے اپنا وزن ہٹایا اور سرہانے پہ سر رکھ کر آنکھیں موند گئی۔

"مجھے نیند نہیں آتی تھی۔پر اب آنکھیں کُھلی رکھنا مشکل لگتا ہے۔وہ سوتے جاگتے دونوں طرح میرے

پیچھے ہی آتا ہے۔میں یہ پرفیوم خریدنا چاہتی ہوں۔مجھے یہ پرفیوم بہت پسند ہے۔“

”کیوں پسند ہے؟“

”پتا نہیں کیوں مگر یہ خشبو احساس دلواتی ہے۔جیسے میں اپنے گھر پہ ہوں۔اپنے ابو کے پاس اور وہاں کوئی دُکھ نہیں ہے۔“

”میں یہ خوشبو تمہیں گفٹ کر دونگا۔“

”تم واقعی محمد ہو یا میرے دماغ میں موجود کوئی آواز ہو۔کیونکہ تمہاری خوشبو آتی ہے۔آواز سُنائی دیتی ہے۔مگر تم نظر نہیں آتے۔“

”وہ اس لیے کیونکہ تم نے اپنی آنکھیں بند کی ہوئی ہیں۔“

”ہاں۔۔۔کیونکہ مجھے ڈر لگتا ہے۔“

”کس بات کا ڈر۔۔۔“

”آنکھیں کھولونگی تو سب ختم ہو جائے گا۔ یہ آواز بھی یہ خوشبو بھی۔۔ باقی بس تنہائی بچے گی۔اور تلخ یادیں۔۔“

ربیکا فرش پہ گرا کانچ صاف کر کے چلی گئی۔۔

”تم آنکھیں کھولو یا بند کرو۔اب کُچھ ختم نہیں ہوگا۔کیونکہ میں تمہارا خیال نہیں ہوں۔میں حقیقت ہوں۔“

وہ بول رہا تھا جبکہ نوال ہلکے ہلکے خراٹے مار رہی تھی۔یقیناً دوا نے اُسکے اعصاب پہ اثر کیا تھا۔پُرسکون ہوتے ہی سو گئی تھی۔

اُس نے کمبل اوڑھایا۔وقت پہ نظر ڈالی شام کے پانچ بج رہے تھے۔یعنی سارا دن اُس نے سو کر گزار دیا تھا۔فریش ہو کر نیچے آیا۔ٹی وی کی آواز پورے گھر میں پھیلی ہوئی تھی۔

وہ سُست روئی سے چلتا ہوا سیٹنگ روم تک آیا۔صوفے پہ پھیل کر بیٹھی گریس اُسکو آتا دیکھ کر سیدھی ہو گئی۔۔

”ہیلو گریس۔۔۔“

”ہائے حدید۔۔میں اس طرح اچانک تمہارے والدین کے گھر جانے پہ معذرت خواہ ہوں۔مگر سٹیون اچانک ہی واپس آیا ہے۔آنے سے پہلے اُس نے بتایا بھی نہیں۔وہ تو شُکر ہے ائرپورٹ سے نکلتے ہی اُس نے اپنی نانی کو فون کیا ہے۔اسطرح میں بروقت وہاں سے نکلنے میں کامیاب ہوئی ہوں۔امی بتا رہی ہے۔وہ دو ہفتے کی چھٹی پر آیا ہے۔میں اس حالت میں اُسکے سامنے نہیں جانا چاہتی ہوں۔تم تو جانتے ہو۔جوان خون ہے۔نہ جانے وہ اس بات کو پسند کرتا ہے۔یا ناپسند کرتا ہے۔کُچھ اگلے ماہ اُسکے امتحان بھی ہیں۔میں اس خاص وقت پہ اُسکو دُکھی کرنا نہیں چاہتی تھی۔میرے پاس صرف ایک ہی حل تھا۔کُچھ دن کے لیے ادھر اُدھر ہو جاوٗں۔امی نے اسکو بتایا ہے۔میں آفس کے کام سے کینڈا گئی ہوئی ہوں۔“

”گریس ڈیئر گریس تمہیں کسی اچھے وقت میں اپنے بیٹے کو اعتماد میں لیکر سچ بتا دینا چاہیے تھا۔“

”میں نے کوشش کی تھی حدید پر پتہ نہیں کیوں بتا نہیں سکی۔مجھے ڈر لگتا ہے۔کہیں وہ میرے عمل کو ناپسند کرتے ہوئے نفرت نہ کرنے لگے۔“

”اگر وہ اُتنا سیانا اور عقل مند لڑکا ہے۔جتنی تم اُسکی تعریفیں کرتی ہو۔تو وہ کبھی بھی تم سے نفرت نہیں کرے گا۔پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔اسکو بھی اپنا ہی گھر سمجھو۔جتنی دیر مرضی یہاں رہو۔کوئی چیز چاہیے ہو۔ربیکا سے بولو۔۔رات گیارہ بجے تک وہ یہیں ہوتی ہے۔“

”تمہاری والدہ کو حقیقت جان کر بڑا شاک لگا ہے۔اور مجھے اس بات پر حیرت ہوئی ہے۔تم نے اپنے گھر میں کسی سے مشورہ کیئے بغیر ہی نہ صرف اتنا بڑا اقدم اُٹھایا ہے۔“

”گریس زندگی میں کُچھ کام انسان صرف اپنے لیے کرتا ہے۔مجھے جو چاہیے تھا۔کسی دوسرے کی سمجھ میں آ ہی نہیں سکتا تھا۔اسلیے میں نے دوسروں کو سمجھانے کی بجائے اپنی جدوجہد اپنا گول پانے پر صرف کی ہے۔خیر یہ ساری میری سر درد ہے۔تم پلیز سکون سے رہو۔پھر ملاقات ہوگی۔۔۔“

وہ سر ہلاتا وہاں سے نکل گیا۔

اُسکا رُخ تہہ خانے کی جانب تھا۔جہاں اُس نے اپنا سٹوڈیو سیٹ کیا ہوا تھا۔ربیکا نے ڈنر بھی وہیں پہنچا دیا۔ایک دفعہ جب وہ سٹوڈیو میں داخل ہوتا تھا۔وقت کا اندازہ نہ رہتا۔آج بھی ایسا ہوا تھا۔اُس نے جب تک

اپنا کام ختم کیا دن نکل آیا تھا۔اُس نے پرنٹ کی تازہ ترین تصویریں ترتیب کے ساتھ فولڈر میں لگائیں۔ یہ سارا کام آج آفس میں سمبیٹ کروانا تھا۔

اُسکے بعد اُس نے لیپ ٹاپ پہ تصویروں کی فائل کو ایڈٹ کر کے اپنی کمپنی کو ای میل کیا۔

☆......☆......☆

آنکھیں کھولنے کے بعد کتنی دیر تک غیر دماغی حالت میں چت لیٹی چھت کو خالی نظروں سے دیکھتی رہی۔ دماغ ابھی تک سوئی جاگی کیفیت میں تھا۔اسلیے وہ پہچان نہ سکی کہ موجود کہاں ہے۔چار منٹ تک ویسے ہی بیجان وجود کی طرح پڑی رہی۔کہیں سے باتوں کی بھنبھناہٹ آرہی تھی۔آواز کی لہریں تو آرہی تھیں۔مگر یہ سمجھنا مشکل تھا۔کون بول رہا ہے۔کیا بول رہا ہے۔

بلآخر اُس نے گردن موڑ کر کمرے کا جائزہ لینا چاہا۔سفید دیواروں پر نظر پڑتے ہی ذہن نے جاگنا شروع کر دیا۔یہ کمرہ اُسکے لیے نیا تھا۔

سفید دیواریں گرے فرنیچر صاف ستھرا اُجلا نکھرا سا کمرہ جہاں صرف ایک کنگ سائز بیڈ تھا۔جس پہ وہ اس وقت لیٹی ہوئی تھی۔دروازے کے ساتھ والی دیوار کے پاس ایک لمبا سا دراز رکھا تھا۔اور بڑی سی شیشے کی کھڑکی کے سامنے گرے لیدر سیٹی پڑی تھی۔

وہ بیڈ سے نکلی تو ٹھنڈے فرش نے باقی کے سوئے ہوئے حواس بھی جگا دیئے۔

ایک ایک کر کے سارا کچھ یاد آ گیا۔وہ بار میں گلاس پہ گلاس چڑھاتے ہوئے اپنے پاس بیٹھے گورے کو اپنے مرے ہوئے بچے کے بارے میں بتا رہی تھی۔پھر اُسکے پرفیوم کا پوچھا تھا۔اُس شخص کا چہرہ یاد آتے ہی اُس کی سانس پھولنے لگی۔

دل کی دھڑکن کانوں میں سُنائی دینے لگی۔ایسا ہو ہی نہیں سکتا وہ اُسکے سامنے آیا ہو۔اور پھر اُسکو چھوڑ کر چلا گیا ہو۔تو کیا میں اس وقت اُس آدمی کے گھر پہ موجود ہوں۔جس سے مجھے شدید ترین نفرت ہے؟۔۔

دل میں وہ یہ دُعا کرتی ہوئی آگے بڑھی۔ہوسکتا ہے۔مجھے میری کوئی دوست اپنے گھر لے آئی ہو؟۔یا وہ گورا مجھے اپنے ساتھ لے گیا ہو؟۔۔

تو کیا رات میں نے گورے کے بستر میں گزاری ہے؟۔۔۔کتنی دیر تک پتھر کی بنی کھڑی رہی۔

"تو کیا میں اللہ کے اتنے بڑے نافرمانوں کی فہرست میں آگئی ہوں۔کہ مجھے ایک کافر مرد استعمال کر گیا اور مجھے خبر بھی نہیں۔اگر ایسا ہوا ہے تو مجھ پہ خودکشی حلال ہوگئی ہوگی۔

یا اللہ مجھے وہ شخص اپنے ساتھ نہ لایا ہو۔باقی سچائی جو بھی ہو مگر یہ گھر اُسکا نہ ہو۔وہ دھیرے دھیرے قدم اُٹھاتی کھڑکی کے پاس آئی۔تاحدِ نگاہ بس کھیت ہی کھیت تھے۔

وہاں سے ہوتی ہوئی نظر کھڑکی میں اُبھرتے اپنے عکس پہ پڑی۔۔بکھرے بال' تقریباً گھٹنوں کو چھوتی سفید ٹی شرٹ ساتھ میں ایک بیگی سا کالا ٹراؤزر تھا۔

یہ لباس اُسکا اپنا تو ہرگز نہیں تھا۔اور اُسکو یہ بھی یاد نہیں تھا۔کب اُس نے لباس تبدیل کر کے یہ پہنا تھا۔

اپنی حساس صورتحال کا احساس ہوتے ہی اُسکی ٹانگیں کانپنے لگیں۔

"مجھے یہاں سے نکلنا ہے۔"

فیصلہ کرتے ہی وہ دروازے کی جانب بڑھی۔۔۔

دروازہ لاک نہیں تھا۔

ہینڈل گھما کر دروازہ آدھا وا کرتے ہوئے باہر جھانکا۔۔۔

وہ جہاں کھڑی تھی۔اُس کمرے کے ساتھ اور بھی کمرے تھے۔جنکے بارے میں متجسس ہوئے بغیر وہ بے آواز قدموں سے چلتی ہوئی سیڑھیوں کی جانب آئی۔نیچے نہ اوپر کوئی ذی روح تو نظر نہ آیا۔مگر آوازیں ابھی بھی آرہی تھیں۔

جیسے جیسے وہ لکڑی سے بنی سیڑھیوں پہ قدم قدم چلتی نیچے کو گئی۔آوازیں زیادہ صاف ہوگئیں۔

آخری سیڑھی پر پہنچنے تک وہ کسی سمت سے آنے والی مردانہ آواز کو پہچان چکی تھی۔

اُسکے چہرے کا رنگ لمحوں میں تبدیل ہوا۔اتنا کوئی صحت مند تو پہلے بھی نہیں تھا مگر جو نیند سے اُٹھنے کی وجہ سے گالوں ہلکی پھلکی لالی آئی ہوئی تھی۔وہ جاتی رہی۔

کسی بھی سمت میں دیکھے بغیر وہ بیرونی دروازے کا اندازہ لگا کر اُس سمت کو چل پڑی۔سارے گھر کا فرش

لکڑی کا لگا ہوا تھا۔جس پہ اُسکے ننگے پاؤں آواز پیدا کیئے بغیر آگے بڑھ رہے تھے۔

تیز تیز سانس لیتے ہوئے وہ دروازے تک پہنچی تو اپنے ننگے پیروں کا خیال آیا۔بے بسی سے لب کاٹتے ہوئے جوتے کی تلاش میں اِدھر اُدھر دیکھا۔مگر جوتا وہاں ہوتا تو نظر آتا۔

تبھی سیڑھیوں کے نیچے لگے ایک دروازے پہ نظر پڑی۔۔۔جسے کھولا تو اندر جوتوں کا سٹینڈ تو تھا۔مگر اُس کے اوپر صرف ایک عدد بڑے کے لمبے بوٹ ہی پڑے نظر آئے۔اُس نے غنیمت جانتے ہوئے۔اپنے سائز سے دوگنا بڑے بوٹ پہنے وہاں پہ ہینگر پہ لٹکی جیکٹ کھینچی اور بیرونی دروازے کو بھاگی۔۔۔

یہاں پر ایک پل بھی مزید رُکتی تو شائد سانس بند ہو جاتا۔۔۔

"آپ کہاں جا رہی ہو؟۔۔۔"

اُسکا ایک پیر دروازے کے اندر اور ایک باہر تھا۔جب اُس نے مُڑ کر سوال پوچھنے والی کی شکل دیکھی۔

ادھیڑ عمر کی گوری آنکھوں میں حیرت اور پریشانی لیے اُسکو دیکھ رہی تھی۔

نوال بولی تو اُسکی آواز غصے سے کانپ رہی تھی۔

"یہ کونسی جگہ ہے؟۔۔"

"کنٹری سائیڈ ہے۔گلاسگو سے چند میل ہی دور ہے۔"

گوری نے اپنے روائتی لہجے میں جواب دیا تھا۔

نوال کو اپنی حیرت چھپانی مشکل ہو رہی تھی۔وہ تو مانچسٹر میں تھی۔مگر اُس نے دماغ میں اُٹھتے سارے سوال نظرانداز کرتے ہوئے اپنے دماغ کو سکون دینے کے لیے سب سے اہم سوال پوچھا۔

"کیا میں۔۔۔یہاں ان۔۔۔کپڑوں میں آئی۔۔۔تھی۔"

اُس نے اپنا سانس روک کر گوری کے جواب کا انتظار کیا۔جو ایک نظر پیچھے بند کمرے کے دروازے کو دیکھتی ایک نظر نوال کو جیسے اُس دروازے کے کُھلنے کی دُعا کر رہی ہو۔اور نوال کو اپنا جواب اُس دروازے کے کُھلنے سے پہلے چاہیے تھا۔کیونکہ اُس شخص کی آواز اُسی کمرے کے پیچھے سے آئی تھی۔

"نہیں آپ نے شارٹ ڈریس پہنا ہوا تھا۔"

"ت۔۔۔تو۔۔۔یہ ک۔۔۔کیسے؟۔۔۔"

نوال سے بولنا مشکل ہوگیا۔ وہ اس حد تک نہیں جا سکتا۔ یا اللہ اُسکے سامنے میرا اتنا سا پردہ تو رہ جائے۔ وہ میری روح کو ننگا دیکھ چکا ہے۔ میرا جسم تو بچ جائے۔ میری ذات کو کوئی پہلو تو اُس سے پوشیدہ رہ گیا ہو۔

"اوہ سر کے کہنے پر میں نے آپکا لباس بدلا تھا۔ کیونکہ۔۔۔"

مزید کُچھ بھی کہے وہ اپنے پیچھے دروازہ بند کرتی وہاں سے نکل آئی۔

ٹھنڈی ہوا کے تھپیڑوں نے چند گز پر ہی اُسکو کانپنے پر مجبور کر دیا۔ حالانکہ اتنی موٹی جیکٹ میں اُسکا وجود پوری طرح سے چھُپا ہوا تھا۔ مگر اُس نے اپنے قدم نہیں روکے۔۔۔ دماغ میں صرف ایک ہی بات تھی۔ یہاں سے دور جانا ہے۔ اُس شخص سے دور جانا ہے۔ بہت دور۔۔۔ جہاں پر اُسکی منحوس شکل دربارہ کبھی نظر نہ آئے۔ وہ جانتی تھی۔ نوکرانی کے بتانے کی دیر ہوگی وہ اُسکے پیچھے ضرور آئے گا۔ اُسکی فطرت کے خلاف ہے کہ وہ نہ آئے۔

نوال کی پوری کوشش تھی۔ اتنے سے وقت میں ہی وہ جتنی دور جا سکے۔ کاش اُسکے پر ہوتے اور وہ اُڑ کر چلی جاتی۔ یا کاش اُسکے پاس ناری مخلوق جیسی طاقت ہوتی تو وہ وہاں کھڑے کھڑے غائب ہو جاتی۔

مگر وہ صرف انسان تھی۔ عام سی انسان۔۔۔ اس لیے جب اپنے پیچھے بھاری قدموں کی آہٹ سُنائی دی۔ نوال نے مکمل طور پر نظرانداز کر دیا۔ اور ویسے ہی سر اُٹھائے پھولی ہوئی سانسوں کے ساتھ چلتی رہی۔ یہاں تک کے بھاری لیدر کے بوٹ اُسکی ترچھی نظروں میں نظر آنے لگے۔ مگر اُس نے گردن موڑ کر اپنے ساتھ چلتے شخص کو دیکھنا بھی گوارا نہ کیا۔

وہ بھی کُچھ کہے بغیر خاموشی سے اُسکے ساتھ ہم قدم ہو کر چل رہا تھا۔

گھر کافی پیچھے رہ گیا۔ نوال کی ٹانگیں جواب دے رہی تھیں۔ گلے میں پیاس کی شدت سے جیسے کانٹے اُگ رہے تھے۔ اُس نے اپنے خُشک لبوں پر زبان پھیر کر تری کی۔ ہر سانس کے ساتھ منہ سے بھاپ کے بگولے نکل رہے تھے۔ آنکھوں کے آگے بار بار دھند چھا رہی تھی۔

جب نوال کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا تو وہ رُک گئی۔ اُسکے قدم رُکتے ہی وہ بھی رُک گیا۔ مگر بولا اب بھی کُچھ نہیں۔

نوال نے اپنی آنکھیں زور سے میچیں تو کئی قطرے گالوں سے ہوتے ہوئے اُسکی گردن کو گیلا کر گئے۔ بولی تو آواز میں غصہ تھا۔

”کیا چاہتے ہو؟۔۔۔“

وہ نرم نگاہوں سے اُسکے سراپے کو دیکھ رہا تھا۔ جو اُسکی جانب ایک نگاہ ڈالنا بھی گوارا نہیں کر رہی تھی۔

”میں نے تم سے کچھ پوچھا ہے۔۔ مجھ سے کیا چاہتے ہو؟۔۔“

”میں چاہتا ہوں۔ تم میری بیوی بن جاؤ۔ میرا گھر سنبھالو اور میرے لیے مزے کے کیک بیک۔۔۔“

ابھی اُسکی بات منہ میں ہی تھی۔ جب وہ چیل کی طرح اُس پہ جھپٹی اور تھپڑوں گھونسوں کی بارش کر دی۔۔۔

”مجھے تم سے اتنی نفرت ہے۔ جتنی نفرت آج تک میں نے کسی سے نہیں کی۔ مجھے تباہ کر کے۔ مجھے خاک میں ملا کر میرا جنازہ نکال کر مجھے منوں مٹی تلے دبا کر اب میرا تماشہ دیکھنے آئے ہو۔ کیا بگاڑا تھا۔ میں نے تمہارا کیا بگاڑا تھا؟ کم ظرف انسان تم نے مجھ سے سب کچھ چھین لیا۔ میرا گھر' میرا شوہر' میری خوشیاں' میری ہنسی' میرا بچہ۔۔۔!!! میرا بچہ چھین لیا۔ قاتل ہو کر تمہاری اتنی جرات تم میرے سامنے آ کر ایسی گھٹیا بکواس کرو۔ میں تم سے شادی کرونگی؟ میں؟۔۔۔ اس سے بہتر کوئی مذاق نہ ہوگا۔ میں ڈیڑھ سال سے تم سے جان چھڑا رہی ہوں۔ تم میری زندگی سے دفع ہو جاؤ۔ میرے پاس کھونے کو اور کچھ نہیں بچا ہے۔ میرے ہاتھ خالی ہیں۔ میرا دامن خالی ہے۔ میری گود خالی ہے۔ میرے سر پہ چھت تک نہیں ہے۔ اب تو میرا پیچھا چھوڑ دو۔“

وہ اُسکے سامنے کھڑا رہا۔ نہ اُسکے ہاتھ روکے نہ اُس کو منع کیا۔ سر جھکائے آنکھ جھپکے بغیر اُسکو دیکھتے ہوئے اُسکے ہاتھ مار کھاتا رہا۔

تھپڑوں سے چہرہ سُرخ ہو گیا۔ دائیں گال پر لمبا سا ناخن کا نشان لگا۔ جس سے خون رس رہا تھا۔

وہ ہانپتی ہوئی ایک طرف کو جا کر قریبی کھیت میں پڑے بھوسے کے ڈھیر پر ڈھے گئی۔

وہ کتنی دیر تک وہیں کھڑا اُسکے لگائے گئے زخموں کی بجائے الزاموں کو سوچتا رہا پھر آ کر اُسکے برابر بیٹھ گیا۔

معجزاتی طور پر سورج بھی کہیں سے نکل آیا تھا۔ مگر صرف روشنی دئے رہا تھا۔ سردی ویسی کی ویسی ہی تھی۔ رگوں

میں خون منجمند کرنے والی۔

"میں یہی اُمید کرسکتا ہوں۔ سارے الزام مجھ پر ڈال کراب تم خود کچھ بہتر محسوس کررہی ہوگی۔"

"میرے منہ نہ لگو۔ مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی۔"

"نہ بات کرو۔ مگر تین دن کی بیماری کے بعد اتنی سردی میں بیٹھنے کا ایڈوینچر تمہیں کافی مہنگا پڑسکتا ہے۔ میں پہلے ہی تمہاری وجہ سے چار چھٹیاں کر چکا ہوں۔ کل ہر حال میں آفس جانا پڑے گا۔"

"میرے طرف سے بھاڑ میں جاؤ۔"

"تم گھر چل رہی ہو۔ یا مجھے تم کو اُٹھا کر لے جانا پڑے گا؟"

"مجھے ہاتھ بھی مت لگانا۔ تمہارا منہ نوچ لونگی۔"

"آج دوسری دفعہ تم نے مجھ پہ ہاتھ اُٹھایا ہے۔ اگر آئیندہ ایسا کیا ناں تو بڑا سخت پیش آؤنگا۔"

"مجھے تم سے نفرت ہے۔"

"جانتا ہوں۔"

"پھر میری جان کیوں نہیں چھوڑ دیتے؟۔"

"کوشش کر کے دیکھ چکا ہوں۔ اور دیکھو تمہیں کہاں پایا۔۔ شراب پی کر غیر مردوں کے ساتھ ناچتے ہوئے۔"

"وہ تو چلو غیر مرد ہیں۔ تم کیا میرے باپ ہو؟ جو یوں مجھ پہ اپنا حق جتا رہے ہو قاتل انسان۔۔"

"اگر ان سب باتوں سے تم یہ سمجھ رہی ہو۔ میں ڈر کر تم سے دور ہو جاؤنگا تو اپنا وقت اور طاقت ضائع کررہی ہو۔ اب اچھی لڑکی کی طرح اُٹھو اور گھر چلو۔"

"کونسے گھر۔۔؟ اگر تم بھول گئے ہو تو یاد کروادوں۔ تمہاری بُری نظر میرا گھر کھا گئی۔"

"تم دو سال پہلے بھی غلط راستے پہ گامزن تھیں۔ آج بھی وہیں کھڑی ہو۔"

"ہاں ٹھیک کہہ رہے ہو۔ دو سال پہلے میں کسی کہ بیوی تھی۔ مجھے ایک اُمید تھی۔ ایک دن سب ٹھیک ہو جائے گا۔ میرے بچے ہونگے میرا شوہر مجھ سے محبت کرنے لگے گا۔ پھر تم جیسا شیطان آیا۔ ساری اُمیدیں مر

گئیں۔میرا وجد مر گیا۔"

"نوال۔۔۔اللہ پاک جو کرتے ہیں۔۔۔"

"مجھے لیکچر دینے کی کوشش نہ کرنا۔کسی قسم کی لفاظی سے سکون نہیں ملتا۔اُسکی بیوی کا بچہ ہونے والا تھا۔میں ہر روز سوچتی ہوں۔نہ جانے اُسکا ایک اور بیٹا ہوا ہوگا یا اب اُسکو بیٹی ملی ہے۔وہ اپنے بچے کو اُٹھاتا ہوگا۔چومتا ہوگا۔"

حدید کو لگا کسی نے خنجر سینے میں اُتار دیا ہو۔ایک ہی وار میں شاہ رگ کاٹ دی گئی ہو۔

وہ بے چینی سے اپنی جگہ سے اُٹھا۔۔۔

"سب کُچھ ماضی ہو گیا ہے۔وہ بھی اُسکی بیوی بھی اُسکے بچے بھی۔۔۔اور جو حال ہے۔وہ تمہارے سامنے ہیں۔میں تمہیں اجازت نہیں دوں گا۔تم میری موجودگی میں ہر روز زہر کا پیالہ بھر بھر کر پیو۔"

"اُسکی بیوی تمہاری دوست ہے۔تم تو جانتے ہو گے اُسکی بیٹی ہوئی یا بیٹا۔۔۔"

"میرا اُس کے ساتھ کوئی رابطہ نہیں ہے۔وہ ڈیڑھ سال پہلے میری زندگی سے نکل گئی تھی۔اور میں نے اُسکی واپسی کے سارے دروازے اُسی روز ہی بند کر دئے تھے۔جس دن اُس نے ایک غلط آدمی کی حمایت میں ایک مظلوم کو بے یارو مددگار چھوڑ دیا تھا۔"

"وہ اُسکا شوہر ہے۔ایسا شوہر جو اُس سے محبت کرتا ہے۔جو اُسکے بچوں کا باپ ہے۔اُس نے جو کیا وہی کرنا جائز تھا۔مجھے اُس عورت سے کوئی شکوہ نہیں ہے۔"

"ہاں تمہارے سارے شکوے مجھ سے ہی ہیں۔تمہاری نظر میں تو لیلٰی کا شوہر بھی معصوم ہے۔"

وہ کتنی دیر تک کُچھ بولی ہی نہیں یہاں تک کہ حدید کو لگا شائد وہ یہ بھی بھول گئی ہے۔وہ کہاں پہ بیٹھی ہوئی ہے۔بس بغیر آنکھیں جھپکے سامنے دیکھے جا رہی تھی۔

چہرہ بے تاثر آنکھیں اُداس۔۔۔

جب وہ اُسکو ہلانے کا سوچ رہا تھا۔تب وہ قدرے بلند آواز میں بولی۔۔۔

"مجھے واپس مانچسٹر جانا ہے۔میں پہلی اور آخری دفعہ تمہیں کہنا چاہتی ہوں۔میں تمہیں اپنی زندگی میں دور

دور تک نہیں دیکھنا چاہتی ہوں۔"
"ہاں اتنی دیر سے میری جانب دیکھے بغیر بات کر رہی ہو۔ مجھے تمہارا مطالبہ تمہارے کہے بغیر ہی سمجھ میں آ رہا ہے۔"
"مجھے کسی قریبی گاؤں یا بس سٹینڈ کو جانے والا راستہ بتا دو۔ میں واپس جانا چاہتی ہوں۔"
"نوال تمہارے لیے اس وقت صرف ایک ہی راستہ کُھلا ہے۔ جو اُس گھر کو جاتا ہے۔ جہاں سے نکل کر یہاں آئی ہو۔ اسکے علاوہ ہر راستہ بند ہے۔"
"تم اگر چاہتے ہو میں تمہارے ماضی کے گناہ معاف کر دوں تو مجھے میرے سوال کا جواب دو۔"
"تمہارے سوال کا جواب میں تمہیں دیئے چُکا ہوں۔ اور جہاں تک رہی میرے گناہ کی بات۔ تم مجھے معاف کر بھی دو تو میں خود کو کبھی معاف نہیں کر سکتا۔"
"چلو تم میں اتنی غیرت تو نظر آئی۔ کم از کم یہ تو مان گئے ہو۔ میرے ساتھ جو ہوا وہ تمہاری وجہ سے ہوا۔"
حدید ٹھنڈا سانس بھر کہ رہ گیا جبکہ وہ کھیت سے نکل کر پھر سے اینٹوں سے بنی پگڈنڈی پہ چلنے لگی۔ گھر کی مخالفت میں اتنا دور آنے کے باوجود بھی کوئی آبادی نظر نہ آئی اور آگے دور دور تک صرف درخت اور کھیت ہی تھی۔ اسلیے وہ واپسی کی راہ پہ چل پڑی کیونکہ وہ اس نتیجے پہ پہنچی تھی۔ جانے کا راستہ یقیناً مخالف سمت میں واقع تھا۔
کُچھ لمحوں بعد وہ پھر سے اُسکے برابر چل رہا تھا۔ مگر نوال اُسکو مکمل طور پر نظر انداز کر رہی تھی۔
گھر کی عمارت نظر کی حد میں آئی مگر اُس نے دیکھنے کی خواہش نہیں کی۔ وہ بس پگڈنڈی کو پڑھ رہی تھی۔ آخر کتنی دور اور کتنا آگے جا کر سڑک نظر آئے گی۔
ابھی گھر چند فرلانگ کے فاصلے پہ تھا جب اچانک سے ایک عورت اونچا اونچا بولتی راستے میں نمودار ہوئی۔
"میں اس ویران اور غیر آباد جگہ پر مزید ایک پل نہیں رُک سکتی۔ پلیز مجھے گلاسکو چھوڑ۔۔۔ اوہ۔۔۔"
حدید کو دیکھتے ہوئے بولتی بولتی وہ ایک دم چُپ ہو کر نوال کو دیکھنے لگی۔ جو ساکت نظروں سے اُس لڑکی کے سراپے کو دیکھ رہی تھی۔

سرتاپا جائزہ لینے کے بعد اُس گوری نے حدید کو مخاطب کیا۔

"نوال۔۔۔؟۔۔۔یہ نوال ہی ہے ناں؟۔۔۔"

گوری نے سوالیہ نظروں سے حدید کو دیکھتے ہوئے اپنا سوال دُہرایا۔اور آگے بڑھ کر اپنا ہاتھ نوال کے سامنے پھیلایا۔

"ہیلو نوال میں گریس ہوں۔"

"ہیلو۔۔۔تم میرا نام کیسے جانتی ہوں۔جبکہ میرا نہیں خیال ہم آج سے پہلے کبھی ملے ہیں؟۔۔"

نوال کی آواز میں حیرت اور چہرے پہ اُلجھن تھی۔

گریس ہنستے ہوئے بولی۔۔۔

"ہاں ہم دونوں پہلے نہیں ملے۔اس میں تمہارے شوہر کا قصور ہے۔میں نے تو کتنی دفعہ تم سے ملنے کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔یہ ہی ہر دفعہ مجھے ٹال دیتا تھا۔"

نوال اُس عورت کے سراپے میں گم ہو کر رہ گئی۔الفاظ سُنے ہی نہیں۔وہ عمر میں حدید سے کئی سال بڑی لگ رہی تھی۔مگر اُسکی شکل حدید سے بالکل نہیں ملتی تھی۔جس وجہ سے اُسکو بہن نہیں کہا جا سکتا تھا۔مگر جو بات نوال کو مسمرائز کر گئی وہ یہ تھی کہ گریس اُمید سے تھی۔

آہستہ آہستہ گریس کے الفاظ نے اُسکو چونکایا۔۔۔

"میرا شوہر؟۔۔۔"

وہ پوچھنا چاہ رہی تھی۔جب حدید نے اُسکو درمیان میں ٹوک دیا۔

"گریس مجھے اس وقت اپنی امی سے ملنے جانا ہے۔تمہیں نوال کے ہوتے ہوئے بوریت کا احساس نہیں ہوگا۔کسی چیز کی ضرورت ہو۔نوال سے کہہ دینا۔بلکہ آج سے یہی تمہارے سارے معمولات دیکھے گی۔"

نوال کو خاک بھی سمجھ نہ آیا۔کیا معمولات؟ وہ تو خود یہاں سے بھاگنے کے چکر میں تھی۔اور یہ گریس ہے کون؟۔۔

اندر کی جانب بڑھنے سے پہلے وہ ایک پل کو نوال کے بالکل سامنے رُکا سرگوشیوں میں بولا۔۔۔

”جس طرح اتنا عرصہ تم نے میرے پہ پہرہ بیٹھا کر مجھے خود سے دور رکھا ہے۔اسی طرح اب میں نے کُچھ لوگوں کو تمہاری نگرانی پہ معمور کیا ہے۔کوشش کرنا یہاں سے بھاگنے کے چکر میں نوکروں اور سب سے بڑھ کر گریس کے سامنے اپنا مذاق نہ بنوانا۔کیونکہ میں اس معاملے میں ڈھیل بالکل نہیں کرونگا۔میں جتنا صبر کرسکتا تھا۔اُس سے زیادہ ضبط کا مظاہرہ کرچکا ہوں۔مزید کی گنجائش نہیں ہے۔“

اُس کی آواز کی سختی اور لہجے کی مضبوطی نے نوال کی ریڑھ کی ہڈی میں سرد لہر دوڑا دی۔۔۔

کانپتے لہجے میں بولی۔۔۔

”تمہارا مجھ پہ کوئی حق نہیں ہے۔کہ مجھ سے اس طرح مخاطب ہو۔میں تمہیں اجاز۔۔۔“

”تم نے شائد سُنا نہیں۔تمہارا میرا تعلق اجازت کی حد بڑی دیر پہلے کی پار کر گیا ہوا ہے۔“

”تمہارے میرے درمیان سرے سے کوئی تعلق ہے ہی نہیں۔نہ جانے کس دنیا میں جی رہے ہو۔“

”تعلق تو ہے۔بڑا مضبوط ہے۔میں جس دنیا میں رہتا ہوں۔اب سے وہی تمہاری دنیا ہے۔ابھی کے لیے اللہ حافظ۔۔۔“

وہ اُسکے جُھکے سر کو غور سے دیکھ رہا تھا۔چہرے پہ غُصے کی سُرخی تھی۔ماتھے پہ تیوری چڑھی ہوئی تھی۔

حدید نے اپنے سیدھے ہاتھ کی شہادت والی انگلی اُسکی پیشانی کے بلوں پہ رکھی۔

نوال یوں پیچھے ہٹی جیسے ننگی تار نے چھولیا ہو۔نظر اُٹھا کر اب بھی نہ دیکھا۔۔۔

گریس بیزاری سے ارد گرد دیکھ رہی تھی۔

نوال سے نظر ہٹا کر ایک دفعہ گریس کو سنجیدہ نظروں سے دیکھا اور اندر کی طرف بڑھ گیا۔

نوال نے گریس کو پوری طرح نظر انداز کیا اور دوسری سمت کو جانے والے راستے پہ چلنے لگی۔یہاں پر رُکنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔اس شخص کے ساتھ بحث کا فائدہ نہیں تھا۔اپنی بات زبردستی ہی منوائی جاسکتی تھی۔اور اب وہ یہی کرنے جارہی تھی۔

پانچ منٹ بعد سپورٹس بائیک اُسکے سامنے راستہ روک کر کھڑی ہوئی۔

حدید نے اپنا وزن پیروں پہ ڈال کر ہینڈل سے ہاتھ ہٹا کر ہیلمٹ کا شیشہ اوپر کیا۔

”کاش تم اتنی ضدی نہ ہوتیں۔میری زندگی کے آدھے مسائل ختم ہو جاتے۔مگر نہیں تم پریشان کیئے بغیر رہ کیسے سکتی ہو۔“

”جب میں تمہیں بتا چکی ہوں۔میں تم سے بہت دور جانا چاہتی ہوں۔تو کیوں بار بار مجھ سے مخاطب ہو رہے ہو۔ایک بات سُن لو تم میرے ساتھ زبردستی نہیں کر سکتے۔میری مرضی کے خلاف مجھے اس جگہ پہ قید نہیں کر سکتے۔“

”میں صرف ایک مشورہ دونگا۔مجھے چیلنج نہ کرو۔ورنہ جو رعایت ابھی تک برت رہا ہوں۔وہ بھی بھول جانا۔ابھی واپس مُڑو اور اُس عورت کو دیکھو جا کر جسکی ذمہ داری تم پہ ہے۔کیونکہ وہ تمہارے بچے کو اُٹھائے پھر رہی ہے۔“

ہیلمٹ کا شیشہ نیچے گرایا بریک ہٹائی اور چلا گیا۔

وہ جہاز کی سپیڈ سے جاتی بائیک کی پچھلی سُرخ بتی کو دیکھتی رہ گئی۔

”یہ جو کہہ کر گیا ہے اُسکا مطلب کیا ہے؟۔۔“

دماغ کی شریانیں پھٹتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔

”ایک انسان کو ایک ہی روگ کتنی دفعہ مار سکتا ہے؟۔ایک ہی دُکھ پر آپ کتنا رو سکتے ہیں؟۔۔کوئی تو آخری نقطہ ہو گا۔کہیں جا کر تو انسان کی خلاصی ہونی چاہیے۔“

وہ اُنہی قدموں مُڑی۔۔۔تقریباً بھاگتی ہوئی واپس آئی۔

گھر کا بیرونی دوروازہ اُسکے دستک دینے سے پہلے ہی کُھل گیا۔دوسری جانب ایک ادھیڑ عمر گورا کھڑا تھا۔جینز کے اوپر اوونی سوئیٹر پہنے ہوئے تھا۔

”میم اندر آجائیں۔۔۔“

”نہیں مجھے اندر نہیں آنا۔اُس کو بُلاؤ کیا نام بتایا تھا اُس نے۔۔۔شائد گریس۔۔۔برائے مہربانی اُسکو بُلاؤ۔۔۔“

”میم مجھے حکم ہے۔آپکو زیادہ دیر باہر نہ رہنے دیا جائے۔اگر مجھے زبردستی بھی آپکو اندر لانا پڑا میں وہی

کرونگا جو مجھے کہا گیا ہے۔ براہِ کرم میری مدد کریں۔ اور گھر کے اندر تشریف لے آئیں۔"

اُس کے ذہن پہ اس وقت بس یہی سوار تھا۔ گریس سے کُچھ پوچھنا تھا۔

وہ اُس گورے کو سائڈ پہ ہونے کا اشارہ دیتی ہوئی اندر آئی۔

باہر کی بے رحم سرد ہواؤں کے مقابلے میں اندر انتہا کی گرماہٹ اور سکون تھا۔

گریس سیٹنگ روم کے صوفے پہ بیٹھ کر بے دلی سے ریموٹ کے بٹن دبا کر چینل سرفنگ کر رہی تھی۔

وہ جا کر اُسکے بالکل سامنے کھڑی ہوئی۔

"گریس۔۔۔؟۔۔ یہ بچہ کس کا ہے؟۔۔"

"تمہارے بچے کا باپ کون ہے؟۔۔"

گریس نے حیرت سے نوال کو دیکھا۔ اُسکے لیے نوال کا سوال اور سوال میں چُھپا غُصہ دونوں ہی غیر متوقع تھے۔

"نوال تم میرے ساتھ مذاق کر رہی ہو؟۔۔"

"گریس میں نے جو پوچھا ہے۔ مجھے اُسکا جواب دو۔ میں اجنبی لوگوں کے ساتھ پہلی ہی ملاقات میں اتنی فری نہیں ہوتی ہوں کہ اُنکے ساتھ مذاق کھیلوں۔"

اب کہ گریس کے چہرے پہ پریشانی آئی تھی۔

"او میرے خدایا۔۔۔ تو کیا تم لاعلم ہو؟۔۔"

"کس بات سے؟؟۔۔"

"جو ڈیل میرے اور تمہارے شوہر کے درمیان ہوئی ہے۔"

"پہلے ایک بات اپنے دل و دماغ میں بیٹھا لو گریس میری ڈیڑھ سال پہلے طلاق ہو چکی ہے۔ اسلیے اس دنیا میں اس وقت کوئی بھی ایسا شخص نہیں ہے۔ جسکو تم میرا شوہر کہہ سکو۔"

"ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔ حدید نے خود مجھے بتایا تھا۔ وہ تمہارا شوہر ہے۔ اور تم اُسکی بیوی ہو۔"

"کیا واقعی اُس کم ظرف نے ایسا کہا؟۔۔"

"میں جھوٹ کیوں بولونگی؟؟۔۔جس دن اُس نے مجھ سے نکاح کیا تھا۔ساری حقیقت بتا کر ڈیل کی تھی۔"

"تم اُسکے نکاح میں ہو؟۔۔"

"ہاں۔۔۔میں نے طلاق مانگی تھی۔مگر وہ کہتا ہے۔جب تک بچے ٹھیک ٹھاک پیدا نہیں ہو جاتے تب تک ہم دونوں کا نکاح قائم رہے گا۔دیکھو نوال تم میرے اور حدید کے نکاح کو سیریس لیکر اُس کے ساتھ لڑائی مت کرنا۔مجھے اُسکے ساتھ شادی نہیں کرنی ہے۔میرا ایک جوان بیٹا ہے۔جسکی خاطر میں اس ساری مصیبت سے گزر رہی ہوں۔"

گریس نے ناک چڑھا کر اپنے بڑھے ہوئے پیٹ کی جانب اشارہ کیا۔۔۔

نوال کو لگا اگر مزید دو پل بھی کھڑی رہی تو منہ کے بل گرے گی۔اسلیے سہارے کہ نیت سے گریس کے پاس صوفے پہ گرنے کے انداز میں بیٹھی۔۔

"تم اپنے ہونے والے بچے کو مصیبت بول رہی ہو؟۔۔"

نوال کی آنکھوں کے ساتھ ساتھ لہجے میں بھی درد تھا۔

"یہ میرا بچہ نہیں ہے۔نہ مجھے بچے پسند ہیں۔میری بہن کے دو بچے ہیں۔ہر وقت روتے ہیں۔نیپیاں گندی کرتے ہیں۔دودھ پھینکتے ہیں۔ذرا بڑے ہو جائیں تو ہر جگہ گند ڈالتے ہیں۔میں ایک پال چکی ہوں۔مجھے اُسکے علاوہ کسی اور بچے کی خواہش نہیں ہے۔"

نوال آنکھیں پھاڑے منہ کھولے گریس کو سُن رہی تھی۔"

تمہارا جوان بیٹا بھی ہے؟۔۔جبکہ تم نے حدید سے شادی کی ہوئی ہے۔"

"خُدا کے لیے نوال مجھے خوفزدہ نہ کرو۔میں نے شادی ہرگز نہیں کی ہے۔"

"گریس یہ بچہ کس کا ہے؟۔۔"

"نوال تم اپنے ساتھ ساتھ مجھے بھی پاگل کرو گی۔یہ بچہ نہیں ہے۔بچے ہیں۔سُن رہی ہو۔میرا سارا فیگر خراب کر دیا۔ایک نہیں ہے۔ڈاکٹر کہتی ہے۔دو بچے ہیں۔اور یہ بچے سٹیون کے نہیں ہیں۔تمہارے حدید کے ہیں۔"

”وہ میرا نہیں ہے۔خبردار جواب تم نے اُسکا نام میرے ساتھ لگایا۔“

”یہ تم جانو یا وہ جانے۔۔۔ مجھے تو تمہاری انلارج تصویر دی گئی تھی۔ یہ کہہ کر کہ اس تصویر کو زیادہ سے زیادہ دیکھنا ہے۔تا کہ نہ صرف یہ کہ ہونے والے بچے اس چہرے سے مانوس ہوں۔ بلکہ اُنکی شکلیں تم سے مماثلت رکھیں۔حدید نے تمہارا تعارف اپنی بیوی کہہ کر ہی کروایا تھا۔اُس نے کہا تھا میری بیوی ماں نہیں بن سکتی۔وہ تمہارے لیے بچہ چاہتا ہے۔“

"اللہ کرے تم مرجاؤ بے غیرت انسان میری زندگی کا یوں تماشہ بنانے والے تم بھی کبھی سکون نہ پاؤ۔۔“

وہ اُٹھ کر بیرونی دروازے کی طرف گئی۔

وہ گورا ابھی بھی وہیں موجود تھا۔

اُس میں اتنی ہمت نہیں تھی۔کہ ایک دفعہ پھر سے بحث کرتی۔کیونکہ وہ جس طرح کھڑا تھا۔اُسکے چہرے پہ صاف لکھا تھا۔وہ نوال کو باہر جانے نہیں دیگا۔

اُس نے ویلی بوٹ اُتار کر سیڑھیوں کے پاس رکھے اور مرے ہوئے قدموں سے سیڑھیاں چڑھ کر اُسی کمرے میں آ گئی جہاں وہ صبح موجود تھی۔

اپنے پیچھے دروازہ لاک کر دیا۔

اُسکا جسم ہلکے ہلکے کانپ رہا تھا۔

کمرے میں نیم تاریکی تھی۔اُس نے لائٹ نہ جلائی۔ویسے ہی آ کر بیڈ پہ لیٹ گئی۔

گریس کے الفاظ ہتھوڑے کی طرح سماعت پہ بج رہے تھے۔

اپنا سر دونوں بازوؤں میں چھپا کر گٹھری بن کر بیڈ کی پائنتی کی جانب لیٹ گئی۔

دماغ اس قدر سُن تھا کہ آنسو بھی نہ نکلے۔۔۔

اسکا جی چاہ رہا تھا۔کچھ ایسا ہو جائے کہ دماغ ہر سوچ ہر غم سے آزاد ہو جائے۔

چل بُلیا چل اوتھے چلیے

جیتھے سارے انے

نہ کوئی ساڈی ذات پچھانے

نہ کوئی سانوں منے۔۔۔

بہت دیر تک ایک ہی حالت میں پڑی رہنے کے بعد کہیں جا کر آنکھ لگی اور وہ وقتی طور پر ہر اذیت سے انجان ہوگئی۔

☆......☆......☆

"اسلام علیکم۔۔۔"

اندر داخل ہوتے ہی وہ کچن میں موجود ٹینشن کو سمجھ گیا تھا۔مگر پھر بھی نظر انداز کرتے ہوئے معمول کے مطابق چابی سٹینڈ میں رکھنے کے بعد فریج کی جانب بڑھا۔۔۔

احتشام نے ایک نظر بیوی کو دیکھا جو سوجی ہوئی آنکھوں سمیت بیٹے کو گھور رہی تھیں۔کب سے اُسکے انتظار میں بیٹھیں تھیں۔اب اُسکو سامنے دیکھتے ہی پھٹ پڑیں۔۔۔

"آج میں نے لیلٰی کو فون کیا تھا۔"

اُس کے ہاتھ جہاں تھے۔وہیں تھم گئے۔۔۔

سر جھکا کر گہرا سانس کھینچنے کے بعد فریج بند کرتا ہوا اُنکی جانب پلٹا۔

"اُس کے ساتھ آپکو کیا کام پڑ گیا تھا؟۔۔"

"وہ تمہاری بچپن کی دوست ہے۔اور ماں سے زیادہ وہ تمہارے بارے میں جانتی ہے۔"

"وہ کبھی میری دوست تھی۔اب نہیں ہے۔آپ نے اُس سے کیا کہا؟۔۔۔"

"مجھے حقیقت کی تلاش تھی۔جو اُس نے مجھے بتا دی۔"

"آپکو میرا انتظار کرنا چاہیے تھا۔میں کوئی دودھ پیتا بچہ نہیں ہوں۔ماں آپ نے میرا مان توڑا ہے۔وہ دنیا کی آخری عورت تھی۔جسکو آپ میرے بارے میں معلومات لینے کے لیے فون کرتیں۔وہ میرے ذاتی معاملات کے بارے میں کچھ نہیں جانتی ہے۔"

"نہیں مجھے تو ایسا نہیں لگا۔کم از کم یہ تو پتا لگا تم کسی لڑکی سے محبت کرتے ہو۔آج تک ماں کو تو اس قابل نہ

جانا کہ بتا ہی دیتے۔"

"ماں کسی سے محبت ہوگئی ہے تو یہ ضروری نہیں کہ میں اشتہار بنا کر گلیوں میں لگاؤں۔"

"ہاں اشتہار بنانے کی بجائے اپنی گرل فرینڈ کے ساتھ بچہ پیدا کرنا بہتر ہے۔ تاکہ اپنی محبت کو پیش کر سکو۔"

"گریس میری گرل فرینڈ نہیں ہے۔ اور نہ ہی آج تک میں نے اپنی کسی گرل فرینڈ کے ساتھ جنسی تعلق قائم کیا ہے۔ ہاں منہ چومے ہیں۔ ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر گھوما ہوں۔ مگر سویا کسی کے ساتھ نہیں ہوں۔ اُمید کرتا ہوں۔ میں آپکی نظر میں جتنا بھی بُرا بن جاؤں آپکو اپنی تربیت پر اتنا یقین تو رہے گا۔ آپکا بیٹا زانی نہیں ہے۔"

"پھر گریس کون ہے؟۔"

"گریس ایک بزنس ڈیل ہے۔"

"بزنس ڈیل میں بچے نہیں ہوتے۔"

"ہوتے ہیں۔ خاص کر بچوں کی وجہ سے ہی ڈیل کی گئی ہوں۔"

"تمہیں تو بچے چاہیے تھے۔ گریس کو کیا چاہیے تھا۔"

اب کی دفعہ سوال احتشام کی جانب سے آیا تھا۔

"اُسکو ایک فیور چاہیے تھی۔"

"کتنے کی فیور؟۔۔" اُس نے باپ کی نظروں میں سنجیدگی سے دیکھا۔ پھر ایک نظر ماں کو دیکھا۔ دونوں ڈائننگ میز پہ بیٹھے منتظر نظروں سے اُسکو دیکھ رہے تھے۔

وہ کُرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

ٹانگیں آگے کو پھیلا کر ہاتھ گود میں رکھ لیے۔

"میں یہ بتانا ضروری نہیں سمجھتا۔ مجھے بچہ چاہیے۔ وہ بھی مستقل بیوی کا دم چھلا لگائے بغیر پھر وہ جس بھی قیمت پہ ملے۔ مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

"تم پاگل تو نہیں ہو گئے ہوئے ہو؟۔۔"

باپ کے سوال پہ اُس نے بڑے تحمل سے جواب دیا۔

”میں اُسکو تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا ہوں۔اُسکو زندگی کی طرف لانے کے لیے میں جو بھی کر سکا وہ کرونگا۔“

”کیا وہ بھی تم سے محبت کی دعویدار ہے؟۔۔“

”وہ مجھ سے نفرت کرتی ہے۔“

”مجھے یقین دلواؤ کہ میں ٹھیک سُن رہا ہوں۔میرے کان نہیں بج رہے۔تم جس سے محبت کرنے کی حامی بھرتے ہو۔وہ تم سے نفرت کرتی ہے؟۔۔“

باپ کے سوال پہ ایک دفعہ پھر وہ بڑے تحمل سے بولا

”آپ بالکل ٹھیک سمجھے ہیں۔“

”بچے کا ذکر کیوں آتا ہے۔جس سے محبت کرتے ہو۔شادی اُس سے کرو گے یا نہیں؟۔۔“

”شادی اُسی سے کرنی ہے۔“

”پھر بچے کسی اور سے کیوں پیدا کروا رہے ہو؟۔۔“

”کیونکہ وہ خود ماں نہیں بن سکتی ہے۔“

”شادی سے پہلے تمہیں کیسے پتا وہ ماں نہیں بن سکتی؟۔۔“

”کیونکہ اُسکے پہلے شوہر نے اُس پر جنسی تشدد کیا تھا۔وہ بھی اُس حالت میں جب وہ چار ماہ کی پریگننٹ تھی۔تشدد کی زیادتی سے اُسکو اندرونی چوٹیں ہمیشہ کے لیے ماں بننے کی صلاحیت سے محروم کر گئی ہیں۔کوئی اور سوال رہ گیا ہو تو وہ بھی آج ہی پوچھ لیں۔اُسکے سامنے کبھی ان باتوں کا ذکر نہیں ہوگا۔“

بڑی دیر بعد جا کر سعدیہ کی آواز آئی۔

”تو کیا وہ پہلے سے شادی شُدہ ہے؟۔۔“

”ہاں۔۔۔جب پہلی دفعہ وہ مجھے نظر آئی تھی۔وہ اپنے شوہر کے ساتھ تھی۔لیلیٰ نے آپکو آدھا سچ بتایا ہے۔کیونکہ لیلیٰ کا شوہر ہی اس لڑکی کا بھی شوہر تھا۔میں نے زبردستی دونوں کی طلاق کروائی تھی۔وہ اس سب کے بعد بھی اُسی شخص کے ساتھ رہنے پر رضامند تھی۔مگر میں ایسا کچھ برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

"تم نے زبردستی اُسکی طلاق کروائی؟۔۔"

سعدیہ کی آواز میں صدمہ تھا۔

"وہ اُسکو مار چکا تھا۔کیا اس صورت میں پیچھے بیٹھ کر انتظار کرتا۔کب وہ اسکو قبر میں اُتارتا ہے۔"

"اگر وہ طلاق لینا نہیں چاہتی تھی۔اسکا مطلب تو یہی ہوا وہ ابھی تک اپنے شوہر سے محبت کرتی ہے۔"

باپ کی جانب سے آنے والے سوال پہ وہ کتنی دیر چپ رہ کر اپنے اندر اُٹھنے والے غصے پہ قابو پانے کی کوشش کرتا رہا۔

جب بولا تو آواز میں سختی اور بے رحمی تھی۔

"کوئی عورت ایسے درندے کی محبت میں مبتلا نہیں ہوسکتی۔چاہے وہ عورت نوال زہرہ جیسی مضبوط عورت ہی کیوں نا ہو۔عورت کو ایک ہی روگ مارتا ہے۔کسی کا ہو کر رہنے کا روگ وہ کبوتر کی طرح ہر پریشانی سے آنکھیں بند کر خود کو محفوظ سمجھنے لگتی ہے۔شیطان کے چہرے کو اپنی رحم دلی سے چھپا کر اُس بے حس انسان میں اُسی دیوتا کو دیکھتی رہتی ہے۔جس کی تصویر اُس نے دل میں رکھی ہوتی ہے۔وہ بدصورت دل کو نہیں دیکھتی بس یہی سوچتی ہے۔اپنی خدمت سے رام کرلے گی۔دل جیت لے گی۔مجھے مشرقی معاشرے کی یہ بات زہر لگتی ہے۔جو وہ اپنی بیٹیوں کو یہی سبق دیتے ہیں۔مرجاؤ مگر آواز نہ نکالنا۔نہ جانے کتنی لڑکیاں ایسے بے مقصد اور بے فیض تعلقات کو اپنا خون دیکر سینت رہی ہیں۔اگر اللہ نے مجھے بیٹی دی۔میں اپنی بیٹی کو یہ سبق سب سے پہلے سیکھاؤنگا۔زندگی میں کبھی خاموشی کے ساتھ ظلم مت سہنا۔ظالم کے ہاتھ دراز کرنے کی بجائے توڑ دینا بہتر ہے۔بیٹیوں کو تعلیم دیتے ہیں۔تو اُنکو آواز بھی دیں۔الفاظ سیکھا کر آواز چھین لینا کہاں کا انصاف ہے؟"

ماں باپ حیرت سے اُسکے سُرخ ہوتے چہرے کو دیکھ رہے تھے۔

وہ یک دم چپ ہوگیا۔

اپنے چہرے پہ ہاتھ پھیر کر سر جھٹکا۔۔۔

اپنی جگہ سے اُٹھ کر کبرڈ سے خالی گلاس نکال کر سنک سے ٹھنڈے پانی سے بھرا۔۔شیلف کے ساتھ ٹیک لگا کر دو چار گھونٹ میں گلاس خالی کر دیا۔

”تو کیا اب اُس سے شادی کرو گے؟۔۔“

”وہ مجھ سے شادی کرنا نہیں چاہتی ہے۔اور میں اُس کے ساتھ زبردستی نکاح نہیں کرونگا۔ اپنی ماں کی عمر والی عورت سے نکاح کیا ہے۔اور جس سے شادی کرنا چاہتے ہو۔وہ راضی نہیں احمد۔۔۔“

”تو پھر بچے کو کون پالے گا؟ گوری؟۔۔“

”گوری پر بچے پالنے کی کوئی ذمہ داری نہیں ہوگی۔بچے نوال کے ہیں۔وہی اُنکو پالے گی۔“

”جب وہ تم سے شادی نہیں کرنا چاہتی تو تمہارے بچے کیوں پالے گی۔“

وہ دونوں بازو سینے پہ باندھے سنک کے ساتھ ٹیک لگا کر سنجیدہ چہرہ لیے پُر سوچ انداز میں فرش کو دیکھ رہا تھا۔

”بچے اُسکو لینے ہی پڑیں گے۔مجھ سے جان چُھڑانے کو وہ میری ہر بات مان لے گی۔“

”میں کبھی اپنے بیٹے کی اولاد کو کسی غیر کے حوالے نہیں کرونگی۔“

”بچوں کی ٹینشن نہ لیں۔وہ اپنی جان سے بڑھ کر اُنکو چاہے گی۔“

”تمہاری اولاد کو چاہے گی۔پھر تم سے شادی کرنے میں کیا بُرائی ہے۔“

”ہوسکتا ہے ایک دن وہ مان جائے۔مجھے معاف کردے۔اور ہاں کہہ دے۔“

”اور اگر ایسا نہ ہوا تو؟۔۔“

باپ کے سوال پہ اُسکے چہرے پہ تاریک سایہ گُزرا۔۔۔

”زندگی گزر ہی جائے گی۔بچوں کی کسٹڈی میں ہم دونوں کا نام ہی ماں باپ کے خانے میں لکھا جائے گا۔ مجھے یہ احساس کافی ہوگا کہ وہ خوش ہے۔“

”اُسکی خوشی اتنی کیوں اہم ہے؟۔۔ایک غیر عورت کے لیے اپنے ماں باپ کو جو تکلیف دئے رہے ہو۔ اُسکے بارے میں سوچا ہے۔“

”اُسکی خوشی اسلیے اہم ہے۔کیونکہ اُسکے پاس آنسوؤں کے سوا اور کُچھ نہیں ہے۔میں اُسکا قرض دار ہوں۔ ایک وقت تھا۔جب میں اُسکے ساتھ ہونے والی زیادتیاں روک سکتا تھا۔میرے پاس سب ثبوت تھے۔مگر میں

نے اُسکو اکیلا چھوڑ دیا۔ اگر تب میں اسکو زبردستی اُس کُتے سے دور کر دیتا تو شائد آج اُسکا بچہ اُسکی گود میں ہوتا۔ آج بھی اُسکے چہرے کا رنگ ویسا ہی گُلابی ہوتا۔ نظروں میں ویسی ہی زندگی۔ جب اُسکا بیٹا ہونے والا تھا۔ وہ پہلے سے بھی حسین ہو گئی تھی۔ میری نظر اُسکے چہرے سے ہٹنا بھول جاتی تھی۔ میں بڑی مشکل سے خود کو اُس سے دور رکھتا تھا۔"

"تمہیں شرم کیوں نہ آئی۔ تب وہ کسی کی بیوی تھی۔"

"ماں محبت بڑی ظالم شے ہے۔ دل جس پہ آجاتا ہے۔ وہ یہ حدیں نہیں دیکھتا۔ آپ کو اندر ہی اندر مار دیتا ہے۔ جسکو چوبیس گھنٹے سامنے دیکھنے کو جی چاہے۔ وہ دنوں تک نظر ہی نہ آئے۔ آپ کبھی اس کیفیت سے نہیں گُزری ہونگی۔ پر میں گُزرا ہوں۔ جس دن وہ نظر نہیں آتی تھی۔ مجھے کُچھ اچھا نہیں لگتا تھا۔ مجھے خود پہ غُصہ آتا کہ کیوں میں سراب کے پیچھے بھاگ رہا ہوں۔ میرا دل گہری اُداسی سے بھر جاتا۔ بھری محفل میں محسوس ہوتا ہے۔ میں اکیلا ہوں۔ اور تنہائی میں اُسکا تصور میرے ساتھ ہوتا ہے۔ پچھلا ڈیڑھ سال کا عرصہ میں نے ایک گہری کالی سرد دھند میں گُزارا ہے۔ مجھے لگتا تھا۔ یہ دھند مجھے نگل جائے گی۔ مجھے کہیں اپنا سایہ بھی نہیں ملے گا۔"

سعدیہ کے لیے اپنے بے حد پریکٹیکل قسم کی زندگی گزارنے والے بیٹے کو اس حالت میں دیکھنا بڑا دردناک ثابت ہو رہا تھا۔ اُنہوں نے کبھی سوچا تک نہ تھا کہ احمد کسی لڑکی کے لیے اس حد تک جائے گا۔

"میں اُس سے ملنا چاہتی ہوں۔"

احتشام صاحب نے بھی بیٹے کے اس روپ کو بڑا محسوس کیا۔ بیوی کی تائید کرتے ہوئے بولے۔۔۔

"ہمیں پہلی فرصت میں اُس سے ملواؤ۔۔ اگلا کام ہمارا ہے۔ اگر تمہیں اُسکی اتنی ضرورت ہے۔ تو اپنے ماں باپ کو ہمارا کردار ادا کرنے دو۔"

"اگر آپ کو وہ پسند نہ آئی تب؟۔۔"

"یار شادی تم نے کرنی ہے۔ میں نے یا تمہاری ماں نے نہیں۔ بہن کو بھی تمہاری خوشی سے خوشی ہوگی۔"

ہ "ہمیں اُس سے ملواؤ۔۔۔"

کافی دیر بعد وہ بولا۔۔

"ایک ہفتہ انتظار کرلیں۔ پھر آپکو اُسکے پاس لے جاؤنگا۔مل لیجئے گا۔"

"ایک ہفتہ بہت لمبا ہوتا ہے۔ایک ہفتے میں سات دن ہوتے ہیں۔ میں اُس سے جلد از جلد ملنا چاہتی ہوں۔میں اپنے بیٹے کی پسند دیکھنا چاہتی ہوں۔"

بڑی مجروح سی مسکراہٹ اُسکے ہونٹوں پہ نمودار ہوئی۔

"ماں آپکو وہ حلال مچھلی والی یاد ہے؟؟۔"

"کون حلال مچھلی وا۔۔۔"

سعدیہ کی نظریں پھیل گئیں۔چونک کر بولیں۔۔۔

"اُسکا نام بھی تو نوال تھا۔۔"

"یہ وہی نوال ہے ماں۔۔۔"

سعدیہ کے الفاظ کھو گئے۔

ہ"احمد۔۔۔وہ تو بہت خوبصورت تھی۔"

"ماں وہ آج بھی ویسی ہی خوبصورت ہے۔"

"تو کیا جب وہ ہمیں سپر سٹور پہ ملی تھی۔تب تم اُسکو جانتے تھے۔"

"ہاں۔۔۔میں اسلیے وہاں سے ہٹ گیا تھا۔"

"تم نے مجھے کیوں نہ بتایا۔میں اُسکو غور سے دیکھ ہی لیتی۔"

"تب وہ میری پہنچ سے بہت دور تھی۔اُسکو پانے کا شوق بھی نہیں تھا۔اُس وقت وہ میرے لیے ایک معما تھی۔جسکو حل کرنے کے چکر میں اُلجھتا چلا گیا۔"

"کھانا کھا چکے ہو؟۔۔"

"نہیں مگر ابھی بھوک نہیں ہے آفس میں لیٹ لنچ لیا تھا۔ابھی مجھے جانا ہے۔"

"کیا وہ دونوں تمہارے گھر پہ رُکی ہوئی ہیں؟۔۔"

ماں کے قریب آیا۔پیشانی پہ بوسہ لیا۔

"ہاں دونوں اُدھر ہیں۔ گریس کو جان بوجھ کر آج وہاں چھوڑا ہے۔ تاکہ وہ نوال کے ساتھ وقت گزارے۔ اس طرح سے نوال کی توجہ بچوں کی جانب ہوگی۔"

"اور اگر ایسا نہ ہوا؟۔۔ جو کچھ تم نے پلان کیا ہوا ہے۔ سب ویسا نہ ہوا تو؟۔۔"

"انسانی پلان کبھی بھی سو فیصد سچ ثابت نہیں ہوتے ہیں۔ یہ بات نظر میں رکھتے ہوئے میں پُر اُمید ہی ہوں۔ سو فیصد نہ سہی پر میں پچاس فیصد کی اُمید نہیں کھونا چاہتا۔ ابھی اجازت دیں۔ میں نکلتا ہوں۔"

"کم از کم اپنا فون تو آن رکھا کرو۔"

"فون آن ہی ہوتا ہے۔ پرسوں رات میں گاڑی چلا رہا تھا۔ ایک تو ویسے بھی موٹر وے پہ تھا۔ دوسرا بارش ہو رہی تھی اسلیے فون نہ اُٹھا پایا۔"

"چلو خیریت سے جاؤ۔ ابھی بھی کافی اندھیرا ہو گیا ہے۔ کہاں ویرانے میں جا کر گھر لیا ہے۔ پہنچ کر اپنی خیریت کی خبر دے دینا۔"

وہ دھیمے سے ہنسا۔۔۔

"ایسا کیوں لگ رہا ہے۔ مجھے اپنے گھر شفٹ ہو جانے کا بولنے والی ماں اب میرے جانے پہ اُداس نظر آ رہی ہیں۔"

"ظاہری بات ہے۔ میں اُداس ہی ہوں۔ ایک تو تمہاری اتنی رونق ہوتی ہے۔ دوسرا میں تمہارے حالات کی وجہ سے فکر مند ہو گئی ہوں۔ نہ جانے کیا ہونا ہے۔"

"آپ کی دُعا میرے ساتھ رہے گی تو سب ٹھیک ہی ہوگا۔ ایک دفعہ نوال گھر میں سیٹ ہو جائے۔ پھر آپکو بھی اُدھر ہی لے جاؤں گا۔"

"اوکے باس اللہ حافظ۔۔۔"

احتشام کے ساتھ مصافحہ کیا، اپنا ہیلمٹ اور چابیاں پکڑ کر بیرونی دروازہ پار کر گیا۔

اُسکے جانے کے بعد سعدیہ نے شوہر کو دیکھا۔

"آپ کیا سوچ رہے ہیں؟۔۔ مجھے تو ابھی تک یقین ہی نہیں آ رہا۔"

''نہیں اتنا بھی پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔جس لڑکی کو اُس نے پسند کیا ہے وہ مسلمان ہے۔اور سب سے بڑی بات لڑکی ہے۔میرے دوست کے بیٹے نے ایک ہندو لڑکی سے شادی کر لی ہے۔اُس لڑکی کا اپنے بوائے فرینڈ سے ایک بیٹا ہے۔اور اُسکا بوائے فرینڈ ایک جاپانی لڑکا ہے۔آج کل کی اولاد ماں باپ کو بڑی بُری طرح سے خوار کر رہی ہے۔ہم کیا کر لیتے اگر وہ کسی لڑکے کو لیکر آ جاتا کہ اس سے شادی کر رہا ہوں۔''

''توبہ کریں۔۔۔میرا احمد کبھی ایسے حرام بدکار کام نہیں کر سکتا۔''

''پھر تو تمہیں خوش ہونا چاہیے۔وہ تمہاری سالوں کی خواہش پوری کر رہا ہے۔''

''میں خوش ہی ہوں۔مجھے بس اُس بچی کا جان کر بڑا دُکھ ہوا ہے۔دوسری بات جو مجھے وہم میں ڈال رہی ہے۔اگر نوال نے اسکے ساتھ شادی سے انکار کر دیا۔تو کیا یہ کسی اور سے بھی شادی نہیں کرے گا۔بچوں کا کیا ہوگا؟۔۔یہ کس قسم کی زندگی گزارے گا؟۔۔دوست احباب کیا کہیں گے۔کسی کو اسکی اور گریس کی شادی کا علم نہیں ہے۔کل کو میں بچوں کو اپنا پوتا پوتی کہہ کر متعارف کرواؤنگی تو کیسی کیسی باتیں نہ ہونگی۔''

''جو وقت ابھی آنا ہے۔ابھی سے اُسکو سوچ کر پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔جب تمہارے بیٹے کو فرق نہیں پڑتا تو تم بھی مت سوچو۔اور دُعا کرو وہ خوش رہے۔''

''ہاں دُعا تو کرونگی ہی۔وہ تو کُچھ کھائے بغیر ہی چلا گیا ہے۔آپ ڈنر کر لیں۔پونے دس ہو گئے ہیں۔صبح سے میں ارادے بنا رہی تھی۔آئے گا تو یوں بے عزت کرونگی۔یہ کہونگی وہ کہونگی۔اب آیا ہے تو اُسکے چہرے پہ موجود تاثرات دیکھ کر ہی سب کُچھ بھول گئی ہوں۔کُچھ کہا ہی نہیں گیا۔''

''وہ اسی لیے تو اتنا لمبا انتظار کروانے کے بعد آیا ہے۔میں ہاتھ دھو کر آتا ہوں۔تم کھانا لگا دو۔انشااللہ بہتر کرنے والے ہیں۔''

''آمین۔۔۔فری کو خبر ہوئی پھر ایک الگ محاذ کُھلے گا۔وہ تو پہلے ہی کہتی ہے۔میں نے احمد کو سر چڑھایا ہوا ہے۔اپنی کسی جاننے والی کی بیٹی کا رشتہ بھی بتا چُکی ہے۔اب اسکو کیا کہوں گی۔''

''تم اسکو بول دینا بھائی سے براہِ راست بات کر لے۔تم مت دونوں کی لڑائی میں پڑنا۔''

''اب اور کوئی بہانہ بھی تو نہیں ہے۔یا کہہ دونگی احمد لڑکی پسند کر کے شادی کر چُکا ہے۔بات ختم۔۔۔''

احتشام صاحب ہنستے ہوئے بولے۔۔

"بات تو سچ ہے۔مگر بات ہے رُسوائی کی۔۔۔"

اُن کے موقع محل کیمطابق بولے گئے فقرے نے سعدیہ کو بھی ہنسنے پر مجبور کر دیا۔خوشدلی سے بولیں۔۔۔

"لوگوں کی بہو پہلے آتی ہے۔پوتا بعد میں۔میرے گھر پوتا پہلے آئے گا۔بہو بعد میں آئے گی۔اور پتا نہیں بہو آتی بھی ہے یا نہیں۔میں بتا رہی ہوں۔اگر نوال نے احمد سے شادی نہ کی۔میں احمد کا بچہ خود پال لونگی نوال کو نہیں دونگی۔"

"تم پریشان نہ ہو۔اللہ بہتر کریں گے۔۔کھانا نکال دو۔پریشانی تھوڑی کم ہوتے ہی بھوک چمک گئی ہے"

وہ اُٹھ کر ہاتھ دھونے لگ گئے۔جبکہ سعدیہ کھانا نکال کر میز پر لگانے کے ساتھ ساتھ بول رہی تھیں۔

"آپکی بیٹی نے کہا تھا۔پورے دس بجے کال کرے گی۔اب یا تو آپ اُسکے ساتھ بات کیجئے گا۔یا پھر میسج چھوڑ دیں۔ہم سوچ چکے ہیں۔کل دن میں فون کر لے۔کیونکہ اب میرے میں تو ذرا ہمت نہیں ہے۔وہ سوال پوچھ پوچھ کر دماغ کھا جائے گی۔اور میرا پہلے ہی سر درد کر رہا ہے۔کھانا کھاتے ہی آرام کرنا چاہونگی۔"

احتشام صاحب مسکراتے ہوئے آکر واپس میز پہ بیٹھ گئے۔

"میں دیکھ لونگا۔تم کھانا کھاؤ اور آرام کرو۔"

"شکریہ۔۔۔"

☆......☆......☆

ربیکا نے کھانا لگانے کے بعد گریس کو اطلاع دینے کے لیے اُسکے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹایا۔

اندر سے اجازت ملتے ہی اُس نے دروازہ کھولا۔۔اندر سے دھویں کے بھگولے اُٹھے۔۔۔

"مس کھانا لگ گیا ہے۔آکر کھا لیں۔"

"وہ اُٹھی ہے؟۔۔"

"کون؟۔۔"

"بھئی وہی تمہاری مالکن کیا نام ہے۔۔۔ہاں نوال۔کیا وہ جاگ گئی؟۔۔"

ربیکا نے نفی میں سر ہلایا۔۔

''نہیں میں تین چار مرتبہ گئی ہوں۔ مگر وہ دروازہ نہیں کھول رہی ہیں۔''

''کیا یہ عام طور پر بھی ایسے ہی کمرے میں بند رہتی ہے؟۔۔''

ربیکا کو گریس کا یوں نوال کے بارے میں بولنا زیادہ پسند نہیں آیا۔ فوراً دفاع کرتے ہوئے بولی۔۔۔

''اُنکی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ اسلیے وہ آرام کر رہی ہیں۔''

''بھئی یہ بھی ٹھیک ہے۔ گھر پہ مہمان آئے اور گھر والے مہمان کو وقت دینے کی بجائے بیمار پڑ جائیں۔ چلو ذرا مجھے دیکھاؤ اُسکا کمرہ کدھر ہے۔ میں خود اُس سے بات کرتی ہوں۔ کیا ان دونوں میاں بیوی کی لڑائی ہوئی ہے؟۔۔ جیسے صبح دونوں بات کر رہے تھے۔ مجھے تب ہی اندازہ ہو گیا تھا۔ یقیناً کوئی گڑ بڑ ہے۔ وہ اسکو دیکھے جا رہا تھا۔ اور یہ اُسکو نظر انداز کر رہی تھی۔ کہیں میری یہاں موجودگی کی وجہ سے تو نوال ناراض نہیں ہے؟۔۔''

گریس کمر پہ ہاتھ رکھ کر چلتی ہوئی اپنے کمرے سے باہر آئی۔ پھر اپنے پیچھے آتی پریشان سی ربیکا کو پوچھا۔۔

''کدھر کو جانا ہے؟۔۔''

ربیکا نے سیڑھیوں کی جانب اشارہ کیا۔۔۔

گریس اوپر جانے تک مسلسل بولتی رہی۔۔۔

اوپر پہنچ کر پھر ربیکا کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

ربیکا نے مطلوبہ دروازے کا بتایا۔ خود پیچھے کھڑی رہی۔

گریس نے آگے بڑھ کر زور سے دروازے پہ دستک دی۔

''ہیلو۔۔۔!! نوال۔۔۔!! دروازہ کھولو۔۔۔''

''اگر تم میری وجہ سے یوں کمرے میں بند ہو۔ تو میں یہاں سے چلی جاتی ہوں۔ یقین مانوں مجھے تمہارے آدمی سے کوئی لینا دینا نہیں ہے۔ میں تم لوگوں کو یہ بچے دونگی جواب میں تمہارا شوہر مجھے منہ مانگی رقم دیگا۔ صرف تین ماہ رہ گئے ہیں۔ اُسکے بعد میں ہونگی اور سٹیون ہوگا۔ ہائے مجھ سے یہ تین ماہ نہیں گزر رہے۔ جیسے ہی بچے پیدا ہو گئے میں جم جانا شروع کرونگی۔ تا کہ جسم واپس شیپ میں آجائے۔ ابھی بھی میں ٹریڈ میل پہ سائکلنگ کرتی

ہوں۔"

کلک کی آواز کے ساتھ دروازہ کُھلا ساتھ ہی ٹھنڈی ہوا کے جھونکے آئے۔۔

ربیکا بھاگ کر آگے آئی۔۔

"میرے اللہ کیا کھڑکیاں کُھلی چھوڑی ہوئی ہیں۔اتنی زیادہ ٹھنڈ ہے۔"

نیلے پڑتے ہونٹ لٹھے کی طرح سفید چہرہ۔۔۔کانپتے ہاتھ۔۔۔بکھرے بال لڑکھڑاتے قدموں کے ساتھ گریس کے بالکل سامنے آکر کھڑی ہوگئی۔

"تم جانتی ہو۔تم بڑی خوش قسمت عورت ہو۔کیا تم مجھے اجازت دوگی۔میں اپنے ہاتھوں سے تمہارے بچوں کے لیےاون کے ہیٹ اور سوئیٹر بناؤں۔۔؟ مجھے سلائیوں سے کام کرنا آتا ہے۔پتا جب میں پرائمری سکول میں تھی۔تب پہلی دفعہ میں نے موٹی اوُن کے ساتھ اپنا سکارف بنایا تھا۔تمہارے بچوں کے لیے بہت پیار سے بناؤں گی۔"

ربیکا نے کمرے کی بتی جلائی اور تیزی سے ایک ایک کر کے کمرے میں موجود چاروں کھڑکیاں بند کیں۔ کمرہ فریزر بنا ہوا تھا۔

نووال کی آنکھوں کی اُداسی تھی۔لہجے میں حسرت تھی۔جس نے گریس کے دل پہ گھونسہ مارا۔۔

وہ قریب آئی اور نووال کے برف میں لگے ہاتھ اپنی گرفت میں لیے۔

"آخر کیا ہوا ہے۔جس نے تمہیں اس قدر متاثر کیا ہے۔نوال تم نارمل نہیں ہو۔حدید بظاہر تو اچھا انسان لگتا ہے۔کیا وہ تمہارے حق میں اچھا نہیں ہے؟۔"

نہ جانے کیا ہوا نوال اُسکے گلے لگ کر روتی چلی گئی۔۔

"مجھے زندگی نے برتا ہے گریس مجھے زندگی نے دُھتکار دیا ہے۔وہ بڑا اچھا ہے۔مگر وہ میرا کُچھ نہیں لگتا ہے۔مجھے اپنے ماں باپ یاد آتے ہیں۔مجھے اپنا بیٹا یاد آتا ہے۔میں اُن سب کے پاس جانا چاہتی ہوں۔جب آپکا دنیا میں کوئی نہیں رہتا تو یہ سانسیں کیوں نہیں رُکتی ہیں؟۔جب میرا سب کُچھ ختم ہو گیا تھا۔تو میں کیوں بچ گئی۔میں کس کے پاس جاؤں؟۔۔میں کس کو آواز دوں؟؟"

ربیکا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

گریس ابھی تک حیرت کے زیر اثر تھی۔نوال کا جسم بے جان ہوتا محسوس ہو رہا تھا۔

اس سے پہلے وہ فرش پہ گرتی گریس نے اُسکو تھام کر اپنے ساتھ لگا لیا۔

"یہاں کیا ہو رہا ہے؟۔۔"

حدید کی آواز پہ بروقت ربیکا اور گریس ہوش میں آئیں۔

حدید سوال پوچھتے ہی ایک جست میں دو دو سیڑھیاں پھلانگتا اوپر آیا۔

"اسکو کیا ہوا ہے؟۔۔"

اُسکی آواز میں پریشانی تھی۔آگے آتے ہی نوال کو تھام کر گریس کو آزاد کیا۔

جو لمبے لمبے سانس بھرتے ہوئے بولی۔

"پتا نہیں بات کرتے کرتے ہی بے ہوش ہو گئی ہے۔"

نوال حدید کی بانہوں میں تھی۔اور وہ سوالیہ نظروں سے دوسری دونوں عورتوں کو دیکھ رہا تھا۔

"اسکا جسم اتنا ٹھنڈا کیوں ہو رہا ہے؟ کیا یہ باہر سے ہو کر آئی ہے۔؟۔۔"

وہ اسکو اُٹھائے کمرے میں داخل ہوا اور اونچی آواز میں ربیکا سے استفسار کیا۔۔۔

"نہیں سر یہ صبح سے اپنے کمرے میں ہی رہی ہیں۔"

"پھر اسکا جسم اس قدر ٹھنڈا کیوں ہے؟۔۔"

وہ اُسکو بیڈ پہ ڈالنے کے بعد اُسکے ہاتھ مسل رہا تھا۔

"انہوں نے کمرے کہ تمام کھڑکیاں کھولی ہوئی تھیں۔وہیں سے ٹھنڈ لگی ہے۔"

"کیا تم نے دن میں اسکی خبر لی تھی؟۔۔"

"جی سر میں ہر دو گھنٹے بعد آ کر دروازہ کھٹکھٹاتی رہی ہوں۔مگر یہ کوئی جواب نہیں دیتی تھیں۔"

"اُس نے جواب نہیں دیا تو تم نے اُسکو اُسکے حال پہ چھوڑ دیا۔ڈوپلی کیٹ چابی سے دروازہ کیوں نہیں کھولا ؟۔۔تم جانتی تھیں اسکی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔پھر بھی سارا دن اُسکو اکیلا مرنے کے لیے چھوڑ دیا۔اسکو اگر ہوش

نہ آیا ربیکا تو تم نہیں بچو گی۔ میں صبح سے دس دفعہ کال کر چکا ہوں۔ کم از کم میرے سامنے ہی بکواس کی ہوتی میں خود اس ضدی عورت کی خبر لینے یہاں دفع ہو جاتا۔ اب یہاں کھڑی رہ کر میرا منہ نہ دیکھو۔ جا کر باتھ میں گرم پانی بھرو۔۔۔ اسکو فوری گرماہٹ کی ضرورت ہے۔''

ربیکا کو حکم ملنے کی دیر تھی۔ وہ تیر کی طرح کمرے سے غائب ہوئی۔۔۔

وہ اُس پہ جھکا اُسکی بند آنکھوں کو کھول کر دیکھ رہا تھا۔ کمرہ ابھی تک ٹھنڈا تھا۔

''مجھے لگتا ہے۔ تمہاری بیوی کے ساتھ کوئی سائیکولاجیکل مسئلہ ہے۔ یہ تو تمہیں اپنا شوہر بھی نہیں مانتی۔''

وہ گریس کی موجودگی کو بھول چکا تھا۔ اب وہ بولی تو فقط گردن موڑ کر بولا۔

''گریس تم اپنے کمرے میں جاؤ۔ بعد میں بات کریں گے۔''

اسکی آواز اس قدر سنجیدہ اور ٹھہری ہوئی تھی۔ گریس نے مزید کوئی بات نہ کی وہیں سے پلٹ گئی۔

اُس نے اپنی جیکٹ اُتار کر ایک طرف پھینکی۔۔ کف فولڈ کیئے۔ جیب میں سے والٹ' چابیاں اور فون نکال کر بیڈ سائیڈ دراز میں رکھے۔ جبڑے سختی سے ایک دوسرے میں پیوست تھے۔

ربیکا نے باتھ تیار ہونے کی اطلاع دی۔

اُسی پل وہ بیڈ کے قریب آیا۔ نوال کو اُٹھایا۔ بڑے بڑے ڈگ بھرتا واش روم میں داخل ہوا۔ باتھ میں سے بھاپ نکل رہی تھی۔ اُس نے ایک سیکنڈ کی دیر کیئے بغیر نوال کو کپڑوں سمیت پانی میں اُتار دیا۔

اُسکا سر چہرہ سب پانی میں ڈوب گیا۔ دوسرے ہی پل وہ مچھلی کی طرح تڑپ کر بیدار ہوئی۔۔ ہاتھ پیر مارتے ہوئے چہرہ پانی سے نکالنے کے بعد تیز تیز سانس بھرتے ہوئے صورتحال سمجھنے کی کوشش کرنی چاہی۔۔۔

کھانس کھانس کر جب سانس ذرا ہموار ہوئی تو نظر اپنے کمرے میں موجود مرد پہ پڑی جو دونوں بازو سینے پہ باندھے چٹان بنا کھڑا تھا۔ اُسکے پیچھے ربیکا سر نکال کر تشویش سے نوال کو دیکھ رہی تھی۔

وہ نوال کو کچھ کہنے کی بجائے ربیکا کی جانب مُڑا۔

''اگر آئیندہ اس نے ایسی حرکت کہ اور تم نے مجھے بروقت مطلع نہ کیا تو ربیکا اللہ کی قسم کھا رہا ہوں۔ میں تم پہ قتل کا کیس کر دونگا۔''

"اُس بچاری کا کیا قصور جو بات کرنی ہے مجھ۔۔۔"

حدید نے نوال کو درمیان میں ہی ٹوک دیا۔۔۔

"تم اس وقت چُپ ہی رہو تو بہتر ہے۔"

"نہیں تو کیا کرلو گے؟ جان سے مار دو گے؟ مار دو۔ بڑا احسان ہوگا۔"

حدید کی نظروں سے شعلے نکل رہے تھے۔۔۔

بڑے نپے تُلے قدم اُٹھاتا اُسکے قریب آ کر پنجوں کے بل بیٹھ گیا۔

"ربیکا جاؤ جا کر بیگم صاحبہ کے لباس کا انتظام کرو۔"

نوال نے اُسکے لہجے کا طنز محسوس کرلیا تھا۔ ربیکا سر ہلاتی وہاں سے ہٹ گئی۔ نوال کی نظریں سوائے حدید کے چہرے کے ہر طرف گھوم رہی تھیں۔

وہ دھیمی سی سرگوشی میں بولا۔۔۔ "کیا زندگی بے معنیٰ لگتی ہے؟۔۔مزید زندہ رہنے کو جی نہیں چاہتا؟۔۔ موت چاہیے؟۔۔ابھی دیکھ لیتے ہیں۔"

کہنے کے ساتھ ہی اُس نے نوال کو سمجھنے سوچنے کا موقع دئے بغیر اُسکے کندھوں پہ وزن ڈال کر اُسکا سر پانی میں ڈبو دیا۔

پانچ چھ سیکنڈ ہی گزرے تھے۔ جب نوال کی ٹانگوں کی پُر احتجاج حرکت کی وجہ سے پانی ٹب سے اُچھل اُچھل کر باہر فرش کے ساتھ ساتھ حدید کو بھی بھگو گیا۔

اُس پہ نوال کے احتجاج کا کوئی اثر ہی نہیں ہوا۔ ویسے ہی اُسکو مضبوطی سے پانی کے نیچے تھامے بیٹھا رہا۔۔

نوال کو لگا آج موت واقعی اُس تک پہنچ گئی ہے۔ خوف کے مارے ہاتھ پیر مزید تیز ہو گئے۔۔۔

نوال کو موت سامنے نظر آنے لگی۔ آنکھوں سے دو چار خاموش آنسو بھی پھسل گئے۔

جب بالکل بے جان ہونے کو تھی۔ حدید نے بڑی آسانی سے اُسکو اوپر کھینچا۔

نوال کو حد سے بُری کھانسی آنا شُروع ہوئی جو دو چار منٹ تک جاری رہی۔ اس دوران وہ بڑی تحمل سے بیٹھ کر اُسکو تکلیف میں دیکھتا رہا۔ جب اُسکی کھانسی ذرا کم ہوئی۔۔۔ سنجیدگی سے پوچھا۔۔۔

”کیا خیال ہے پھر آج ہی مرنا ہے۔ یا کسی اور دن؟۔۔۔“

”تم بہت بُرے ہو۔ یہاں سے دفعہ ہو جاؤ۔۔“

”حیرت ہے۔ میں تو تمہیں تمہارے مشن میں مدد دیئے رہا تھا۔ تمہیں اب بھی غُصہ آرہا ہے۔ جبکہ میرا شکریہ ادا کرنا چاہیئے تھا۔“

”جانور کہیں کا۔۔۔“

وہ ہلکا سا ہنستے ہوئے آگے کو جُھکا۔۔۔ نوال نے اپنے ہاتھوں کا استعمال کر کے اسکو دور دھکیلنا چاہا۔ وہ ڈر گئی واقعی پھر سے پانی میں ڈبونے والا ہے۔ اور وہ پھر سے اس تکلیف سے گزرنا نہیں چاہتی تھی۔ اُسکو پانی سے خوف آرہا تھا۔

اُس نے اُسکے تھپڑوں گھونسوں کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے۔ اُسکا چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں میں تھاما۔ اور اُسکی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولنا شروع کیا۔

”کسی ایک صورتحال کا آخر۔۔۔ حقیقت کا آخر نہیں ہوتا۔ کسی دوسری صورتحال کا جنم ہوتا ہے۔ یہ بات تم جتنی جلد قبول کر لو اُتنا ہی بہتر ہوگا۔ کیونکہ نہ تو جانے والے واپس آنے والے ہیں۔ اور نہ ہی میں کہیں جانے والا ہوں۔ تمہاری اور میری شادی ہونی ہے۔ ہونی بھی تمہاری دلی رضامندی سے ہے۔ پھر بھی اگر مرنے کا ہی موڈ ہوا تو اگلی دفعہ مرنے کا پروگرام ہو تو کھڑکی کھول کر ٹھنڈ میں بیٹھنے کی بجائے مجھے فون کر لینا۔ خود ہی تمہارا گلا دبا دونگا۔“

نوال آنکھیں پھاڑے اُس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ وہ جو کھڑا ہو کر وہاں سے نکلنے کا سوچ رہا تھا۔ خود پہ اختیار نہ رکھ پایا۔ اُسکا فوکس نوال کے ہونٹ تھے۔ جب تک وہ حیرت سے نکلی وہ اُسکے لبوں کا ذائقہ چکھ چُکا تھا۔

وہ اُس پہ ایک مسکراتی نگاہ ڈالتا وہاں سے نکل گیا۔۔

نوال کا چہرہ سُرخ ہو رہا تھا۔ اور ایسا شرم کی وجہ سے نہیں غُصے کی وجہ سے ہوا تھا۔ وہ کتنی دیر بے یقینی سے اپنی جگہ بیٹھی رہ گئی۔

ہ"یہ اس قدر بے حیا انسان ہے۔ مجھے اس کمینگی کی اُمید نہ تھی۔ پر خیر اس سے اچھائی کی اُمید تو کوئی اندھا

ہی رکھ سکتا ہے۔اب جو مرضی ہو جائے ایک دفعہ یہاں سے نکلنا ہے۔چاہے کوئی ڈرامہ ہی کرنا پڑے۔تم سے شادی کرتی ہے میری جوتی۔۔۔"

ربیکا اندر آئی۔نوال کو خود سے باتیں کرتا پا کر مزید گھوم گئی۔

"تم میرا منہ کیا دیکھ رہی ہو۔کپڑے ادھر رکھو اور جاؤ یہاں سے یا پھر اس گھر میں پرائیویسی نام کی کوئی چیز موجود ہی نہیں ہے۔"

ربیکا نے گڑبڑا کر اُسکے لیے لایا ہوا لباس دروازے کے پیچھے لٹکایا۔اور منمناتے ہوئے بولی۔۔۔

"آپ کو کوئی چیز چاہیے ہو۔آواز دے دینا میں باہر ہی موجود ہوں۔"

"اگر ممکن ہو تو تھوڑا سا نیلا تھوتھا جا کر اُس جن کو کھلا دو جسکو سر بولتی ہو۔"

"جی۔۔۔؟۔۔"

"جاؤ۔۔۔!!۔۔۔"

"جی اچھا۔۔۔"

نوال نے غُصے سے پانی میں ہاتھ مارا۔۔۔پانی اُڑ کر اُسکے چہرے پہ گرا۔مزید تپ گئی۔

باتھ لیکر باہر نکلی سامنے نئی مصیبت نظر آئی۔

وہ بڑی آرام دہ حالت میں بیڈ پہ لیٹا ہوا تھا۔نیم تاریکی میں گھرا کمرہ انتہائی گرم اور پُرسکون لگ رہا تھا۔

نوال دانت پیستی دبے قدموں کمرے سے نکل گئی۔

ربیکا کو سیڑھیوں کے پاس الرٹ موڈ میں کھڑی پایا۔

"تم یہاں کیا کر رہی ہو؟ تھکتی نہیں ہو؟ کھانے میں کُچھ ہے؟۔۔"

غُصے کی زیادتی نے بے بسی اور اُداسی کی چھٹی کروادی تھی۔بھوک کی وجہ سے پیٹ میں درد محسوس ہو رہا تھا۔

"کھانے کے لیے ہی بُلانے گئی تھی۔مس گریس نے بھی ابھی تک کھانا نہیں کھایا۔"

"اوہ بچاری۔۔۔!وہ اپنے شوہر کے انتظار میں بھوکی بیٹھی ہوگی۔جاؤ اُس کو بول کر آؤ گریس اُسکی وجہ سے بھوکی ہے۔دوسروں کی بیویوں کی بڑی خبر رہتی ہے۔اپنے حقوق تو پورے کرے۔"

”آدھا گھنٹہ پہلے کی بات ہے۔تم مردہ لگ رہی تھیں۔چلو میرے پہ غصے سے یہ تو فائدہ ہوا اب ہمارا کفن دفن کا خرچہ بچ گیا۔“

حدید کی آواز پہ وہ ایک پل کو چونکی ضرور مگر مڑ کر نہیں دیکھا۔گیلے بالوں کو کان کے پیچھے اڑستی ربیکا سے مخاطب ہوئی۔

”تمہارا کچن کدھر ہے؟۔۔“

”وہ اُدھر پچھلی جانب۔۔۔“

ربیکا کے بتانے پر وہ چپ چاپ مطلوبہ سمت کو چل پڑی۔آوازیں سُن کر گریس بھی کمرے سے نکل آئی۔چھوٹتے ہی بولی۔

”شکر ہے۔۔تم لوگوں کو بھی کچھ احساس ہوا۔اگر یہ تم لوگوں کی مہمان نوازی ہے۔تو میں یقین سے کہہ سکتی ہوں۔کوئی یہاں آنا پسند نہیں کرتا ہوگا۔جس طرح تم دونوں لڑ رہے ہو۔میں تو یہی سمجھی ہوں۔میرا آنا ہی اچھا نہیں لگ رہا۔“

”تم ٹھیک سمجھی ہو۔اصل میں نوال میرے معاملے میں بڑی بچی ہے۔اپنے اور میرے درمیان وہ کسی تیسرے کا وجود برداشت ہی نہیں کر پاتی۔چاہے وہ ایک کنٹریکٹ میرج ہی کیوں نا ہو۔اسی لیے تو آج خودکشی کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔“

گریس کے چہرے پہ موجود آنکھیں خطرناک حد تک باہر کو اُبل پڑیں۔۔۔

”نوال۔۔۔!! کیا یہ بات سچ ہے؟۔۔“

”یہ منہ اور مسور کی دال۔۔۔سراسر بکواس کر رہا ہے۔میری شکل دیکھو اور بتاؤ کیا میں اتنی گئی گزری ہوں۔جو اس شخص کے لیے یہ سب کرونگی؟۔۔“

”نہیں دیکھنے میں تو تم دونوں کا کپل ایک دم پرفیکٹ ہے۔“

نوال نے بڑی مشکل سے خود کو روکا۔ورنہ جی چاہ رہا تھا۔سینٹرل میز پہ رکھا نفیس کانچ کا گلدان اُٹھا کر فرش پہ مارتی۔۔

خاموشی سے باورچی خانے کی طرف بڑھ گئی۔

حدید کی دل جلانے والی ہنسی نے پیچھا کیا تھا۔

کچن میں ہی ایک طرف چھ کُرسیوں والا ڈائننگ پڑا تھا۔کھانے کے لوازمات پہلے سے سجائے رکھے تھے۔

وہ ابھی بیٹھی ہی تھی۔ جب گریس اور حدید بھی وہیں آئے۔

حدید نے گریس کے لیے کُرسی کھینچی۔۔۔

گریس کے بیٹھنے کے بعد حدید نے ہی اُسکی پلیٹ میں اُسکی پسند پوچھ کر کھانا نکال کر دیا۔نوال اس دوران وہاں ہوتے ہوئے بھی وہاں سے خود کو غائب ہی محسوس کرواتی رہی۔اپنی پلیٹ میں تھوڑے سے چاول نکالے اور بغیر کچھ اور لیے وہی کھانے لگی۔سادہ اُبلے ہوئے چاول ساتھ میں پانی کا گلاس وہ جلدی جلدی کھا رہی تھی۔ جیسے وہاں سے اُٹھنے کی جلدی ہو۔

وہ اپنی جگہ پہ ہاتھ گود میں رکھے بیٹھا صرف نوال کو ہی دیکھ رہا تھا۔نہ اپنے لیے کھانا نکالا نہ کسی اور چیز کو ہاتھ لگایا۔

گریس کھا کم رہی تھی۔دونوں کو دیکھ زیادہ رہی تھی۔اور اُسکو پکا یقین تھا۔اب پھر دونوں کی لڑائی ہوگی۔دل ہی دل میں وہ کانوں کو ہاتھ لگا رہی تھی۔

آخری چمچ بھر کر منہ میں رکھنے کے بعد اُس نے پانی کے لیے ہاتھ بڑھایا تھا۔جب وہ اچانک اپنی جگہ سے اُٹھا اور نپے تلے قدم اُٹھاتا۔نوال کے ساتھ والی کُرسی پہ جا بیٹھا۔اور بڑی ٹھہری ہوئی آواز میں بردباری سے کہا۔۔۔

”دو ہی باتیں ہوسکتی ہیں۔یا تو تم اپنے لیے مزید چاول نکال کر باقاعدہ سالن وغیرہ کے ساتھ کھاؤ گی۔یا پھر یہ کام میں اپنے ہاتھوں سے کرونگا۔“

نوال کی نظریں پانی کے گلاس سے اُٹھ کر اپنی خالی پلیٹ سے ہوتی ہوئیں باقی میز کا جائزہ لیکر ایک دم حدید کے چہرے پہ رُکیں۔

ساتھ ہی اُس نے اپنے چہرے کا رُخ موڑ کا حدید کی نظروں میں مذاق اُڑانے والے انداز میں دیکھا۔

"پہلے زبردستی مجھے اس گھر مین قید کیا ہے۔ بار بار بہانے سے زبردستی مجھے چھو رہے ہو۔ اب کھانا بھی زبردستی کھلاؤ گے۔ اگر میں کچھ بھول گئی ہوں۔ تو براہِ کرم مجھے یاد کروانا۔ کیا مجھے خط لکھ کر میرے شوہر کی زیادتیاں گنوانے والے تم ہی تھے۔ یا وہ عورتوں کی عزت کرنے والا بڑا رحم دل انسانی حقوق کا پاسدار کوئی اور تھا؟ کیا کہا تھا تم نے میرے شوہر کے بارے میں؟

اوہ ہاں یاد آیا۔۔۔ نوال یہ مرد اگر دنیا کا آخری مرد ہو۔ تب بھی تمہارے لیے جائز نہیں ہے۔ کہ تم اسکے ساتھ رہو۔ یہ تو رہے تمہارے الفاظ اب میرے لفظوں میں حقیقت بھی سُن لو۔ میرے شوہر نے کبھی زبردستی مجھے گھر میں بند نہیں رکھا تھا۔ اُس نے کبھی میرے منہ میں کھانا نہیں ٹھونسا تھا۔ میرا۔۔"

نوال کی نظروں میں تھا۔ حدید کی آنکھوں میں صرف آگ۔۔۔ اور جب اُسکو ٹوکتے ہوئے بولا تو لہجے میں بھی اُسی آگ کا عکس جھلکا۔۔۔

"وہ تمہارا شوہر نہیں ہے۔"

"وہ میرا شوہر تھا۔۔۔"

"ہاں پر اب نہیں ہے۔ اسلیے اب اُسکا ذکر اپنا شوہر بول کر مت کرنا۔"

"یہ بھی تم مجھے بتاؤ گے؟ کون میرا اپنا ہے کون نہیں؟ اپنے گریبان میں جھانکا؟ یہ سامنے تمہاری بیوی بیٹھی ہوئی ہے۔ اور تم نے ایک غیر عورت کو زیرِ حراست رکھا ہوا ہے۔ جبکہ تمہاری اپنی بیوی تمہارے بچے کی ماں بننے والی ہے۔ کس قسم کے انسان ہو۔ شرم تو تمہیں چھو کر بھی نہیں گزری ہے۔ اور خبردار جواب تم نے مجھے ہاتھ لگایا۔"

"کیا کرو گی؟۔۔ کھڑکی سے کود کر جان دو گی؟۔۔"

"نہیں ایسا نہیں کرونگی۔ تمہارے سینے میں چھری اُتار دونگی۔"

حدید کے چہرے پہ عجیب سی مُسکراہٹ اُبھری۔۔۔

وہ وہاں سے اُٹھ گیا۔ اپنے اور نوال کے درمیان فاصلہ پیدا کرنا ضروری ہو گیا تھا۔

"ربیکا آکر اپنی بیگم صاحبہ کو کھانا نکال دو۔"

"نوال کھانا کھاؤ۔۔۔ جہاں تک بات رہی میرے سینے میں چھری اُتارنے کی تم نے ڈیڑھ سال پہلے یہ

کام بخوبی انجام دیا تھا۔ جب مجھے بتائے بغیر لاپتہ ہوئی تھیں۔وہ تکلیف زیادہ تھی۔میں تمہیں تمہاری مرضی کے بغیر کبھی ہاتھ نہ لگاتا۔اگر تم خود مجھے اس بات پر مجبور نہ کرتیں۔اپنی حرکتیں ٹھیک کرلو۔ورنہ مجھے الزام ہی دیتی رہ جاؤگی۔گریس میری بیوی ہے۔صرف تمہاری وجہ سے۔۔۔

”چلو کوئی نہیں اپنی سب بدعمالیاں میرے کھاتے میں ڈال جو خود سرخرو ہونا چاہتے ہو۔تو ہو جاؤ سُرخرو۔ ورنہ حقیقت سے ہم دونوں واقف ہیں۔“

”نہیں۔۔۔حقیقت سے صرف میں واقف ہوں۔تمہیں اندازہ بھی نہیں ہے۔جبکہ میں پچھلے لمبے عرصے سے یہ حقیقت جیتا آرہا ہوں۔“

وہ اپنی کہہ کر ربیکا کی جانب مُڑا۔۔۔

”مجھے کافی کے ساتھ کھانے کو کُچھ دے دو۔میں اپنے سٹوڈیو میں ہوں۔“

نوال کی جانب دیکھے بغیر وہاں سے چلا گیا۔

اُس کے جانے کے بعد نوال نے ہاتھ میں پکڑا چمچ زور سے پلیٹ میں پھینکا۔۔۔

”حقیقت کا باپ۔۔۔!!۔دغا باز فریبی۔۔۔جھوٹا۔۔۔کم ظرف۔۔۔“

اُس کا غصہ کسی صورت کم نہ ہورہا تھا۔گریس پر نظر پڑی تو اُسکو ہلکی سی شرمندگی نے گھیرا۔۔۔

گریس کھانے سے ہاتھ روکے چہرے پہ اُلجھن اور پریشانی لیے اُسکو دیکھ رہی تھی۔نوال نے ایک پل کو آنکھیں بند کر کے گہرا سانس کھینچ کر نکالا۔۔۔

”میں تم سے معذرت چاہتی ہوں گریس۔۔۔میری وجہ سے تمہارا کھانا خراب ہورہا ہے۔“

”نہیں میرا خیال کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔تم لوگ اپنا یہ ڈرامہ جاری رکھ سکتے ہو۔پر اسکا اثر تم لوگوں کی پریگنینسی پہ پڑا تو مجھے کسی قسم کا الزام مت دینا۔“

نوال کو لگا یا تو وہ پاگل ہے۔یا گریس نامی لڑکی پاگل ہے۔جو بار بار اپنے بچے کے لیے تمہارے کا لفظ استعمال کر رہی تھی۔نوال نے اپنے بال چہرے سے جھٹکے اور موضوع بدلنے کی کوشش میں بولی۔۔۔

”آج کا دن عجیب ترین دن ہے۔اسلیے ہم اس پر بات کرنا بند کر دیتے ہیں۔ہوسکتا ہے۔کل کا سویرا نئی

روشنی لیکر آئے۔"

گریس بولی۔۔

"میں ایک بہت اچھی ماں نہیں ہوں۔مگر تمہیں اور حدید کو ایک ساتھ بات کرتے دیکھ کر مجھے احساس ہو رہا ہے۔میں تو بہت ہی سنجیدہ اور ذمہ دار انسان ہوں۔تم دونوں تو بالکل بچے ہو۔ان بچوں کے ماں باپ ایسے ہیں۔ان بچوں کا اللہ ہی حافظ ہے۔"

نوال نے ہمت ہار دی۔دل میں فیصلہ کر لیا۔ایک وقت میں صرف ایک بھینس کے آگے ہی بین بجائی جا سکتی ہے۔اور حدید نامی شخص بہت کافی تھا۔گریس کے ساتھ بحث لاحاصل تھی۔اسلیے نوال نے نیا سوال کر دیا۔

"گریس تمہیں بیکنگ پسند ہے؟۔"

نوال کے مغرب سے سیدھا مشرق کو لیے جانے والے ٹرن پہ گریس سر ہلا کر بولی۔۔۔

"بیکنگ بہت چھوٹی عمر میں کی تھی۔اب تو بس مارکیٹ سے کیک لا کر کھاتی ہوں۔پر مجھے گرم اون سے خارج ہونے والی گرما گرم کیک کی خشبو بڑی پسند ہے۔"

نوال نے ایک تالی ماری۔۔۔

"گریس آج تمہارا خوش قسمت دن ہے۔"

گریس کو بتانے کے بعد نوال نے ربیکا کو مخاطب کیا۔

"ربیکا کیا تمہارے کچن میں بیکنگ کا سامان ہوگا؟۔"

نوال کا اتنا نرم لہجہ ربیکا کو بھی چند پل حیران کر گیا۔چونکتے ہوئے فوراً بولی۔

"جی جی بالکل ہے۔سب سامان ہے۔اگر کہیں تو آپکو کیک بنا دوں۔؟۔"

"ارے نہیں بھئی۔۔کیک میں بناؤں گی۔تمہارے لیے اور گریس کے لیے۔"

گریس اور ربیکا کی نظریں ملیں۔۔۔

گریس کندھے اُچکا کر کھانے کی پلیٹ پہ جھک گئی۔ربیکا نے چھت کی طرف دیکھ کر دل ہی دل میں دعا مانگی۔۔اور سینے پہ کراس بنا کر حدید کی کافی اور سینڈوچ والا ٹرے اُٹھا کر کچن سے نکل گئی۔

سیٹنگ ہال سے ہوتی ہوئی کمروں کے سب سے اینڈ پہ بنے ایک کمرے کے آگے رُکی۔۔۔

ہلکا سا بجا کر اجازت طلب کی۔۔۔جو اُسی پل مل گئی۔۔

"آ جاؤ۔۔۔"

ربیکا نے اندر قدم رکھا۔۔۔کمرے میں لال روشنی پھیلی ہوئی تھی۔

وہ اپنے جوتے اُتار چکا تھا۔اس وقت بیڈروم سلیپر پہنے ہوئے تھے۔تار پہ بندھی لاتعداد تصویروں کو ایک ایک کر کے پڑھ رہا تھا۔

ربیکا نے میز پہ ٹرے رکھی۔۔اور گلا صاف کرتے ہوئے اُسکی توجہ طلب کر کے بولی۔۔۔

"سر۔۔۔نوال میڈم بیکنگ کرنا چاہ رہی ہیں۔۔"

حدید کا سر فوراً ربیکا کی جانب پلٹا۔۔۔

"یہ تو اچھی خبر ہے ربیکا۔۔۔اُسکو جو جو سامان درکار ہو۔مہیا کرو۔۔۔گھر میں موجود نہ ہو تو مارکیٹ سے منگوا کر دو۔"

"سر۔۔۔اس وقت۔۔۔؟۔۔"

"میرا خیال ہے۔ہمارے ہاں ایسے سٹور موجود ہیں۔جو چوبیس گھنٹے کُھلے رہتے ہیں۔"

"پر سر لینے کون جائے گا؟۔۔ڈرائیور تو رات کو اپنے گھر چلا جاتا ہے۔"

"میں لے آؤنگا۔"

"آپ سر۔۔۔؟۔۔"

"ہاں بھئی۔۔۔کیوں نہیں بیگم صاحبہ کا خادم اُنکی خدمت میں ہمیشہ سے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہے۔آخر کار وہ فرمائش کرنے پہ آئی ہیں۔اُنکو فرمائش کرنے دو۔خادم پوری کریگا۔"

ساری بات اُس نے فر فر اُردو میں پوری کی تھی۔ربیکا اُس کا منہ دیکھ کر اُلجھن سے مسکراتی وہاں سے نکل آئی۔

"خُداوندا اس گھر پہ رحم کریں۔نہ جانے کیا کیا نئے ڈرامے ہو رہے ہیں۔"

ربیکا کچن کی جانب جاتے ہوئے باآواز بڑبڑا رہی تھی۔

اُس کی آواز حدید کے کانوں میں پڑی تو وہ اپنی جگہ مسکرا کر رہ گیا۔

کھانا کھانے کے بعد گریس باہر سیٹنگ روم میں آکر صوفے پہ نیم دراز ہوگئی۔

اندر کچن میں ربیکا نے نوال کو ہر اجزا کی جگہ سے مطلع کیا۔ چینی، مکھن وغیرہ نکال کر شلف پہ رکھ دی۔

ربیکا کا بیٹا اُسکو لینے آگیا تھا۔ وہ ڈنر کے برتن وغیرہ دھو کر صبح آنے کا وعدہ کرتی اپنے گھر چلی گئی۔

نوال ایپرن باندھے پورے انہماک سے اخروٹ کا کیک بنانے میں مگن تھی۔ اوون پہلے سے آن کر دیا۔

سارے اجزا ملانے کے بعد آمیزے کو سانچے میں ڈال رہی تھی۔ جب گریس کا چہرہ کچن کے فریم میں اُبھرا۔۔۔

"نو۔۔۔وال۔۔؟۔۔"

گریس کی آواز میں کُچھ تھا جس نے نوال کو چونکایا۔۔۔

اُس نے سر موڑ کر دیکھا۔۔۔

گریس نے اپنا بڑھا ہوا پیٹ تھام رکھا تھا۔

نوال کے ہاتھ جہاں تھے۔ وہیں رُک گئے۔

"تم ٹھیک ہو؟۔۔"

وہ آمیزے والا باؤل درمیان میں چھوڑ کر اُسکے پاس آئی۔۔

"جب سے کھانا کھایا ہے۔ میرے پیٹ میں مسلسل درد ہوئے جا رہا ہے۔"

"اوہ۔۔۔ادھر آؤ ادھر بیٹھو شاباش۔۔۔"

اُس نے گریس کا ہاتھ تھام کر اُسکو کُرسی پہ بیٹھنے میں مدد دی۔

"کیا پہلے بھی کبھی درد ہوا ہے؟۔۔"

"نہیں ایسا درد تو پہلے نہیں ہوا۔"

"تمہیں کیا لگ رہا ہے۔ معدے کا درد ہے۔ یا کُچھ اور ہے؟۔۔"

گریس پیٹ تھام کر آگے کو جھکی۔۔۔

”اُف اللہ مجھے نہیں سمجھ آ رہی معدے کا درد ہے۔یا کیا بلا ہے۔ پلیز کوئی درد کی گولی ہی دے دو۔ میری برداشت سے باہر ہو رہا ہے۔“

”ن نہیں تمہیں اس طرح سے گولی نہیں لینی چاہیے۔ ویسے تمہاری پریگنینسی کتنے ماہ کی ہے؟۔۔کیا پتہ ڈیلوری کا وقت ہو۔“

”نہیں نوال۔۔ابھی صرف چھ ماہ ہوئے ہیں۔“

”دیکھو میں گولی کے حق میں نہیں ہوں۔ دوسرا مجھے علم ہی نہیں ہے۔ اس گھر میں کوئی گولی ہے بھی یا نہیں۔۔۔میں کسی کو بُلاتی ہوں۔ ربیکا بھی چلی گئی ہے۔اب کس کو پوچھوں؟۔۔اوہ ہاں وہ ایک مرد بھی تو تھا۔تم ایسا کرو۔ باہر آؤ یہ کُرسی ٹھیک نہیں ہے۔تھوڑی دیر لیٹ کر دیکھو۔ ہو سکتا ہے۔ بچے کی پوزیشن بدلی ہو یا کہیں دباؤ آیا ہو۔“

گریس چُپ چاپ اُسکے ساتھ اپنے کمرے تک آ گئی۔

گریس کو بیڈ پر لٹا کر وہ اُلٹے پاؤں باہر کو بھاگی۔۔

سیٹنگ روم میں کھڑے ہو کر اندازہ لگانا چاہا آخر کس طرف جائے جہاں آگے بندہ بشر نظر آئے گا۔

جب کُچھ سمجھ نہ آیا۔اندر سے گریس کی آہ سُنائی دی۔نوال نے وہیں کھڑے کھڑے آواز لگائی۔۔۔

”محمد۔۔!!۔۔۔“

وہ کافی کے ساتھ سینڈوچ کھا کر وہیں صوفے پر پڑے پڑے اونگنے لگا تھا۔

جب پہلی آواز آئی۔وہ اپنے کانوں کی غلطی سمجھا۔۔۔

مگر جب تھوڑے وقفے کے بعد دوبارہ اُسکا نام پُکارا گیا۔وہ ہڑبڑا کر اپنی جگہ سے اُٹھا دروازہ کھول کر باہر نکلا۔۔۔

ساری بتیاں گُل تھیں۔ لمبے کاریڈور کے اینڈ پہ سیٹنگ ائریا کی بتی جل رہی تھی۔نوال پریشان چہرہ لیے وہیں کھڑی تھی۔

نوال نے آخری کمرے سے پھوٹتی روشنی میں ایک ہیولا باہر آتے دیکھا۔جو باہر آ کر اندھیرے کا حصہ بن

گیا۔

مگر وہ جان گئی تھی۔ وہ کون ہے۔ اسلیے اُسکے بولنے سے پہلے ہی بتانے لگی۔

"تمہیں گریس کو دیکھنا چاہیے۔ اُسے پیٹ میں درد کی شکایت ہوئی ہے۔"

ہیولا کچھ دیر کھڑا اُسکو دیکھتا رہا پھر آگے بڑھ آیا۔

"کدھر ہے؟۔"

"اُدھر اُس کمرے میں ہے۔"

اُس کے پوچھنے پر نوال نے گریس کے کمرے کی جانب اشارہ کیا۔

وہ متوازی قدم اُٹھاتا اُسی طرف چلا گیا۔ ترچھی نظر سے یہ بھی دیکھ لیا کہ وہ اُسکے پیچھے ہی آ رہی تھی۔

نوال کے چہرے پہ پریشانی تھی۔ گریس کے چہرے پہ تکلیف کے آثار اور حدید کے چہرے پہ مکمل سکون۔۔۔

"مس گریس کیا ہوا؟۔"

حدید نے کمرے میں داخل ہوتے ہی نرمی سے پوچھا۔۔۔

"میری تو سمجھ سے باہر ہے۔ کھانا کھا کر باہر بیٹھی ہوں۔ اچانک سے یہ درد شروع ہوا ہے۔"

وہ نظروں سے اُسکا جائزہ لیتا ہوا۔ بیڈ کے قریب آیا۔

گریس کی کلائی پکڑ کر نبض دیکھنے لگا۔

"درد کس جگہ سے اُٹھ رہا ہے؟۔"

ایک ہاتھ میں گریس کی کلائی تھی۔ نظریں اپنی کلائی پہ بندھی گھڑی پہ ٹکائی ہوئی تھیں۔

نوال پہلے تو صبر سے دیکھتی رہی۔ جب وہ ڈیڑھ منٹ تک نبض ہی پکڑے کھڑا رہا۔ تب وہ ایک دم بولی۔۔

"تمہیں اسکو فوراً ہسپتال لیکر جانا چاہیے۔ اس حالت میں درد ہونا اچھی بات نہیں ہے۔"

وہ اُردو میں جان بوجھ کر بول رہی تھی۔۔ تاکہ گریس کو سمجھ نہ آئے۔ وہ گریس کو پریشان نہیں کرنا چاہ رہی تھی۔

حدید کی صحت پہ اُسکی نصیحت نے کوئی اثر نہیں کیا تھا۔

وہ اُسی تحمل سے کھڑا تھا۔

"گریس درد کس مقام پہ ہے؟۔"

گریس نے اپنے سینے سے تھوڑا نیچے ہاتھ رکھا۔

اُس نے گریس کو سیدھا لیٹنے کا بولا۔۔۔

گریس نے اُسکی ہدایت پہ عمل کیا۔

حدید نے اُسکے بتائے مقام پر نرمی سے اپنے ہاتھ کا ہلکا سا پریشر ڈالا دو چار سیکنڈ بعد خارجی دروازے کی جانب بڑھتے ہوئے بولا۔۔۔

"پریشانی کی بات نہیں ہے۔ کچن میں دائیں طرف اوپر والے کیبنٹ میں گیواسکان سیرپ رکھا ہوگا۔ اسکو اُس سیرپ کا ایک چمچ دے دو۔ ٹھیک ہو جائے گی۔"

وہ اُسکے پہلو سے نکل رہا تھا۔ جب وہ حیرت و غصے سے مخاطب ہوئی۔۔۔

"بس۔۔۔؟۔۔۔"

وہ رُکا گردن موڑ کر نوال کی خفا آنکھوں میں دیکھا۔

"کیا بس؟۔۔۔"

"اُسکو ڈاکٹر کے پاس لے جانے کی بجائے معدے والا شربت دے رہے ہو۔ اُسکو کوئی سیریس مسلہ ہوا تو پھر۔۔۔؟۔۔۔"

"کوئی سیریس مسلہ نہیں ہے۔ ہلکی سی گیس ہے۔"

"میں ہرگز تمہارا یقین نہیں کرتی۔ نہ میں اُسکو ایسا ویسا کوئی شربت دے رہی ہوں۔ تمہیں اسکو ابھی اور اسی وقت ڈاکٹر کے پاس لیکر جانا چاہیے۔"

"جب میں کہہ رہا ہوں۔ تو مان لو۔۔۔"

"تم اسکو لیکر جاؤ گے یا میں خود لے جاؤں۔۔؟۔۔"

"کیوں تنگ کر رہی ہو۔میں سارے دن کا تھکا ہوا ہوں۔اُدھر ایویں چار گھنٹے انتظار کروا کر اینڈ پہ وہ سب ٹھیک ہے بول کر گھر بھیج دیں گے۔"

"تم اپنی نیند پوری کرنے کے چکر میں دو لوگوں کی جان کو خطرے میں ڈال دو گے؟۔۔۔"

"تمہارا مسلہ پتا کیا ہے۔ایک دفعہ دماغ کہیں بیٹھ جائے پھر تمہیں وہاں سے ہلانا مشکل ہے۔اسکو تیار کر دو میں لے جاتا ہوں۔۔۔۔آج کی نیند بھی گئی بھاڑ میں۔۔"

اینڈ پہ وہ بڑبڑاتا ہوا۔باہر نکل گیا۔۔

نوال نے اُسکی بڑبڑاہٹ پہ کان نہیں دھرا۔۔۔

گریس کے سلیپنگ سوٹ کے اوپر ہی اُسکو جیکٹ پہنا دی۔پیروں میں سلیپر ہی رہنے دیئے۔۔

جب وہ اسکو لیکر کمرے سے نکلی۔۔۔صبح والا گورا۔۔مین دروازے کے قریب کھڑا تھا۔

حدید تیزی سے سیڑھیاں اُترتا ہوا نیچے آ رہا تھا۔جوتے بدل کر گرم اونی کوٹ پہن چُکا تھا۔

سیڑھیاں اُتر کر اُن سے مخالف سمت میں جاتے ہوئے جیفری کو مخاطب کیا۔

"جیفری مس گریس کو پورچ میں لاؤ میں گاڑی اس طرف لاتا ہوں۔"

خود وہ شائد پچھلے دروازے سے نکلا تھا۔

نوال نے گریس کے ساتھ ہی باہر نکلنا چاہا مگر جیفری نے روک دیا۔

"آپ گھر پہ رہیں گی۔سر کے ساتھ صرف مس گریس جائینگی۔۔"

"یہ کس نے کہا ہے؟۔۔"

"سر نے۔۔۔"

"وہ شخص تمہارا مالک ہے۔میرا نہیں۔اسلیے اُسکے احکام تمہارے لیے قابلِ ہوں گے۔میرے لیے نہیں۔ ہٹو سامنے سے میں گریس کے ساتھ ہی جاؤنگی۔"

جیفری نے بے بسی محسوس کرتے ہوئے اُسے جتایا۔

"میم آپ کے پیروں میں جوتا تک نہیں ہے۔آپ کیسے جائینگی؟۔۔"

نوال نے چونک کر اپنے پیر دیکھے۔۔۔

"میرے پاس جوتا نہیں ہے۔"

اب کے گریس بھی حیران ہوئی۔۔۔

"نوال تم اتنی امیر ہو۔ایسے مذاق کیوں کر رہی ہو۔لباس بھی تم نے اپنے سے بڑے سائز کا پہنا ہوا ہے۔"

جیفری جو کہ صورتحال سے آگاہ تھا۔نوال کے کسی ردِعمل سے پہلے ہی بول اُٹھا۔

"اگر آپ نے جانا ہی ہے۔تو دو منٹ میرا انتظار کریں۔میں آپکے لیے جوتے کا انتظام کرتا ہوں۔"

جیفری سیڑھیاں چڑھ کر اُن دونوں کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

گریس نے نوال کا ہاتھ مضبوطی سے تھام رکھا تھا۔درد کی لہر نے اُسکو چُپ رہنے پر مجبور کر دیا۔ورنہ وہ کہنے جا رہی تھی۔نوال تمہارے ساتھ واقعی کوئی دماغی مسلہ ہے۔اتنا امیر شوہر یہ بڑا سا گھر۔۔اور کہہ رہی ہے۔میرے پاس جوتے ہی نہیں ہیں۔"

پورے دو منٹ جیفری واپس آیا۔اس دوران باہر سے گاڑی کا ہارن سُنائی دیا۔

جیفری کے ہاتھ میں نائیکی کے چپل جوتے تھے۔اور ایک موٹی سی ہُڈی تھی۔

اُس نے جوتے نوال کے پیروں کے پاس رکھے۔اور ہُڈی اسکے ہاتھ میں دی۔

وہ جانتی تھی۔یہ چیزیں کس کی ہیں۔مگر انکار کی صورت نہ تھی۔جوتی شرٹ اور اونی پجامہ اُس نے پہنا ہوا تھا۔وہ بھی تو مردانہ ہی تھا۔اُس نے اپنے سفید پڑتے پیر کالی چپل میں اڑھسائے۔ہُڈی پہن کر ہُڈ سر پہ رکھ لی۔۔۔

باہر وہ گاڑی کا ہیٹر آن کرتے ہوئے مین دروازے کو بیزاری سے دیکھ رہا تھا۔دوبارہ سے ہارن دینے کا سوچ رہا تھا۔جب دروازہ کُھلا۔۔۔اب سے پہلے باہر آنے والا جیفری تھا۔اُس کے پیچھے گریس۔۔۔گریس کے پیچھے نکلنے والی کو دیکھ کر اُس نے زیرِلب گالی نکالی۔۔۔

سی گرین رنگ کی ہُڈی اُس نے اپنی پسند سے خریدی تھی۔وہ اوور سائز کپڑوں میں بھی جچ رہی تھی۔حد ید کی نظریں اُسکے پیروں پہ رُکیں۔جبڑے سختی سے ایک دوسرے میں پیوست ہوئے۔باہر رگوں میں خون جمانے

والی سردی تھی۔

جیفری نے پچھلا دروازہ کھول کر گریس کو بیٹھنے میں مدد دی۔

پھر اگلا دروازہ نوال کے لیے کھولا۔۔

پر وہ اُس سے پہلے ہی گاڑی کی دوسری جانب جا کر گریس کے برابر بیٹھ گئی۔

کُھلے پینجر والے دروازے سے جیفری نے سر اندر ڈال کر صرف اتنا کہا۔

''سوری سر پر میم نے میری بات ماننے سے صاف انکار کر دیا تھا۔''

حدید نے صرف سر ہلانے پہ اکتفا کیا۔

جیفری دروازہ بند کر کے پیچھے ہٹ گیا۔

حدید نے گاڑی آگے بڑھا دی۔

شہر علاقے میں تو بارہ بجے بھی زندگی رواں دواں ہوتی ہے۔مگر دیہی علاقے میں اس وقت ہو کا عالم تھا۔

حدید نے گاڑی کی ہیٹر مزید تیز کیا۔اپنے لیے نہیں اُس کے لیے جو چپل پہنے ہوئے تھی۔

وہ اُسکی سیٹ کے عین عقب میں بیٹھی تھی۔اسلیے وہ چاہ کر بھی اُسکا چہرہ نہیں دیکھ پایا تھا۔کیونکہ وہ کھڑکی کی جانب منہ موڑے ہوئے تھی۔

گریس سیٹ کی پُشت پہ سر ٹکا کر آنکھیں موندے ہوئے تھی۔۔

گاڑی میں موجود خاموشی سے بچنے کے لیے حدید نے سٹریو چلا دیا۔۔۔

نور جہاں کی خوبصورت آواز پر نوال کے دل کی ایک بیٹ مس ہوئی۔۔۔

''تو اپنے سارے غم دیدے میں بن جاواں خوشی تیری۔۔

بنا گی تیراں پر چھاواں جدوں تک زندگی میری۔۔

محبت دئے سہارے تے اساں دن چار جی لینا۔۔۔''

''تیرے تو دور میں تے نہیں میری تقدیر ہووے گی۔۔

میرا دل چیر کے تک لے تیری تصویر ہووے گی۔۔

جو دل کرداائے کہنا نہیں اساں بُلیاں نوں سی لینا۔۔۔

وے اِک تیرا پیار مینوں ملیا میں دنیا تے ہور کی لینا۔۔۔

کریں ناں دور قدماں توں اساں تینوں ہور کی کینا۔۔۔"

نوال کے پیٹ میں جیسے کوئی گرہ بندھی۔۔اُسکو لگا وہ قے کر دے گی۔

اگلا گانا پہلے سے بڑھ کر پاکستانی تھا۔۔

"مندا ہووئے اونہا لوکاں دا۔۔ جینہا ساڈھے سجن نکھیڑے۔۔۔منہ تے کر کے میٹھیاں گلاں ونج دئے دل غلط سنہیڑے۔۔

تو ماہی آباد رہویں۔۔۔ساڈے دس چا زور نی کیڑ ہے۔۔ یار سجن پردیسی وئے۔۔۔ ماہی سُنجے دسن ویڑے۔۔۔

"دُسن حُسن دیئے سرکارے۔۔۔نہیں رُسدے سجن پیارے۔۔۔ نی اِک پُھل موتیے دا مار کے جگا سوہنیے۔۔۔"

نہ جانے کتنے سالوں بعد یوں اچانک سے منصور ملنگی کی آواز سُن کر ایسا ہی لگا جیسے کسی اپنے سے ملاقات ہوگئی ہو۔آنسو اُبل اُبل کر باہر آنے لگے۔حدید کی پسند نے اُسکو ٹھیک ٹھاک حیران کر دیا تھا۔پہلے نور جہاں اور اب منصور ملنگی۔۔۔ایک ایسا انسان سُن رہا تھا۔جو برطانیہ کی پیدائش تھا۔جو ایک وقت میں اُس کے سامنے اردو تک سے نابلد ہونے کی ایکٹنگ کرتا رہا تھا۔اُسکی گاڑی میں پنجابی گانے بج رہے تھے۔وہ بھی پُرانے کلاسک۔۔۔

"میکو بے پرواہ دلدار سجن تیرے ناز پسند تیری چال پسند۔۔۔"

"تیرے ہونٹ پسند رخسار پسند تیرے منہ دی ہک ہک گال پسند۔۔۔"

"تیرے نین تیرے نین تیرے نین تیرے نین تیرے نین۔۔۔

باغاں وچ پُھل کوئی نہ اللہ میرا جانداائے تیری اکھیں دا مُل کوئی نہ۔۔۔

تیرے نین پسند سوہنے نین پسند تیری صورت حُسن جمال پسند۔۔۔

”تینوں غیر پسند۔۔۔ساڈے وئیر پسند۔۔۔“

”بازاروِیکاندیاں چُھریاں۔۔۔

عشقے دیاں چوٹاں بُریاں۔۔۔نی اک پُھل موتیے دامار کے جگا سوہنیے۔۔۔“

گاڑی کب گاؤں میں داخل ہوئی کب گاؤں سے نکلی۔۔۔کب موٹروے پہ چڑھی۔۔۔نوال کا دماغ حاضر ہی نہ رہا تھا۔وہ راستہ کیا یاد کرتی۔۔۔

وہ تب چونکی جب سٹریو کی آواز کم ہوئی۔حدید گاڑی کے بلوٹوتھ سے فون پہ کوئی نمبر ملا رہا تھا۔

بیل جانے کی آواز گاڑی کے سپیکرز میں گونجی۔۔۔دو سیکنڈ بعد جیفری کی آواز سُنائی دی۔۔

”یس سر۔۔۔“

”جیفری یار ذرا کچن میں چکر لگا لو۔مجھے یقین ہے۔وہاں تمہاری توجہ کی ضرورت ہونی ہے۔“

نوال کی آنکھیں پھیلیں۔۔۔بے ساختہ بولی۔۔۔

”جیفری۔۔۔میرے کیک کا آمیزہ سانچے میں ڈال کر اوون میں رکھ دینا۔اوون پہلے سے چل رہا ہے۔اور دیکھو ٹائیمر ضرور لگانا۔پنتالیس منٹ بعد ہی کیک نکال لینا۔“

”جی میم۔۔۔“

”جیفری۔۔۔؟۔۔“

”جی میم۔۔۔“

”تمہیں تکلیف دینے کے لیے معذرت۔۔۔“

جیفری کی مسکراتی آواز اُبھری۔۔۔

”میم آپ مجھے شرمندہ کر رہی ہیں۔۔“

حدید نے بٹن دبا کر کال کاٹ دئی۔۔۔کوئی نہیں جان سکتا تھا۔اُس پل حدید کی رگوں میں سکون سرور بن کر دوڑ گیا تھا۔

اُس میں پُرانی نوال کی جھلک جاگ رہی تھی۔احساس کرنے والی۔۔۔

گون کا علاقہ آتے ہی وہ موٹر وئے سے اُتر گیا۔ مگر گلاسگو کے سب سے بڑے ہسپتال صدر جنرل کو جانے کی بجائے گاڑی آزدا سپر سٹور کی جانب ڈالی۔۔۔

سڑیو۔۔۔ پہ اب نصرت فتح علی خان کہہ رہے تھے۔

جب تیرے درد میں دل دُکھتا تھا

ہم تیرے حق میں دعا کرتے تھے

ہم بھی چُپ چاپ پھیرا کرتے تھے

جب تیرے غم میں جیا کرتے تھے

نوال آنکھیں جھپکے بغیر اندھیرے میں اپنی گود میں رکھے ہاتھوں کو دیکھے جا رہی تھی۔

اب خیال آ رہا تھا۔ کاش جیفری کی بات مان لی ہوتی۔ گھر پہ ہی رُک جاتی۔

اسکولگا محمد اور حدید ایک نہیں دو الگ لوگ ہیں۔ محمد کی پسند ایسی نہیں تھی۔ دونوں نے کئی دفعہ گانوں پہ بات کی تھی۔ محمد کو شوخ گانے پسند تھے۔

وہ اپنی سوچوں میں غلطاں تھی۔ جب گاڑی آزدا کے سامنے رُکی۔۔ وہ انجن چلتا چھوڑ کر گاڑی سے نکل گیا۔

"یہ کہاں گیا ہے؟۔۔"

"نوال نے گریس سے پوچھا۔۔۔ پھر احساس ہوا گریس نیند میں تھی۔

گون کا علاقہ سارے گلاسگو میں خطرناک ترین علاقہ ہے۔ اور وہ اتنی مہنگی گاڑی کا انجن چلتا چھوڑ گیا ہے۔ دروازے بھی کُھلے ہوئے ہیں۔ کوئی بھی ہپی آ کر گاڑی اُڑا لے گیا۔ تو کیا ہوگا؟۔۔ خیر اُسکی گاڑی ہے۔ وہ بھی جائے بھاڑ میں اُسکی گاڑی بھی جائے بھاڑ میں۔۔۔ ہماری زندگی کیوں خطرے میں ڈال کر گیا ہے؟۔۔"

خود اپنی ہی سوچ پہ حیرت آئی۔۔

"میری تو خیر ہے۔ مگر یہ آدمی اپنی بیوی بچے کے معاملے میں کیوں اس قدر لا پرواہ ہے؟۔۔"

پھر خیال کو ایک نئی سمت ملی۔ ایسا موقع پھر کب ملے گا۔ بھاگ جاتی ہوں۔

دل کی دھڑکن تیز ہوگئی۔۔۔

اُس نے جلدی سے سٹور کے خارجی دروازے کی جانب نظر ڈالی۔حدید کا کہیں نام ونشان نظر نہ آیا۔

خوشی سے ہاتھ کانپنے لگے۔یہاں سے نکل کر اندھیرے کا حصہ بن جاؤں۔یہ مجھے کبھی ڈھونڈ نہیں پائے گا۔

پر جاؤنگی کہاں؟۔۔وہ بھی یوں آدھی رات کو۔۔۔چپل جوتے پہنے ہوئے۔باہر قہر کی سردی ہے۔اور علاقہ بھی کونسا جہاں دن دہاڑے لوگوں کو چھریاں ماردی جاتی ہیں۔میرے پاس تو پھوٹی کوڑی بھی نہیں ہے۔"

اُسکا دماغ سارے حساب کتاب لگا رہا تھا۔جب ڈیش بورڈ پہ رکھے فون کی سکرین روشن ہوئی۔نوال کو ایک نئی آمید نظر آئی۔۔۔

سیٹوں کے درمیان سے آگے جھک کر ڈیش بورڈ سے فون اُٹھایا۔ہوائی کا لیٹسٹ ماڈل تھا۔گولڈن فریم چھ انچ کی سکرین۔۔۔اُس نے سکرین آن کی مگر فون کی سکرین کھلی نہیں۔کیونکہ لاک تھی۔

کال نہ بھی کرسکوں۔۔میں یہ فون کسی کو بیچ کر دو چار سو پاؤنڈ بنا ہی لونگی۔کہیں ایک دفعہ واپس مانچسٹر چلی جاؤں پھر ہاسٹل سے اپنا سامان لیکر کسی نئی جگہ شفٹ کر جاؤنگی۔

فیصلہ کرنے کے بعد اُس نے گاڑی کا لاک کھینچ کر دروازہ کھولنا چاہا۔۔پہلی دفعہ میں کامیابی نہیں ملی۔اُس نے دوسری کوشش کی پھر ناکامی۔۔۔تیسری دفعہ اُس نے پورا زور لگا کر دروازہ کھولنا چاہا۔۔۔

دروازہ تو نہیں کھلا مگر آلارم آن ہو گیا۔

آلارم نے گریس کو بھی ہوش دلوا دیا۔۔

"کیا ہوا ہے؟۔۔"

نوال نے سڑے ہوئے انداز میں بتایا

"گاڑی کو موت پڑی ہے۔"

آگے کو ہو کر فون واپس ڈیش بورڈ پہ پھینک دیا۔۔۔

"ہم ہیں کدھر۔۔۔؟۔اور آلارم کیسے بجا۔۔؟۔۔"

"ہم گون میں ہیں۔لاڈ صاحب آزاد گئے ہیں۔"

"ہم کون میں ہیں؟۔۔۔یار میرا گھر ادھر قریب ہی ہے۔"

"تم گلاسگو سے ہو؟۔۔"

"ہاں بھئی تم کیا مجھے کسی اور سیارے کی مخلوق سمجھیں تھیں۔"

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

"حدید کو آزدا سے کیا خریدنا پڑ گیا ہے؟۔۔"

"مجھے کیا پتہ آئے گا تو خود ہی پوچھ لینا۔"

کلک کی آواز کے ساتھ ہی آلارم بند ہو گیا۔

نوال کی جانب کا دروازہ کھلا اور دو تین بیگ اُسکی گود میں رکھے گئے۔

دروازہ بند کرتے ہوا وہ اپنی سیٹ سنبھالتے ہوئے گاڑی پارکنگ سے نکالنے لگا۔

نوال پوچھے بغیر ہاتھ سے محسوس کر کے جان گئی تھی۔بیگ میں دو جوڑے جوتوں کے اور کپڑے تھے۔

مگر گریس کو تجسس تھا۔اسلیے وہ پوچھے بغیر نہ رہ سکی۔۔۔

"آزدا سے کیا لائے ہو؟۔۔"

حدید نے چونک کر بیک ویومرر میں دیکھا۔۔۔

"نوال کی چیزیں ہیں۔"

نوال دانت پیس کر رہ گئی۔وہ اُس سے کہہ رہا تھا۔

"اگر گریس کے ساتھ اندر جانا ہے۔تو جوتے بدل کر جیکٹ پہن لو۔"

"یہ حکم کسی اور پر چلانا۔۔۔"

نوال نے تینوں بیگ اُٹھا کر اگلی سیٹوں پر پھینک دیئے۔

"مجھے اس خیرات کی ہر گز ضرورت نہیں ہے۔اگر واقعی مجھے کچھ دینا چاہتے ہو تو مجھے میری دنیا میں واپس جانے دو۔"

وہ لب بھینچے گاڑی چلاتا رہا۔ساتھ ہی ڈیش بورڈ پہ ایک بٹن دبایا۔جس کے ساتھ ہی ایک سکرین باہر کو

اُبھری۔۔۔چند بٹن مزید دبانے کی دیر تھی۔اُس سکرین میں کار کے اندر کا منظر نظر آنے لگا۔حدید نے پھر ایک بٹن دبایا۔ساری ویڈیو ریوائینڈ ہو کر اُس مقام پہ جا رُکی جب نوال فون اُٹھا رہی تھی۔

نوال کے گال تپ گئے۔شرمندگی سے ہرگز نہیں۔غُصے سے۔۔۔وہ اسکور یکارڈ کر رہا تھا۔نوال نے آنکھیں بند کر کے گہرے گہرے سانس لیکر اپنے آپ کو گالیاں دینے سے روکا۔

''میں تمہیں بتا چُکا ہوں۔یہ ممکن نہیں ہے۔میری دنیا ہی تمہاری دنیا ہے۔نہ جانے ایک بار کی کہی بات تمہیں سمجھ کیوں نہیں آتی۔''

''مجھے ہر گُزرتے لمحے کے ساتھ تم سے مزید نفرت ہو رہی ہے۔''

''مجھے تمہاری نفرت کی انتہا دیکھنی ہے۔''

''اللہ کرے تم مر جاؤ۔۔''

''ہاں یہ دعا قبول ہوگئی تو تمہاری جان واقعی چھوٹ جائے گی۔''

''تم دونوں پھر شروع ہو گئے ہو۔میرا سر پہلے ہی درد سے پھٹ رہا ہے۔اور مجھے لگتا ہے۔تم دونوں کی پھیلائی ہوئی ٹینشن کی وجہ سے ہی میری طبیعت خراب ہوئی ہے۔کیونکہ میں ایسی چیخ چیخ میں رہنے کی عادی نہیں ہوں۔ایک کام کرو حدید تم مجھے میرے گھر پہ ڈراپ کر دو۔اور دونوں جا کر ایک دوسرے کو جان سے مار لو۔تاکہ تم لوگوں کے اندر کی آگ تو ٹھنڈی ہو۔کس قسم کے ماں باپ ہو۔حدید جب تمہاری بیوی ہی تم سے راضی نہیں ہے۔تو بچوں کا کھڑاک کیوں پال رہے ہو؟۔۔اور نوال اگر یہ اتنا بُرا ہے۔تو مجھے اس مصیبت میں کیوں ڈالا۔۔؟۔۔اگر تمہیں اپنے شوہر سے ہی محبت نہیں تو بچوں کو کیا دو گی؟۔۔''

نوال نے ہوڈ سر پہ رکھی۔اور دونوں بازو سر کے گرد لپیٹ کر اگلی سیٹ کی پُشت پہ پیشانی ٹکا کر آنکھیں موند لیں۔

اُسکی ہمت جواب دے گئی تھی۔

حدید نے مٹرنٹی کی ایمرجنسی وارڈ کے سامنے گاڑی پارک کی۔۔۔

''گریس تم ٹینشن نہ لو۔ہماری لڑائی وقتی ہے۔سب ٹھیک ہو جائے گا۔میں ادھر انتظار کرونگا۔تم دونوں اندر

جاؤ۔"

گاڑی کا انجن بند کرنے کے بعد ساتھ والی سیٹ پہ رکھا بیگ پکڑ کر باہر نکلا۔۔۔

گاڑی کا اگلا دروازہ کھلا چھوڑ کر اُس نے نوال کی جانب والا دروازہ کھولا۔۔۔

نوال اُسی طرح سر چھپائے بیٹھی ہوئی تھی۔

دروزہ کھلا محسوس کر کے بھی وہ سیدھی نہیں ہوئی۔

گریس نے شاک سے حدید کو دیکھا۔ جو دروازے کے بیچ گھٹنوں کے بل بیٹھا اور نوال کا سیدھا پاؤں اپنے ہاتھ میں لیا۔

نوال کو جیسے کرنٹ لگا۔۔جھٹکے سے سیدھی ہوئی۔

"یہ۔۔۔یہ کیا کر رہے ہو۔۔؟۔۔"

"جوتے پہنا رہا ہوں۔"

"اگر تمہاری آنکھیں ساتھ دے رہی ہوں۔ تو تم دیکھ سکتے ہو میرے ہاتھ سلامت ہیں۔"

اُس نے اپنے دونوں ہاتھ کھول کر اُسکے سامنے کیئے۔۔

"میں اپنے کام خود کر سکتی ہوں۔ چھوڑو میرا پاؤں۔۔!!۔۔"

"میں اپنے کام خود کر سکتی ہوں۔ چھوڑو میرا پاؤں۔۔!!۔۔"

"تمہارے ہاتھ تو کام کر رہے ہیں۔ پر بدقسمتی سے دماغ جواب دے گیا ہے۔ اسلیے مجھے یہ سب کرنا پڑ رہا ہے۔"

نوال نے تیزی سے اُسکے ہاتھ جھٹک کر جوتا بدل لیا۔

"بس ہوگئی تسلی؟۔۔"

"گریس کو اندر لے جاؤ۔"

"تم بہت اچھی طرح جانتے ہو۔ میں ہسپتال کے اندر نہیں جاؤنگی۔"

"مگر تم گریس کے ساتھ آنے پر بضد تھیں۔"

”ہاں تاکہ تم اُسکو ہسپتال ہی لیکر آؤ۔تمہارا اعتبار نہیں ہے۔“

”گاڑی سے نکلو نوال میں تمہیں یوں گاڑی میں اکیلا چھوڑ کر نہیں جاؤنگا۔“

”کیوں؟۔۔۔لاک گاڑی سے بھی میرے بھاگ جانے کا خدشہ ہے۔؟۔۔“

”تمہارا کوئی اعتبار نہیں ہے۔اتنی رات کو سُنسان پارکنگ لاٹ میں بیٹھنا محفوظ نہیں ہے۔“

”مجھے سُنسان جگہوں سے بالکل ڈر نہیں لگتا۔اگر بھوت آ بھی جائیں۔تب بھی وہ انسانوں سے بڑھ کر خطرناک نہیں ہونگے۔“

”تم نے قسم کھائی ہوئی ہے۔میری ہر بات پر بحث کرنی ہے۔“

”اور تم نے قسم کھائی ہوئی ہے۔مجھ سے ہر وہ کام کروانا ہے۔جو میں کرنا نہیں چاہتی۔“

گریس بوریت سے تنگ آکر آگے بڑھی۔۔۔

نوال کا ہاتھ تھام کر اپنے ساتھ کھینچا۔۔۔

”نووال میں چاہتی ہوں تم میرے ساتھ آؤ۔“

نوال گریس کی جانب سے ایسے مطالبے کی توقع نہیں کر رہی تھی۔اسلیے چند پل سوچنے کے بعد گاڑی سے نکل آئی۔۔

وہ نیم تاریکی میں نوال کے تاثرات پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔سر جھکا ہوا ہونے کی وجہ سے زیادہ کامیابی نصیب نہ ہوئی۔

نوال کسی سمت میں دیکھے بغیر سر جھکائے گریس کی پیروی میں اندر گئی۔

گریس نے ریسپشن پہ اپنا نام وغیرہ بتا کر خود کو بک کروایا۔۔

ڈیسک پہ بیٹھی نرس نے ساری تفصیل نوٹ کر لینے کے بعد اُنکو ویٹنگ روم میں بھیج دیا۔جہاں پہلے سے ہی چار جوڑے موجود تھے۔

اُن دونوں نے بھی اپنی سیٹ سنبھالی۔۔۔

”تم کانپ رہی ہو کیا سردی لگ رہی ہے؟۔۔“

گریس کے سوال پہ نوال چونکی۔۔۔

''ہاں۔۔نہیں سردی تو نہیں لگ رہی۔''

''نوال تمہیں تو پسینہ بھی آ رہا ہے۔تمہاری طبیعت ٹھیک ہے؟۔۔''

''نوال نے تھوک نگلتے ہوئے ماتھے اور ناک کی نوک پر اُبھرنے والے قطروں کو ہڈی کے بازو سے صاف کیا۔

''گریس کیا پانی مل سکتا ہے؟۔۔''

گریس کی حالت کے پیشِ نظر سامنے کُرسی پہ بیٹھے آدمی نے اُٹھ کر کمرے کے کونے میں رکھے کولر سے پانی کا گلاس بھر کر نوال کے حوالے کیا۔

جسے اُس نے کانپتے ہاتھوں سے قبول کیا۔اور ایک ہی سانس میں ٹھنڈا برف پانی اندر اُتار گئی۔

''نوال تمہارے چہرے کا رنگ بالکل فق ہو رہا ہے۔حدید کی بات مان لینی چاہیے تھی۔تمہارا گھر پہ رُکنا ہی ٹھیک تھا۔ویسے بھی شام کے وقت تمہاری اتنی بُری حالت تھی۔مجھے معاف کردو۔میری وجہ سے اب دوبارہ تمہاری طبیعت خراب ہو رہی ہے۔''

''ارے نہیں تمہاری وجہ سے تو ہرگز نہیں۔اصل میں اس ہسپتال سے میری بہت تلخ یادیں وابستہ ہیں۔میں یہاں ماہوار چیک اپ کے لیے آیا کرتی تھی۔ابھی جس دروازے سے ہم لوگ اندر آئی ہیں۔آخری دفعہ اسی دروازے سے مجھے اندر لایا گیا تھا۔میرا جسم خون میں لت پت تھا۔جب میں آئی تھی۔شادی شُدہ تھی۔کوکھ میں مردہ بچہ تھا۔جب یہاں سے نکلی تھی۔کوکھ خالی تھی۔اور میرے ساتھ طلاق یافتہ کا ٹائٹل جُڑ گیا تھا۔''

دھیمی سی آواز گہرا لہجہ جھکا ہوا سر کانپتے ہونٹ۔۔۔گریس کو اس پل وہ بہت ٹوٹی پھوٹی بہت اپنی سی لگی۔بے اختیار اُسکے کندھوں کے گرد بازو ڈال کر اُسے اپنے ساتھ لگا لیا۔

''ایم سوری نو۔وال۔۔۔مجھے اندازہ نہیں تھا۔اندر سے تم اتنی دُکھی ہو۔''

''کوئی بات نہیں تم سوری مت بولو۔۔۔''

''اگر تم دونوں کی طلاق ہو چکی ہے۔تو وہ تمہیں ابھی تک اپنی بیوی کیوں کہتا ہے۔''

نوال نے گریس کا اشارہ سمجھتے ہوئے آنکھیں موند کر سر نفی میں ہلایا۔اور بڑے تحمل سے سمجھاتے ہوئے بولی۔۔۔

"گریس۔۔۔حدید سے میری کبھی شادی نہیں ہوئی ہے۔طلاق کیسے ہوتی؟۔۔"

اُس نے مختصر الفاظ میں ساری حقیقت گریس کے گوش گزار دی۔

"اوہ میرے خدایا۔۔۔میں جو سمجھتی رہی کیا وہ سب جھوٹ تھا؟"

"ہاں۔۔۔اور اس میں تمہارا قصور نہیں ہے۔تمہیں بتایا ہی یہی گیا تھا۔قصور اُسکا ہے۔جس نے جھوٹی کہانی بنائی ہے۔"

"پر نوال۔۔۔مجھے تو رشک ہو رہا ہے۔"

"کس بات پر؟۔۔"

"وہ تم سے کس قدر محبت کرتا ہے۔"

"سب بکواس ہے۔"

"تم غصہ ہو اسلیے حقیقت سے نظریں چُرا رہی ہو۔"

"گریس تم کیسے اُسکی ہمدردی میں مجھے ہم خیال کرنے کی کوشش کر سکتی ہو۔؟۔تم اُس اذیت اور ذہنی کشمکش سے واقف نہیں ہو۔جس سے میں گزری ہوں۔صرف اس آدمی کی وجہ سے۔اب یہ میری عزت داؤ پہ لگانے پر تُلا ہوا ہے۔میں یہاں سے بھاگ جانا چاہتی ہوں۔کبھی زندگی میں اس آدمی کی شکل نہیں دیکھنا چاہتی ہوں۔"

"چلو چھوڑو اس موضوع کو اپنے بارے میں بتاؤ۔"

"میرے بارے میں بتانے کو کچھ نہیں ہے۔ایک یتیم طلاق یافتہ عورت ہوں۔جس کے پاس اس وقت نہ گھر ہے۔نہ نوکری ہے۔نہ جیب میں کوئی پھوٹی کوڑی ہے۔ایک نامحرم آدمی نے مجھے زبردستی اپنے ساتھ قید کرنے کی ضد باندھی ہوئی ہے۔"

"نوال۔۔۔"

”کیا؟۔۔“

”ایک اجنبی شخص کسی عورت کو اُن نظروں سے نہیں دیکھتا جن نظروں سے حدید تمہیں دیکھتا ہے۔“

”گریس اُسکو کوئی حق نہیں ہے۔ کہ وہ مجھے اپنی ملکیت سمجھ کر گھورے۔ میں اُسکی کچھ نہیں لگتی ہوں۔“

”نوال۔۔۔ میں ایک مشورہ دوں۔“

”اگر اُس شخص کی حمایت میں بولنا چاہتی ہو۔ تو کچھ مت کہنا۔“

”نہیں مجھے اُس سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ وہ اتنا بڑا ہے۔ کہ اپنا خیال خود کر سکتا ہے۔ مجھے اصل فکر ان جانوں کی ہے۔ جو مجھے تمہاری امانت کے طور پر سونپی گئی ہیں۔“

”کیا مطلب۔۔؟۔۔“

”نوال میں یہ بچے پال نہیں سکتی ہوں۔ یہ میرے بچے نہیں ہیں۔ کیا تم میری بات سمجھ رہی ہو؟۔ مگر میں انکو خوشحال زندگی گزارتے دیکھنا چاہتی ہوں۔ جہاں انکو ایک بھرپور خاندانی ماحول ملے۔ جیسے میرے بیٹے کو ملا ہے۔“

”یہ ذمہ داری بچوں کے ماں باپ کی ہے۔ میرا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔“

”پر ماں تو تم ہی ہو گی۔“

نوال منہ کھولے گریس کی شکل دیکھ رہی تھی۔ جسکے چہرے پہ نرم سی مسکراہٹ سجی تھی۔ مِڈ وائف کے بُلانے پر گریس اُسکے ساتھ چلی گی۔ نوال وہاں اکیلی رہ گئی۔

نوال کی سمجھ نہ آیا۔ اس مقام پر ہنسنا ہے یا رونا ہے؟۔۔

کسی ارادے کے تحت وہ اپنی جگہ سے اُٹھی۔ ویٹنگ روم سے باہر آئی۔ سامنے لمبا کوریڈور تھا۔ متوازن قدموں سے طے کرتی وارڈ کے خارجی دروازے کے اندر کی جانب موجود لاک کو دبا کر باہر نکلی مگر باہر کی طرف جانے کی بجائے مخالف سمت میں چلنا شروع کر دیا۔ صدر جنرل بہت بڑا ہسپتال ہے۔ میٹرنٹی یونٹ ہی بہت بڑی جگہ پر پھیلا ہوا ہے۔ دل میں وہ دعا کر رہی تھی۔ کسی کے ساتھ ٹکراؤ نہ ہو۔ کیونکہ رات کے وقت عام عوام کو اس طرف آنے کی اجازت نہیں ہوتی ہے۔ ایک دو موڑ مُڑنے کے بعد لمبے کاریڈور میں قدم رکھا ہی تھا۔ جب

سامنے سے ایک نرس آتی دیکھائی دی۔جس نے حیرت سے نوال کو سرتا پا دیکھا۔قریب آنے پر تعجب سے مخاطب ہوئی۔

”معاف کیجئے گا آپ یہاں کہاں جا رہی ہیں؟۔۔“

”میں پچھلے دروازے سے باہر جانا چاہ رہی ہوں۔کیونکہ میری گاڑی اُس طرف پارک ہے۔“

”معذرت کے ساتھ مگر آپکو اگلے دروازے سے ہی جانا ہوگا۔رات کے وقت سیکیورٹی کے پیشِ نظر پچھلا دروازہ بند کردیا جاتا ہے۔“

”مگر میں اتنی دور چل کر آئی ہوں۔اگلے دروازے اے جا کر دیکھا ہے۔مگر مجھے اپنی گاڑی نہیں ملی۔کیونکہ وہ میں نے اس طرف پارک کی ہوئی ہے۔پلیز احسان کرتے ہوئے مجھے اس دروازے سے باہر نکال دو۔“

”تم آئی کس راستے سے تھیں؟۔۔“

”پچھلے راستے سے ہی آنا ہوا تھا۔میں گاڑی سے سامان لینے جا رہی ہوں۔واپسی پہ اپنی گاڑی فرنٹ پہ پارک کر آؤنگی۔ابھی کے لیے بس تھوڑی مدد کردو۔“

”یہ اصول کے خلاف ہے۔مگر اب چونکہ تم اتنی دور آ گئی ہو۔تو باہر جانے دیتی ہوں۔اس دروازے سے واپس اندر آنے کی اجازت نہیں ہوگی۔“

”بہت شُکریہ۔۔۔میں اب کہ دفعہ اگلا دروازہ ہی استعمال کرونگی۔اپنے دماغ کی حاضری پہ اُسکو خود بھی رشک آیا۔

نرس نے الیکٹرک کِی سے دروازہ کھول کر اسکو باہر نکالنے کے بعد دروازہ واپس بند کرلیا۔

ٹھنڈی ہوا میں جھرجھری لیکر وہ آگے بڑھی گہرا اندھیرا اور اس جانب چونکے صرف پارکنگ لاٹ تھا۔اس وجہ سے ہو کا عالم تھا۔

لمبے لمبے ڈگ بھرتی وہ مخالف سمت کو چل پڑی۔دماغ حاضر ہوتا تو وہ ان سب پہلوں پہ غور کرتی۔دماغ تو نئی صوتحال کی وجہ سے نم تھا۔گریس کی باتیں گھوم رہی تھیں۔اندر ہی اندر خود سے لڑ رہی تھی۔مگر جب اپنے پیچھے قدموں کی آواز سُنائی دی۔ایک پل کو دل کی دھڑکن رُک گئی۔اور اگلے پل دل پسلیاں توڑ کر باہر آنے کے چکر

میں تھا۔

اُس نے پیچھے مُڑ کر نہیں دیکھا۔بس سپیڈ بڑھا دی۔

اگر تو وہ کوئی آدمی تھا۔وہ اُس پہ یہ ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی۔کہ وہ ڈر رہی ہے۔ہوسکتا ہے۔کوئی چیک اپ کے لیے آئی عورت ہو۔آخر کار وہ ایک ہسپتال کے احاطے میں موجود تھی۔اُسکا رُخ مین ہسپتال کی عمارت کی جانب تھا۔شیشوں کی بڑی بڑی دیواروں سے روشنی چھن کر باہر آرہی تھی۔سٹریٹ لیمپ بھی جل رہے تھے۔ ایسے میں اپنے لیے لائے ہوئے نئے جوتے پہنے ہڑ چڑھائے بڑے بڑے قدم بھرتی وہ چلتی جارہی تھی۔

کندھے پہ ہاتھ کا لمس محسوس کرتے ہی وہ اُچھل کر مُڑی۔۔۔

پیچھے وہی تھا۔پُرسکون چہرہ آنکھوں میں مسکراہٹ۔۔۔

"تازہ ہوا کھالی ہو تو واپس چلیں؟۔۔"

نوال لب بھینچے اُسکو گھورتی گئی۔

"جا کہاں رہی ہو؟۔۔"

"تم تو دوسری طرف تھے۔میرے پیچھے کیسے آ گئے؟۔۔"

"اس سے ہی اندازہ لگا لو۔میں تمہیں حد سے زیادہ جانتا ہوں۔میں نے گاڑی ایسی جگہ پارک کی تھی۔ جہاں سے اگلا اور پچھلا دونوں دروازے نظر میں رہیں۔آجاؤ بہت واک ہوگئی اب چلتے ہیں۔۔۔"

وہ مڑتے ہوئے اُسکو اپنے پیچھے آنے کا بول گیا۔مگر وہ اپنی جگہ سے ہلی نہیں۔

"جانتے ہو اگر میں ابھی یہاں شور مچا دوں کہ تم زبردستی مجھے اپنے ساتھ لیکر جا رہے ہو۔تمہارے پہ اچھا خاصہ پولیس کیس بن سکتا ہے۔"

جواب میں وہ ہلکے سے ہنسا۔۔

"یہ کوشش بھی کر دیکھو۔۔۔میں بتا دوں۔حاصل کچھ نہیں ہونا۔"

"حاصل کیوں نہیں ہونا۔تم خود ہی تو کہتے ہو یہاں کا قانون کتنا سخت ہے۔عورت کے حقوق کے لیے تو فوراً ایکشن میں آتا ہے۔پھر کوئی میری مدد کیوں نہیں کرے گا۔"

وہ رُکا مُڑا اور آ کر عین اُسکے سامنے کھڑا ہو گیا۔

’’تمہارے میں اگر ہمت ہے سُننے کی تو بتا دیتا ہوں۔ اور اگر میری بات پوری سُنے بغیر ہی بے ہوش ہونا ہے۔ تو میں نہ ہی بتاؤں تو بہتر ہے۔‘‘

’’میں اتنی نازک مزاج ہوتی تو بہت پہلے کی مر کھپ گئی ہوتی۔‘‘

’’ہاں یہ ٹھیک کہا۔۔۔ تو سُن۔۔۔ میرے پاس ہر سرٹیفیکیٹ موجود ہے۔ ہمارا نکاح نامہ‘ تمہاری ڈاکٹر کی رپورٹ جس کے مطابق ڈپریشن کی وجہ سے تمہیں اس قسم کے دورے پڑتے رہتے ہیں۔ جب تم میرے وجود سے میری حیثیت سے انکاری ہو جاتی ہو۔‘‘

’’میں ایسی کسی بکواس کو نہیں مانتی۔ ایسا ممکن ہی نہیں ہے۔ اس ملک میں نقلی نکاح نامہ حاصل کرنا ناممکن ہے۔ تم مجھے ایسے جھوٹ گھڑ کر بلیک میل کرنا چاہتے ہو۔ تاکہ میں تمہاری کمینگی کو روک نہ سکوں۔‘‘

’’جیب میں پیسہ ہونا چاہیے نوال یہاں پر بھی ہر کام ہو سکتا ہے۔‘‘

’’اوہ پھر تو تم واقعی سچ کہہ رہے ہو۔ کیونکہ ابھی تک جو کچھ نظر آیا ہے۔ اُسکے مطابق تو تم پیسے میں ہی کھیل رہے ہو۔ نہ جانے کتنے میرے جیسوں کو بلیک میل کر کے یہ دولت اکٹھی کی ہو گی۔‘‘

’’یعنی اب بھی تمہیں میری قابلیت پہ شک ہے؟۔۔‘‘

’’قابلیت نہیں کمینگی کہو۔ اور نہیں مجھے تمہاری کمینگی پہ اب کوئی شک نہیں رہا۔ بلکہ مجھے تم سے کسی اچھائی کی اُمید ہی نہیں رہی۔‘‘

’’بے فکر رہو۔ میں بھی اچھا بنکر تمہیں مایوس نہیں کرنے والا۔۔۔ اب اگر تم یہ نہیں چاہتی ہو کہ میں تم روتی چلاتی کو بانہوں میں اُٹھائے لیجا کر گاڑی میں بند کروں۔ تو پلیز اپنے قدم واپسی میں بڑھایئے کیونکہ میرا اتنی سردی میں کھڑے ہو کر حالاتِ زندگی پر مزید بات کرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔‘‘

’’میں تمہارے ساتھ نہیں جاؤنگی۔‘‘

’’تو پھر کس کے ساتھ جاؤ گی؟۔۔‘‘

’’میں یہاں سے ٹیکسی لیکر تم سے بہت دور جاؤنگی۔‘‘

”ایسا ممکن نہیں ہے۔“

”کیوں ممکن نہیں ہے۔ میں اپنے کانوں کے سٹڈ بیچ کر اپنا مانچسٹر تک کا کرایہ بنالونگی۔“

”بہت خوش آئیند سوچ ہے۔ مجھے پسند آئی۔“

”میرا مذاق مت اُڑاؤ کم ظرف انسان اب میں جارہی ہوں۔ مجھے روکنا مت ورنہ میں اتنا شور مچاؤنگی کہ تمہیں بھاگنے کو راہ نہیں ملے گی۔“

”قدم بڑھانے سے پہلے یہ پیپر پڑھ لو۔“

وہ آنکھوں میں نفرت لیے کھڑی تھی۔ اور وہ نظروں میں چیلنج لیے اسکی طرف کچھ سفید تہہ شدہ کاغذ بڑھائے ہوئے تھا۔

کتنی دیر بعد نوال نے ہاتھ بڑھا کر وہ کاغذ پکڑے۔۔۔ آہستہ آہستہ کھولے تب تک وہ اپنی جیب سے فون نکال کر اُسکی ٹارچ کو جلا چکا تھا۔ جسکی روشنی کُھلے ہوئے کاغذ پہ پڑ رہی تھی۔

نوال کے ہاتھ کانپ گئے۔ کیونکہ اُسکے ہاتھ میں نکاح نامہ تھا۔ جس پہ باقاعدہ نوال کے اپنے دستخط تھے۔ وہ شاک نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ کُچھ پل کے لیے جیسے مردہ ہی ہوگئی ہو۔

سیدھا ہاتھ ہوا میں گھومتا ہوا حدید کے چہرے کی جانب بڑھا تھا۔ مگر راستے میں ہی روک دیا گیا۔ اور وہ بڑی دوٹوک اور بے لچک آواز میں بولا تھا۔

”مزید ہاتھا پائی نہیں ہوگی۔“

نوال جتنی نفرت کا مظاہرہ کر سکتی تھی۔ اُس سے زیادہ نفرت سے حدید کو دیکھتے ہوئے اُس نے اپنا ہاتھ اُسکی گرفت سے کھینچ لیا۔

اگر وہ مزید ایک پل بھی اُسکے سامنے کھڑی رہتی تو اُسکو پورا یقین تھا۔ وہ اپنی بچی کُچی عزتِ نفس بھی بُھلا کر اس آدمی کی منتیں کرنے پہ اُتر آئے گی۔

نوال نے گردن سیدھی کی اور ٹھوڑی اوپر اوٹھا کر وقار کے ساتھ چلتی واپسی کے راستے پہ گامزن ہوگئی۔ وہ اسکو یہ ظاہر نہیں کروانا چاہتی تھی۔ کہ اس وقت وہ جیت رہا ہے۔

حدید نے بڑے اطمینان سے کاغذ فولڈ کر کے اپنی جیب میں رکھے۔ کبھی کبھی گھی نکالنے کے لیے اُنگلی ٹیڑھی کرنی ہی پڑتی ہے۔ وہ بھی اس وقت یہی کر رہا تھا۔

نوال سارا چکر کاٹ کر ہسپتال کے مین دروازے تک آئی۔ اور اندر جا کر اُسی ویٹنگ روم میں بیٹھ گئی جہاں سے اُٹھ کر گئی تھی۔ لب سختی سے بھینچے ہوئے تھے۔

آدھے گھنٹے کے انتظار کے بعد گریس کی شکل دیکھائی دی۔ جو دروازے میں کھڑی مسکراتے ہوئے بولی۔۔

"تم کتنی اچھی ہو۔ تب سے میرے انتظار میں بیٹھی ہوئی ہو۔"

نوال مردہ سی مسکراہٹ دیکھا اپنی جگہ سے اُٹھ گئی۔

"تمہاری طبیعت اب کیسی ہے؟۔۔ ڈاکٹر نے کیا کہا؟۔۔"

"کہنا کیا تھا۔ وہی جو حدید نے کہا تھا۔ پیٹ میں گیس ہے۔ یہ دوا دی ہے"

نوال کے بھنویں حیرت میں اوپر اُٹھے۔۔

جس پہ گریس مزید بولی۔۔

"تمہیں حدید کی بات سے اتفاق۔ کر لینا چاہیے تھا۔ بچارے کو نیند آئی ہوئی تھی۔ خوامخواہ میں اُسکی رات خراب کی۔۔۔"

"مجھے حیرت اس بات کی ہے۔ اُس نے اتنا درست اندازہ کیسے لگا لیا۔"

نوال کے سوال پہ گریس حیرت سے بولی۔۔۔

"نوال حدید نے پیرامیڈیک کا کورس کیا ہوا ہے۔ ساتھ میں فرسٹ ایڈ بھی جانتا ہے۔"

"اوہ۔۔۔ چلو ایک بات تو ثابت ہوئی۔ میں اس آدمی کو بالکل نہیں جانتی ہوں۔ کیونکہ میرے خیال میں تو یہ ایک فوٹوگرافر ہے۔"

گریس دھیرے سے ہنسی۔۔۔

"مین آف مینی ٹیلنٹ۔۔ کیونکہ یہ سچ ہے۔ پیشے کے لحاظ سے وہ فوٹوگرافر بھی ہے۔"

”بھی کیا مطلب؟۔۔کیا اسکے علاوہ کُچھ اور بھی ہے؟۔۔“

”بنیادی طور پر وہ ایک انویسٹی گیٹر رپورٹر ہے۔مگر شوقیہ طور پر فوٹو گرافی بھی کرتا ہے۔“

”گریس تم اس شخص کے بارے میں اتنا کیسے جانتی ہو؟۔۔“

”کیونکہ میں بھی اُسی جگہ کام کرتی تھی۔ جہاں حدید سینیر رپورٹر ہے۔“

”اوہ۔۔!تو میاں بیوی بننے سے پہلے تم دونوں کولیگز رہ چکے ہو۔واہ کیا مزا ہے جناب۔۔۔“

گریس کونوال کا انداز اور الفاظ دونوں ہی پسند نہ آئے تھے۔چونکے وہ لوگ گاڑی تک پہنچ گئی تھیں۔اسلیے باقی کی بحث گریس نے کسی اور وقت پہ چھوڑ دی۔

اُن دونوں کے بیٹھتے ہی حدید نے خاموشی سے گاڑی آگے بڑھا دی۔

سٹریو ابھی چل رہا تھا۔

”سانوں عشق چہ لگیاں چوٹاں نے

کُجھ مارلیا اپنا لوکاں نے

اسی سب کُجھ ہس کے جر جاندے

دُکھ تیرا جریا نہیں جانا۔۔۔

ہتھ جوڑے نہ ظلم گُزار سجنا۔۔۔

سانوں مریا نوں نہ مار سجنا

اُنج ہر مشکل نال لڑ لا نگے۔۔۔

تیرے نال لڑیا نہیں جانا۔۔

نوراں سسٹر کی آواز گاڑی میں مدھم سروں میں گونج رہی تھی اور نوال کا جی چاہ رہا تھا۔ ہر چیز کا آگ لگا دے۔۔۔

ساڈا تیرے بنا گزارا نئی اے جاندا تو وی ایں گل سجنا۔۔۔

تینوں چاہیا سی تینوں چاہنے آ تینوں چاہاں گے۔۔۔

وہ اپنا سیٹ بیلٹ کھول کر چیل کی طرح سڑیو پہ جھپٹی تھی۔ ایگزیٹ کا بٹن دبا کر سی ڈی پلیئر کھولا۔۔۔ سی ڈی پکڑ کر توڑ موڑ کے ٹکڑوں میں تبدیل کرنے کے بعد حدید کی گود میں اُچھال دی۔

"بہتر ہے یہ چیپ قسم کی شاعری اپنے آپ تک رکھو۔"

وہ پھولے ہوئے نتھنوں کے ساتھ بولتی اپنی جگہ پہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

گریس نے نفی میں سر ہلا کر باہر دیکھنا شروع کر دیا۔

"تم بہت زیادہ سوچ رہی ہو۔ اپنے دماغ کو سکون دو۔ یہ گانا میں نے نہیں گایا۔ نہ ہی یہ شاعری میں نے لکھی ہے۔ نہ اپنے جذبات تم تک پہنچانے کے لیے مجھے ان چیزوں کی ضرورت ہے۔"

نوال بولی کچھ نہیں نظریں شیشے کے باہر روشنیوں پہ ٹکی تھیں۔ جب اُس نے اپنا ہاتھ حدید کی جانب اُٹھا کر درمیانی اُنگلی دیکھائی۔

گاڑی میں گریس کا بے اختیار قہقہہ گونجا۔۔۔

حدید کے لبوں پہ اُبھرنے والی مدھم سی مسکراہٹ دونوں ہی نہ دیکھ پائیں۔ حدید نے گاڑی کی اندرونی لائٹ بند کرتے ہوئے سپیڈ بڑھا دی۔۔۔

☆......☆......☆

"امی آپ کس احمد کی بات کر رہی ہیں؟۔۔"

"اپنے ہونہار سپوت کی بات کر رہی ہوں۔ اور کس کہ کرونگی۔"

"مجھے یقین نہیں ہے۔ ہو ہی نہیں سکتا وہ آپکو بتائے بغیر شادی کر لے۔ یہ بات ناممکنات سے ہے۔"

"جتنی جلدی مانلو گی۔ اُتنا ہی اچھا ہو گا۔ کیونکہ چند ماہ تک تمہارا بھتیجا بھتیجی بھی خیر سے دنیا میں آ جائینگے۔ ہائے میرا ہی قصور ہے۔ میں ہر وقت اُسکو پوتی پوتا نہ ہونے کے طعنے مارتی تھی۔ میری خواہش پوری کرنے کو میرے بچے نے خاموشی سے شادی کر لی۔ ہر دفعہ کہتا تھا۔ اپنے جیسی کوئی ڈھونڈ لائیں۔ ہائے اللہ مجھے لگتا تھا۔ مذاق کرتا ہے۔ مگر وہ تو واقعی میری عمر کی بیاہ لایا۔"

"امی آپ مجھے مسلسل پریشان کر رہی ہیں۔ وہ آپکی عمر کی بات نہیں کرتا تھا۔ آپ جیسے دل کی عورت کہتا

تھا۔"

"فری اُس نے میری ہم عمر سے شادی کی ہے۔"

"وہ کیوں ایسا کرے گا۔ساری دنیا کی لڑکیاں مر تو نہیں گئی ہیں۔"

"میری بیٹی تیرے بھائی کے لیے تو لگتا ہے۔سب مرگئی ہیں۔چلو شادی تو پھر بھی ایک اچھا عمل ہے۔کیا ہوا جو گریس کی عمر چالیس پنتالیس سال ہے۔وہ تو اس سے بھی عجیب کارنامہ سرانجام دئے گیا ہے۔"

"امی میری برداشت جواب دئے گئی ہے۔اب کیا بچا ہے۔"

"میری بچی تو نے ابھی سُنا ہی کچھ نہیں ہے۔"

"قسطوں میں میری جان نہ نکالیں ایک ہی دفعہ سارے انکشاف کر دیں۔"

"وہ ایک لڑکی سے محبت کرتا ہے۔"

فری نے قہقہہ لگایا اور بولی۔۔

"امی یہ جو آپکا لاڈلا ہے نا۔۔۔محمد حدید احمد۔۔۔یہ لڑکیوں سے گپیں مار سکتا ہے۔اُنکو تحفے تحائف دئے سکتا ہے۔مگر دو کام یہ نہیں کر سکتا۔ایک تو یہ کسی لڑکی کی جھوٹی تعریف نہیں کر سکتا اور محبت تو اسکے بس کا روگ ہی نہیں ہے۔ہائی سکول میں یہ میرے سے سینئر تھا۔سارا بچپن لڑکپن ساتھ گزرا ہے۔آج تک میرے علم میں نہیں کو اس نے لڑکیوں کی جانب سے ملنے والے کسی لو لیٹر کے جواب میں اُس لڑکی کو آئی لو یو لکھا یا بولا ہو۔یہ صرف ڈیٹ مارتا ہے۔محبت نہیں کرتا۔"

"اب تو یقین کر ہی لو۔تمہارا وہی بھائی نہ صرف محبت کر بیٹھا ہے۔بلکہ اس میدان میں بھی ایک نیا ریکارڈ ہی بنا گیا ہے۔"

سعدیہ نے ساری تفصیل سے آگاہ کر دیا۔

فری کتنی دیر خاموشی سے سکرین کو دیکھتی رہی۔یقین کرتی بھی تو کیسے۔۔۔لیلٰی حدید کی بچپن کی دوست تھی۔فراز سے بھی سرسری ہی سہی مگر ملاقات رہی تھی۔

"تمہارے ابو اور میں چاہ رہے ہیں۔ہم لوگ جا کر نوال سے بات کریں۔"

"آپ لوگ کیا بات کریں گے؟۔۔"

"بھئی یہی کہ ہمیں اپنا بڑا مان کر ہماری بات مان لے۔کیونکہ نہ جانے وہ احمد کو کس حد تک جانتی ہے۔ہمیں تو علم ہے۔وہ اب اسی سے شادی کرے گا۔"

"امی جو لڑکی میرے گھر پہ کام کرتی رہی ہے۔آپکو تو یاد ہوگی۔میں نے بتایا تھا نارات کو کلب میں شراب پی کر ہنگامہ مچا رہی تھی بارٹینڈر نے پولیس کو فون کر دیا۔"

"اُس کا یہاں کیا ذکر آ گیا۔پہلے ہی تم مجھے کئی دفعہ یہ بات تفصیل سے بتا چکی ہو۔اس وقت اپنے گھر کے مسئلے پر غور کرو۔"

"نہیں امی میں صرف یہ کہنا چاہ رہی تھی۔اُس لڑکی کا نام بھی نوال تھا۔"

"اوہ اچھا۔۔۔"

"ہاں۔۔۔میں گلاسگو آ رہی ہوں۔میں بھی تو دیکھوں آخر محمد حدید احمد کو نتھ کس نے ڈالی ہے۔"

"وہ بچاری کیا نتھ ڈالے گی۔میں نے ربیکا سے بات کی تھی۔اُس کا کہنا ہے۔نوال خوش نہیں ہے۔زیادہ تر کمرے میں بند رہتی ہے۔کھانا بھی نہیں کھاتی۔گریس نے اُسکے ساتھ تھوڑی بہت دوستی کر لی ہے۔اُس کے ساتھ باتیں کر لیتی ہے۔مگر احمد سے نہ ہی تو بات کرتی ہے۔نہ اُسکی کوئی بات مانتی ہے۔فری میرا دل یہ سوچ کر بڑا اُداس ہوتا ہے۔اللہ پاک اپنے بندوں کی کیسے کیسے آزمائش کرتے ہیں۔اُس بچی نوال کی گود ہی ہری رہتی تو شائد وہ اتنا نہ ٹوٹتی۔میں کل اُسکی طرف جا رہی ہوں۔احمد تو کہتا ہے۔ابھی مت جائیں۔وہ سمجھتا ہے۔کچھ وقت گُزرے گا۔نوال خود ہی ہار مان لے گی۔پر مجھے ایسا نہیں لگتا ہے۔میں اپنے بیٹے کو کسی بڑے غم میں مبتلا نہیں دیکھ سکتی ہوں۔اگر وہ اسی ایک عورت میں اپنا مستقبل دیکھتا ہے۔تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔مجھے بس اپنے بچے کی خوشی چاہیے۔میرا دل دو ٹکرے ہو گیا ہے۔میں سوچتی ہوں۔وہ کس حد تک نوال کا سوچتا ہے۔اُسکی خاطر گریس سے شادی کر لی۔فری ایک دفعہ سوچو تو یہ کوئی چھوٹی بات نہیں ہے۔یہاں تو لوگ اچھی بھلی عورتوں کو چھوڑ کر اولاد کے نام پر دوسری تیسری شادی کر لیتے ہیں۔کیا کبھی ایسا بھی ہوا ہے؟۔۔۔

"امی آپکو اتنا امپریس نہیں ہونا چاہیے۔اور نرم تو بالکل مت پڑیں۔جو رشتہ میں نے آپکو بتایا تھا۔ایک ہی

بیٹی ہے۔اُسکا باپ یہاں کا پُرانہ شہری ہے۔ بہ جانے کتنی پراپرٹی کا مالک ہے۔وہ آدمی اب خود کچھ بھی نہیں کرتا ہے۔بس ہر ماہ مکانوں کا کرایہ لیتا ہے۔سکون کی زندگی گزار رہے ہیں۔ظاہری سی بات ہے۔جس آدمی کی ایک ہی ایک بیٹی ہو۔کل کو باپ کی ساری جائیداد کی مالک بھی وہی ہوگی۔اسکو اگر اُس لڑکی کا رشتہ مل رہا ہے۔تو اسکو اور کیا چاہیے؟اپنے بیٹے کو قابو کریں۔اس عمر میں اُسکو عقل آنے کی بجائے جوتھی وہ بھی چلی گئی۔

مجھے تو لگتا ہے۔اُس لڑکی کے کیس کو قریب سے دیکھنے کی وجہ سے ہمدردی کا شکار ہو رہا ہے۔ترس کھا رہا ہے۔ورنہ ماں محبت وحبت واقعی اُسکے بس کا روگ نہیں ہے۔آج جذبات میں آکر شادی کر لے گا۔مگر کل کو بہت پچھتائے گا۔"

"میری تو سمجھ سے بالاتر ہے۔میں کس کو سمجھاؤں اور کس کو اُسکے حال پہ چھوڑ دوں۔"

"اس میں کسی دوسری رائے کی گنجائش نہیں ہے۔آپ اپنے لاڈلے کو سمجھائیں۔"

"فری وہ بتیس سال کا ہو گیا ہے۔اس عمر میں اُسکے ساتھ زور زبردستی کیسے کروں؟۔"

"امی وہ چالیس کا بھی ہو جائے۔تب بھی آپ اُسکی ماں رہیں گی۔ماں جب چاہے جوتا اُٹھا سکتی ہے۔"

"بہن وہ تمہارے جیسی مائیں ہونگی۔میرا بچہ ایک جائز کام کرنا چاہتا ہے۔پھر میں کیوں اُسکی راہ کھوٹی کروں؟۔"

"کل کو لوگوں کو کیا جواب دیں گی؟۔کوئی بھی آپکی بتائی کہانی پہ یقین نہیں کرے گا۔ہر کسی نے یہ ہی کہنا ہے۔گوری کے ساتھ بھی منہ ماری کرتا رہا ہے۔اور پھر کسی دوسرے کی بیوی پہ نظر رکھ کر بیٹھا تھا۔جس کی طلاق کروا کر اب خود اُسکے ساتھ بیاہ رچا رہا ہے۔ماں یہاں پر اپنے لوگوں میں طلاق کا ریٹ اس قدر بڑھ گیا ہے۔میری ہمسائی ہے۔اُس کے پانچ بچے ہیں۔پہلے شوہر سے دو بچے ہیں۔دوسرے سے صرف ایک بیٹی ہے۔اب تیسرا شوہر کیا ہوا ہے۔اُس میں سے دو بیٹے ہیں۔کئی تو کہتے ہیں تیسرے والے سے نکاح بھی نہیں کیا ہوا ہے۔اب اپنے لوگوں کا یہ تو حال ہے۔بال بچے والی ہو کر بھی عورتیں خود کم عمر لڑکیاں ہی مانتی ہیں۔بہت کوئی خاندانی لوگ ہی بچے ہیں۔ورنہ تو بس حد ہوئی پڑی ہے۔"

"فری میں بھی ادھر ہی رہتی ہوں۔جن لوگوں کی تم مثالیں دے رہی ہو۔اُن میں اور میرے بچوں میں

زمین آسمان کا فرق ہے۔تمہاری شادی کے وقت بھی پہلا فیصلہ تمہارے باپ اور میں بے مل کر لیا تھا۔ ہماری خوش قسمتی کہ تمہیں بھی کوئی اعتراض نہ ہوا۔احمد بھی جدید دور کی پیداوار سہی مگر اندر سے وہ ایک دم فیملی سے پیار کرنے والا انسان ہے۔ مجھے ہمیشہ سے علم تھا۔وہ کسی ایسی لڑکی سے شادی کرے گا۔جو کہیں نا کہیں اُسکی شخصیت کی صفات شئیر کرتی ہوگی۔اسی لیے میں نوال سے ملنا چاہتی ہوں۔بہت عرصہ پہلے میں نے اُسکو دیکھا تو تھا۔مگر تب اتنا غور سے پرکھا نہیں تھا۔اب میں اسکو احمد کی نظروں سے دیکھنا چاہتی ہوں۔"

"امی جب آپکو ہی میری بات سمجھ میں نہیں آرہی ہے۔تو آپ اُسکو کیسے راضی کریں گی۔"

"تم گلا سگوآرہی تو ہو۔خود ہی آکر احمد کو راضی کر لینا۔مجھ سے ایسے مشکل کام نہیں ہوتے۔اب کال بند کر رہی ہوں۔کل فون کرنا پھر بات ہوگی۔اللہ حافظ۔۔"

لیپ ٹاپ کو بند کر کے وہ ڈائننگ ڈیبل کر کُرسی سے اُٹھ گئی۔

لینڈ لائن کا رسیور اُٹھا کر ایک نمبر ملایا۔

دوسری جانب سے جواب ملنے پر رُعب سے بولیں۔

"جیفری میں بول رہی ہوں۔محمد حدید احمد کی ماں۔۔"

"جی میم فرمائیے۔۔؟۔۔"

"میرا بیٹا کدھر ہے؟۔۔"

"سر تو ابھی سو رہے ہیں۔"

سعدیہ نے بے اختیار ایک نظر وال کلاک پہ ڈالی۔۔

"وہ اس وقت کیوں سو رہا ہے؟۔۔اُسکی طبیعت تو ٹھیک ہے؟۔۔"

"ہاں جی دراصل کل رات اُنکو آفس کے کام کے سلسلے میں جانا پڑ گیا تھا۔جس کے باعث نیند پوری نہ ہو پائی۔"

"کیا نوال ابھی تک اُدھر ہی ہے؟۔۔"

"جی اُنہوں نے اب بھلا کہا جانا ہے۔"

"کیا کر رہی ہے؟۔۔"

کچھ دیر تک خاموشی چھائی۔۔۔

"وہ کچن میں مصروف ہیں۔"

"اوہ۔۔۔کیا کھانا بنا رہی ہے؟۔۔۔"

"نہیں۔۔"

"تو پھر۔۔؟۔۔کھانا کھا رہی ہو گی؟۔۔"

"نہیں۔۔بیکنگ کر رہی ہیں۔"

"اور وہ گوری عورت گریس کیا وہ بھی اُدھر ہے؟۔۔"

"ہاں جی۔۔وہ میڈم سے ساتھ کچن میں موجود ہیں۔"

"جیفری میں تیار ہو رہی ہوں۔تم مجھے لینے آؤ۔"

"میں آ تو جاتا ہوں۔پر مجھے پہلے سر سے اجازت لینی ہو گی۔"

"جیفری میں تمہارے سر کی ماں ہوں۔اور ماں کو اپنے بیٹے کے گھر جانے کے لیے اُسکی اجازت کی ضرورت نہیں ہوتی۔تم جلدی نکلو کہیں یہ نہ ہو تمہاری اتنی حد سے بڑھی فرمابرداری تمہیں نوکری سے ہاتھ دھونے پر مجبور کر دیے۔"

جی جو حکم۔۔۔"

"شاباش اچھا بیٹا۔۔۔"

جیفری نے رسیور واپس ڈالا۔۔۔

نروس سا اپنے کیبن سے نکل آیا۔

سامنے سے گزرتی ربیکا کو روک کر مشورہ مانگا۔جو جواب میں بولی۔۔۔

"جیفری تم چلے جاؤ۔کیونکہ سر کی والدہ کا حکم سر کا حکم ہی ہے۔"

"میں یہ سب جانتا ہوں۔مگر گریس اور نوال میڈم کی موجودگی میں اماں جی کا آنا۔پتہ نہیں کیوں پر مجھے لگتا

ہے۔سر سے پوچھ لینا بہتر ہوگا۔"

"میں تو یہی کہوں گی۔ جا کر اماں جی کو لے آؤ۔ ہو سکتا ہے۔ اُنکی آمد سے گھر کے حالات بہتری کا رُخ اختیار کر لیں۔"

"ٹھیک ہے۔ اگر سر نے کُچھ کہا تو کہہ دونگا۔ اماں جی کا حکم تھا۔ اور ربیکا کا بھی یہی مشورہ تھا۔"

"ربیکا نے قہقہہ لگایا۔

"دیکھو تو سہی رف ٹف سا باڈی گارڈ کیسے بلی کی طرح ڈر رہا ہے۔"

"عزت کی اور اچھی تنخواہ والی نوکری سے کون ہاتھ دھونا چاہے گا۔"

"ہاں یہ تو ہے۔ پر فکر نہ کرو۔ مجھے نہیں لگتا۔ اتنی سی بات پہ تمہاری نوکری جائے گی۔"

"چلو میں چلتا ہوں۔ یہ نہ ہو لیٹ جانے ہی ڈانٹ پڑ جائے۔"

"تم تو ایسے بول رہے ہو۔ جیسے سر کی والدہ کوئی بڑی خطرناک قسم کی خاتون ہیں۔ وہ تو سدا کی نرم دل عورت ہیں۔"

"مجھے اس سے کوئی اختلاف نہیں ہے۔ پر آخری دفعہ جب گریس اُنکے گھر پہ گئی تھی۔ اور اُنہوں نے مجھے کال کر کے جیسے ڈانٹا تھا۔ تب سے دل ڈر گیا ہے۔"

ربیکا نے ایک اور قہقہہ مارا۔۔۔ اور آگے بڑھ گئی۔

☆......☆......☆

جدید طرز پہ بنے خوبصورت کچن میں ساری کی ساری شیلفس پہ سامان بکھرا پڑا تھا۔

وہ اتنی گندگی مچا کر بیکنگ کرنے والوں میں سے نہیں تھی۔ مگر چونکہ دو دن سے نہ تو نیند مہربان ہوئی تھی۔ نہ اُس نے ڈھنگ سے کھانا کھایا تھا۔ نہ ہی لباس بدلا۔۔۔

اُسی بیگی ٹراوزر پہ اوور سائز شرٹ اور ہڈی پہنے ہوئی تھی۔ آنکھوں کے گرد گھرے حلقے تھے۔ ہونٹوں پہ پپڑی جمی ہوئی تھی۔ بالوں کو بن کی صورت میں سر کے اوپر کر کے باندھا ہوا تھا۔ جو اُسکے ہاتھ کی ہلکی سی حرکت پہ بھی ہلتا۔

اس وقت وہ بڑی توجہ اور مہارت سے کیک کے اوپر آئیسنگ لگا رہی تھی۔

”نوال جتنا کچھ تم نے ان دو دنوں میں بیک کیا ہے۔ گاؤں میں لے جا کر سٹال لگا لو۔ اچھی خاصی کمائی ہو جائے گی۔“

گریس نے چائے کے گھونٹ کے ساتھ کوکونٹ بسکٹ کھاتے ہوئے اپنی رائے دی تھی۔ جس پہ نوال کی جانب سے کوئی ردِ عمل نہیں آیا۔

”نوال تم سُن تو رہی ہو نا؟۔۔ تو پھر جواب کیوں نہیں دیتی ہو؟۔۔۔“

نوال نے ایک پل کو سر اُٹھا کر گریس کی سمت میں دیکھا۔ کیونکہ سر درد سے پھٹ رہا تھا۔ وہ گریس کا چہرہ نہ فوکس کر پائی۔

”گریس؟۔۔“

”شکر ہے تم نے زبان تو کھولی۔۔۔“

”تم اور یہ شخص گولیگز سے میاں بیوی کیسے بنے؟۔۔۔“

”نوال تمہارے خیال میں کیا ہوا ہوگا؟۔۔ ہاں؟۔۔“

”میرا دماغ بالکل بھی اندازے لگانے کے قابل نہیں ہے۔ مجھے سیدھا سا جواب دے دو۔“

”سیدھا سا جواب میری ضرورت اور حدید کی ضرورت۔“

”کیا مطلب۔۔۔“

”حدید کی ضرورت کیا تھی۔ تم جان ہی چکی ہو۔ اب میں دوبارہ سے دُہرانا نہیں چاہتی ہوں۔ ہاں اپنے بارے میں بتا سکتی ہوں۔ کیونکہ مجھے وہ لمحات کبھی نہیں بھول سکتے۔ میرے بیٹے کو اُسکی مرضی کی یونیورسٹی میں داخلہ ملا تھا۔ وہ اتنا خوش تھا کہ میں بتا نہیں سکتی۔ ہمارے پاس ایک مکان ہی تھا۔ جس پہ ہم ماں بیٹا ساری اُمید لگا کر بیٹھے ہوئے تھے۔ ہم نے مکان کے گاہک بھی ڈھونڈے ہوئے تھے۔ پروگرام یہی تھا۔ گھر بیچ کر ہم دونوں ماں بیٹا امریکہ شفٹ ہو جائیں گے۔ وہاں وہ اپنی تعلیم جاری رکھے گا۔ اور میں دوبارہ سے کوئی چھوٹی موٹی نوکری ڈھونڈ لونگی۔ نوال میرا بیٹا بہت محنتی ہے۔ اُس نے ہائیرز میں اے پلس اے سٹار لئے ہیں۔ ہمیشہ سے

میرا خیال کرنے والا ہے۔ اُسکو اچھا نہیں لگتا تھا کہ میں بی بی سی کے دفتر میں کلینرز کی نوکری کرتی ہوں۔ خیر اُدھر یونیورسٹی والوں نے اسکے شاندار ریکارڈ کی بنا پر پچاس فیصد فیس معاف کر دی۔ اور باقی کی ہمیں چار ہفتوں کے اندر اندر جمع کروانی تھی۔ تب ہی جا کر اسکی رجسٹریشن پکی ہونی تھی۔ ہم پُر اُمید تھے۔ گھر کی ڈیل فائینل ہو گئی۔ جس دن چیک ہمارے ہاتھ آیا۔ اپنا شاندار مستقبل ہماری آنکھوں کے سامنے تھا۔ اُس دن ہم ماں بیٹے نے گھر کی اچھی قیمت ملنے کی خوشی میں باہر ڈنر کیا۔ مگر ہمیں اُس صدمے کی خبر نہ تھی۔ جو ہمارے تعاقب میں آرہا تھا۔

اُس رات ہم گھر واپس آئے۔ حسبِ معمول سونے کے لیے لیٹ گئے۔ رات کے کسی پہر وہ لوگ کچن کی کھڑکی توڑ کر اندر آئے تھے۔"

گریس کی آواز جذبات کی زیادتی سے رندھ گئی۔

"نوال اُنہوں نے میرے بیٹے کو میری آنکھوں کے سامنے بالوں سے پکڑ کر کھینچا۔۔۔ می۔۔۔ میں بتا نہیں سکتی ہوں۔ میرے دل میں کیسی چھری کھونپی تھی۔"

گریس نے لب سختی سے بھینچ کر اُنکی کپکپاہٹ کو قابو کیا۔۔۔

نوال اپنے ہاتھ روکے سیدھی کھڑی ہو کر حیرت زدہ سی سُنے جا رہی تھی۔ گریس کو یوں پریشان دیکھ کر وہ آئیسنگ وغیرہ وہیں چھوڑ کر اُسکے پاس آئی۔ اپنا ہاتھ گریس کے کندھے سے چھو کر تسلی دی۔

جس پہ گریس دھیرے سے مسکرائی۔۔۔

"شکر یہ نوال پر جب بھی میں اُن خوفناک لمحات کو یاد کرتی ہوں۔ مجھے یوں محسوس ہوتا جیسے میرا سٹیون ابھی بھی تکلیف میں ہو۔ اپنے بچے کی تکلیف نہیں دیکھی جاتی۔"

"پھر کیا ہوا؟۔۔"

"اُنہوں نے سٹیون کو کُرسی پہ بیٹھا کر رسیوں سے باندھ دیا۔ وہ لوگ تعداد میں تین تھے۔ اپنا لمبا چاقو سٹیون کے گلے پہ رکھ کر مجھ سے بولے۔۔۔ بڑھیا اس مکان کی جو قیمت وصول ہوئی ہے۔ وہ ہمارے حوالے کر دئے ورنہ اسی لمحے اپنے بیٹے کو ذبح ہوتے دِیکھے گی۔ نوال میرے لیے وہ پل قیامت تھے۔ میں نے اُنکو بتایا میرے پاس رقم نہیں ہے۔ ابھی صرف چیک ملا ہے۔ اور وہ بھی میرے بنک میں موجود ہے۔"

”اُن ظالموں کو لگا میں نے جھوٹ بولا ہے۔اُنہوں نے سٹیون کو لاتے گھونسے مار مار کر بُرا حال کر دیا۔ میں چیختی چلاتی رہی مگر وہ نہیں رُکے۔جب میں نے رو رو کر بین کرتے ہوئے بار بار ایک ہی بات دہرائی کہ پیسے گھر پہ نہیں ہیں۔تب بھی اُن لوگوں کو میری بات کا یقین نہیں آیا۔اُنہوں نے میرا سارا گھر کھنگال کر رکھ دیا۔گھر پہ پیسے ہوتے تو ملتے۔اُن لوگوں نے لیپ ٹاپ نکال کر میرے سامنے کیا۔تاکہ میں اپنے بنک کی ویب سائٹ پہ جا کر اپنے اکاؤنٹ میں لاگ ان کروں۔نو وال ذرا سوچو ایک طرف آپکی ساری عمر کی جمع پونجی ہو۔اور ایک طرف آپکی اولاد کیا حالت ہو گی۔میں اپنے بیٹے پر زندگی بھی وار دوں۔وہ ستر ہزار پاؤنڈز تو کُچھ بھی نہ تھے۔ میں نے کر دیا جو وہ لوگ چاہتے تھے۔اپنے بیٹے کا خواب اُنکے حوالے کر کے اپنے بچے کی جان بچالی۔

وہ دو ہفتے ہسپتال میں رہا۔سٹیون کو اپنی چوٹوں سے زیادہ اپنے خوابوں کے چھینے جانے کا دُکھ تھا۔اُس نے بولنا بھی بند کر دیا۔ہسپتال سے گھر آیا۔مکمل گم صم پولیس نے کیس درج کر کے اپنی تفتیش شروع کر دی ہوئی تھی۔ مگر آج تک اُن چوروں کو پکڑا نہیں جا سکا۔کیس ابھی بھی کھلا ہوا ہے۔وقتاً فوقتاً ہمیں اپ ڈیٹ کرتے رہتے ہیں۔“

”اُس دن میں تین ہفتوں بعد آفس آئی تھی۔میں نے استعفٰی دیا ہوا تھا۔جو میرے حالات کے پیشِ نظر کینسل کر کے مجھے دوبارہ بُلا لیا گیا۔

جس دن فیس دینے کی آخری تاریخ تھی۔میرا دل پھٹ رہا تھا۔اُس دن سٹیون کا سامنا کرنے سے ڈرتی میں آفس آ گئی۔مگر کام میں ذرا جی نہیں لگ رہا تھا۔جب حدید سر کے آفس کی ڈسٹنگ کرنے آئی۔جیسے یہ اتنا اچھا انسان ہے۔اس نے میری روئی ہوئی شکل دیکھ کر خلوص سے پوچھا۔

”گریس سب کُچھ ٹھیک ہے نا۔۔“

”میرا اختیار نہیں رہا۔ویسے بھی مجھے اُس پل کوئی ہمدرد کندھا چاہیے تھا۔آفس میں سب کو میرے گھر پہ ہونے والے حادثے کی خبر تھی۔بے اختیار روتے ہوئے میں نے سٹیون کی یونیورسٹی وغیرہ کا سب بتا دیا۔ میرے دل پہ بوجھ ہی بہت تھا۔نہ جانے میں کیا کیا بولتی گئی۔حدید نے بڑی توجہ سے مجھے سُننے کے بعد تسلیاں دیں۔پانی کا گلاس بھر کر دیا۔اور وعدہ کیا کہ وہ بورڈ کے آگے یہ مسئلہ رکھے گا۔اگر کُچھ کر سکے تو ضرور کریں گے۔

پر مجھے پتہ تھا۔اب کچھ نہیں ہوسکتا۔"

"پر جانتی ہونو وال میں غلط تھی۔ لنچ آورز میں حدید مجھے ڈھونڈتا ہوا آیا۔اپنے ساتھ آفس سے باہر ایک خاموش جگہ پر لے جا کر اُس نے جو بات کہی میں کتنی دیر بے یقینی سے اُسکا منہ دیکھتی رہ گئی۔ وہ مجھ سے بزنس ڈیل کرنا چاہتا تھا۔جس کے مطابق میں اُسکو اولاد دونگی۔ وہ میرے بیٹے کی پڑھائی کے سارے اخراجات اُٹھائے گا۔اُس نے کہا گریس تم سوچ لو۔کوئی جلد باز فیصلہ نہ کرنا۔ پر نوال جوں جوں میں نے اس پر سوچا۔اگر اس ڈیل میں کسی کا نقصان ہوسکتا ہے۔تو وہ حدید ہے۔ کیونکہ میرے بیٹے کو پیسہ ملنے کی دیر ہے۔اُسکا اڈمیشن ہوجانا ہے۔جبکہ میں دوبارہ ماں بن بھی پاتی ہوں۔یا نہیں اسکی کوئی گارنٹی نہ تھی۔ پھر میری عمر بھی تو دیکھو۔ ریسک میں نے نہیں لیا۔ ریسک حدید نے لیا تھا۔ میں بڑی حیران ہوئی تھی۔ میری نظروں کے سامنے تھا۔ کیسے سارے آفس کی ہر ڈیپارٹمنٹ میں کام کرنے والی لڑکی اور عورت اس لڑکے سے متاثر تھی۔ جو آتے جاتے چٹکلے پھینک کر ہنساتا۔ پھر جو اپنی نوکری کی وجہ سے ہر ماہ ایک نئے حلیے میں نظر آتا۔ ہر نیا روپ وہ صرف ایک مہینہ یا زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ مہینے اپنائے رکھتا۔مگر ایک دفعہ موٹے عدسوں والی عینک " تیل لگے بالوں پہ کیپ' پھر جو کلاس کے جوتے پہنتا تھا۔سارا اسٹاف ہنس ہنس کر دُہرا ہوتا۔مگر حدید کو کب کسی کی پرواہ ہوتی تھی۔"

نوال نے گریس کے کندے سے اپنا ہاتھ ہٹا لیا۔اور کہہ نہ پائی کہ وہ حلیہ اُس نے نوال کو ہی بیوقوف بنانے کو اپنایا تھا۔اب مُڑ کر دیکھنے پر سب کچھ صاف نظر آ گیا تھا۔کوئی ابہام تھا بھی تو گریس کی آخری بات نے مٹا دیا۔

گریس کے کندھے پہ تھپکی دیکر وہ کچن کا پچھلا دروازہ کھول کر ایکڑوں پہ بچھے گارڈن میں نکل گئی۔

☆......☆......☆

کمرے کے پردے گرے ہوئے تھے۔اس لیے وہ وقت کا اندازہ نہ لگا سکا۔ پر بیڈ سے نکل کر پیروں سے اندھیرے میں سلیپر ٹٹول کر پہننے کے بعد دروازے تک آیا۔ دروازہ واہ ہوتے ہی کمرے میں روشنی داخل ہوئی۔ واپس مڑ کر بیڈ سائیڈ پہ رکھی اپنی رسٹ واچ اُٹھا کر ٹائم دیکھا۔ڈیڑھ بج رہا تھا۔جس کا مطلب تھا۔وہ اچھی خاصی نیند لے چکا تھا۔

گھڑی واپس رکھنے کے بعد اُس نے سیڑھیوں کا رُخ کیا۔

ابھی پہلی سیڑھی پہ قدم رکھا تھا۔ جب ہال میں موجود اپنی ماں کو دیکھ کر اُسکو خوشگوار حیرت ہوئی تھی۔ دونوں کی نظریں ملیں اور امی کی آنکھوں میں مسکراہٹ کی بجائے خلاف معمول غُصہ ناچ رہا تھا۔ حدید کے ماتھے پہ سلوٹ آئی۔۔۔

"اسلام وعلیکم۔۔۔ آپ کب آئیں۔۔۔ کیا زبردست سرپرائز ہے۔"

جلدی جلدی میں سیڑھیاں پھلانگتا نیچے آتے ہوئے بولا۔۔۔

سعدیہ نے پہلے تو اُسکو بُری طرح سے گھورا۔۔۔ پھر جلے دل کے ساتھ بولیں۔

"اُتنا زبردست سرپرائز نہیں ملا ہوگا۔ جتنا زبردست جھٹکا میں وصول کر کے بیٹھی ہوں۔ یہ وہ نوال نہیں ہے۔ جو مجھے موریسنز میں ملی تھی۔ یہ تو کوئی عزت وقار سے عاری لڑکی ہے۔ مجھے سو سال میں بھی یقین نہیں آئے گا۔ تم نے ایسی لڑکی کو پسند کیا ہے۔ دو ٹکے کے گورے کے ساتھ گپیں ماری جا رہی ہیں۔ غضب خُدا کا اُسکے ہاتھ سے سگریٹ لیکر پی رہی ہے۔ احمد مجھے تم نے بے انتہا مایوس کیا ہے۔"

امی کی بات پہ دو پل کو اُس نے آنکھیں موند کر گہری سانس خارج کی پھر پریشان صورت لیے کھڑی ربیکا کی جانب مُڑا۔۔۔

"اس وقت کہاں ہے؟۔۔"

ربیکا نے سوال سمجھتے ہی جواب دینے کو منہ کھولا۔۔ مگر اُس سے پہلے ہی کچن سے نکلتے احتشام صاحب بول پڑے۔۔۔

"تمہارے مالی کی مدد کر رہی ہے۔ حالانکہ جتنا وہ جوان اور مضبوط جسامت کا لڑکا ہے۔ مجھے نہیں لگتا اُسکو مدد کی ضرورت بھی ہوگی۔"

حدید چند پل نہ سمجھی سے اپنے باپ کی شکل دیکھتا رہا۔۔۔

پھر تیز تیز قدموں سے چلتا کچن کی کھڑکی تک آیا۔ جہاں سے باہر کا منظر بالکل صاف دکھائی دے رہا تھا۔ وہ مالی کو ہائی فائیو دیتے ہوئے پورے دل سے قہقہہ مار رہی تھی۔ اُسکی ہر ہر سانس کے ساتھ اُسکے منہ سے

بھاپ کے بھگولے نکل رہے تھے۔وہ گھاس موور کی سیٹ پہ بیٹھی ہوئی تھی۔اور مالی اُسکے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ اتنے لمبے رقبے پہ پھیلی گھاس کو کاٹنا آسان کام نہ تھا۔اسلیے چھوٹے ٹریکٹر سائز کی مشین کے ساتھ کاٹا جاتا تھا۔

وہ کچن سے نکل کر واپس ہال سے ہوتا ہوا بیرونی دروازے کے پاس بنی الماری تک آیا۔جسے کھول کر اندر لٹکی اپنی آؤٹ ڈور واٹر پروف جیکٹ کھینچ کر پہنی ساتھ ہی سلیپر اُتار کر ویلی بوٹ پہنے۔۔۔

''امی وہ آپکو چالو کرنے کے چکر میں یہ سب ڈرامہ کر رہی ہے۔ربیکا کیا لنچ تیار ہے؟۔۔۔''

''جی سر۔۔۔''

''ایسا کرو تم لنچ لگاؤ میں ابھی آتا ہوں۔پھر سب ساتھ مل کر لنچ کریں گے۔''

''احتشام یہ لڑکا اپنے ہوش وحواس کھو چکا ہے۔میں اس کو ہرگز نوال سے شادی کرنے نہیں دونگی۔کیا اچھی تمیز والی شریف لڑکیاں اس دنیا سے ختم ہوگئی ہیں۔''

حدید کو دُکھ ہوا۔اپنی ماں کے الفاظ پہ نہیں بلکہ نوال کے رویے پہ۔۔۔وہ ابو کی طرف ایک ہلکی سی مسکراہٹ پھینک کر گھر سے نکل گیا۔

آگے کی جانب سے لمبا چکر کاٹ کر وہ پیچھے کی طرف آیا۔

نوال نے آنکھ کے کونے سے اُسکو اپنی طرف آتے دیکھ لیا تھا۔سٹیرنگ وہیل پہ ہاتھ اور بھی مضبوط ہوگئے۔ اتنی دیر سے جو ڈرامہ وہ کر رہی تھی۔ابھی اُسکا ڈراپ سین کرنے کا کوئی پروگرام نہیں تھا۔

پر اندر ہی اندر وہ ڈر رہی تھی۔۔۔

''جونی تمہیں کبھی کسی نے بتایا ہے کہ تمہاری مسکراہٹ بہت پیاری ہے۔''

جونی حدید کو آتے دیکھ رہا تھا۔اسلیے مزید بتیسی نکالتے ہوئے جوش سے بولا۔۔۔

''میری ہائی سکول کی گرل فرینڈ نے مجھے بتایا تھا۔اُسکو بھی میری مسکراہٹ بہت پسند تھی۔''

''جونی۔۔۔آج کی تمہاری شفٹ ختم ہوئی۔تم اب گھر جا سکتے ہو۔''

حدید کے پُراعتماد حکم پر جونی نے خوشی سے اُسکی جانب دیکھا۔

''مگر ابھی تو میرا بہت کام رہتا ہے۔''

”بڑے افسوس کی بات ہے۔آج دو اضافی ہاتھ تمہاری مدد کر رہے تھے۔پھر بھی تم لیٹ ہو گئے۔خیر اب جو رہ گیا ہے۔وہ کسی اور وقت سہی۔۔۔ابھی تم آزاد ہو۔“

جونی نے اپنی پیلے دانتوں والی مسکراہٹ دکھاتے ہوئے نوال کو دیکھا۔

”آج تم سے ملنے کی خوشی میں مجھے کام سے جلدی چھٹی مل گئی ہے۔میں تمہیں پھر ملوں گا۔ابھی چلتا ہوں۔ مجھے شام سے پہلے بہت کام ہیں۔“

”ہاں ہاں کیوں نہیں تمہارا باقی کام میں کر دونگی۔تم۔۔۔“

حدید جو اُسکو سیٹ سے اُٹھتے دیکھ کر مزید دو قدم آگے آیا تھا۔عین اُس لمحے جب وہ جونی کی جانب جھک کر اُسکی گال پہ بوسہ دینے والی تھی۔حدید نے اُسکی کمر میں ہاتھ ڈال کر سختی سے اپنی طرف کھینچ لیا۔

”جونی ابھی کے ابھی یہاں سے دفع ہو جاؤ۔۔۔ورنہ یہ عورت تمہیں میرے ہاتھوں مروا کے چھوڑے گی“

حدید کی ہدایت پہ نوال کا قہقہہ جلترنگ کی طرح گونجا تھا۔جسکی لہر حدید نے بھی محسوس کی تھی۔کیونکہ وہ اُسکے گرد بازو لپیٹے اپنے ساتھ لگائے کھڑا تھا۔نوال کے سر کا پچھلا حصہ اُسکے سینے سے مس ہو رہا تھا۔جونی معصومیت سے بولا

”بائے نو۔۔۔ویل۔۔“

”بائے مائے لو۔۔۔ہم پھر ملیں گے۔تم اپنا وعدہ مت بھولنا۔“

وہ دور ہوتے ہوئے جونی کو مخاطب کرتے ہوئے بلند آواز سے بول رہی تھی۔

”یہ ڈرامے تب اثر کرتے اگر میں تمہیں جانتا نہ ہوتا۔“

حدید کی بات پہ ہنستے ہوئے وہ اُسکی بانہوں میں گھوم گئی۔اب نوال کا چہرہ حدید کے سینے سے چند انچ دور تھا۔

”تم نے آنے میں دیر کر دی ہے۔یہ شو تمہارے لیے سجا بھی نہیں تھا۔جن کے لیے ساری جدوجہد کی ہے۔وہ پچھلے ایک گھنٹے سے کچن میں کھڑے پھٹی آنکھوں سے مجھے دیکھ دیکھ کر اب تھک کر مایوس ہو چکے ہیں۔ابھی اس وقت بھی وہ بچی کُچی آس مٹانے کو ہمیں ہی دیکھ رہے ہیں۔“

حدید مسمرائز ہو کر اُسکا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ جو بڑے جوش سے اُسکی گردن میں بانہیں ڈال کر اُسکی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بڑی شرارت سے بول رہی تھی۔

''میں تمہاری والدہ کو پہچان گئی ہوں۔ اور میری خوش نصیبی یہ ہے۔ کہ جہاں میں نے پچھلے کچھ عرصے نوکری کی ہے۔ وہ لڑکی تمہاری والدہ کی بیٹی ہے۔ کیونکہ میں نے اِن دونوں مرد و عورت کی تصویر فری کے گھر پہ دیکھی ہوئی ہے۔ اگر فری ان خاتون کی بیٹی ہے۔ تو یقیناً تمہاری بہن ہے۔ کیونکہ ربیکا نے بتایا ہے۔ یہ لوگ تمہارے والدین ہیں۔ مغربی معاشرے میں رہنے والے دیسی لوگ۔ جو دنیا کے کسی بھی کونے میں چلیں جائیں۔ عورت کے بارے میں اُنکی سوچ وہی رہتی ہے۔ تمہاری بہن نے مجھے صرف اس بات پہ نوکری سے نکال دیا کیونکہ میں نے شراب پی تھی۔ تھوڑا ہنگامہ ہو گیا۔ جسکی بنا پر پولیس انوالو ہوئی۔ اب ذرا سوچو جو عورت مجھے اس قابل نہیں سمجھتی کہ وہ مجھے اپنے گھر پہ نوکری دے۔ وہ مجھے اپنے خاندان کی بہو کیسے بنائے گی۔ اور جو کچھ میں نے ابھی یہاں جونی کے ساتھ کھڑے ہو کر اُف اُس بدمزہ کڑوے سگریٹ کے کش پہ کش لگائے ہیں۔ جونی کے ہاتھ پہ ہاتھ مار کر قہقہے لگائے ہیں۔ تمہارے والدین کبھی مجھے اپنی بہو نہیں مانیں گے۔ جو عورت اتنا بُرا ریکارڈ رکھتی ہوں۔ جو چند پل پہلے ایک گورے پہ مر رہی تھی۔ اور اب اُنکے بیٹے کے گلے میں بانہیں ڈال کر کھڑی ہے۔ جو بچے پیدا نہیں کر سکتی ہے۔ جسکا آگے پیچھے کوئی نہیں ہے۔ میری صورتحال بہت شاندار ہے مسٹر ایم،۔۔۔''

وہ اب تک شاک سے نکل آیا تھا۔ شاک اس بات کا نہیں تھا کہ وہ یہ سب کر رہی ہے۔ شاک اس بات کا تھا کہ وہ اپنی مرضی سے اُسکے اتنا قریب کھڑی ہے۔ حدید کے دونوں ہاتھ جو پہلو میں گرے ہوئے تھے۔ نوال کی کمر کے گرد آئے۔ اور اُسے مزید خود سے قریب کرتے ہوئے بولا۔۔۔

''میں اتنا کمزور نہیں ہوں۔ جسکو تم یوں انگلیوں پہ نچا کر جان چھڑا لوگی۔ تمہاری آج کی حرکت نے تمہاری باہر لان میں آنے کی آزادی بھی چھین لی ہے۔ اس سب میں تم نے مجھے دُکھ دیا ہے۔ مجھ سے بھاگنے کے چکر میں تم اپنے معیار سے کتنا نیچے آ رہی ہو۔ کیا میں اتنا بُرا ہوں۔ تم مجھ سے جان بچانے کی خاطر اُس عیسائی کا منہ چومنے والی تھیں۔''

حدید کے الفاظ کی گہرائی نے جھٹکا لگایا۔

نوال کی ٹانگوں نے وزن اُٹھانے سے انکار کر دیا۔ اگر وہ اُسکو تھامے ہوئے نہ ہوتا تو وہ نیچے گھاس پہ گرتی۔ اُسکا پیشانی زپ کھلی جیکٹ سے نظر آتی سفید ٹی شرٹ پہ رکھی تھی۔

''تم میری مشکل آسان کیوں نہیں کر دیتے۔ مجھے یہاں سے جانے دو۔ تم بہت اچھے ہو۔ اور میں تمہارے قابل نہیں ہوں۔ تم ایک مکمل انسان ہو۔ تمہیں اپنے جیسی کوئی مکمل لڑکی مل جائے گی۔ ایک ادھورے وجود کو اپنے خوبصورت گھر میں سجا کر اس خوبصورتی کو ماند کیوں کرنا چاہتے ہو۔''

سرگوشیوں میں بولے وہ الفاظ صرف حدید نے نہیں سُنے تھے۔ بلکہ حدید کی پُشت پہ آ کر کھڑی سعدیہ نے بھی سُنے تھے۔ اور آنسوؤں میں ڈھلی اُس درخواست نے دل پہ ایسا گھونسا مارا کہ بے اختیار آنسو نکل آئے۔

''ٹھیک ہے۔ میں تمہارا مطالبہ مان لیتا ہوں۔ یہاں سے جانا چاہتی ہو۔ چلی جاؤ۔۔ میں نہیں روکوں گا۔''

نوال نے ایک دم اپنا چہرہ اُٹھا کر اُسکی آنکھوں میں دیکھا۔۔

''کیا تم سچ کہہ رہے ہو؟۔۔''

''ہاں۔۔۔ مگر اُسکے لیے تمہیں میری صرف ایک بات ماننی پڑے گی۔''

''ہر بات مانوں گی۔۔ بتاؤ۔۔ کیا چاہتے ہوں۔''

وہ اپنے اور اُسکے درمیان فاصلہ پیدا کرتی اپنا چہرہ پونچھتے ہوئے جوش سے بولی۔۔

''میرے ساتھ نکاح کرلو۔''

نوال کا سارا جوش مر گیا۔

''کیا کہہ رہے ہو۔''

''وہی جو تم سُن رہی ہو۔ نکاح کرلو۔ اُسکے بعد جہاں جانا چاہو جاؤ۔ میں کبھی تمہیں منع نہیں کرونگا۔ کبھی حق نہیں جتاؤنگا۔ نکاح نامہ پہ سائن کرتے ہی تمہیں مانچسٹر کا ٹکٹ مل جائے گا۔''

''یہ کیسی آزادی ہوئی؟۔۔ کیوں کروں میں تم سے نکاح۔۔۔ تم ابھی میرا جینا حرام کر رہے ہو۔ نکاح کے بعد کیسے مجھے میرے حال پہ چھوڑ دو گے۔''

''اگر تمہیں میری بات کا یقین نہ آئے تو میں لکھ کر دینے کو تیار ہوں۔

"تم مجھے اتنا گرا ہوا سمجھتے ہو کہ میں اُس شخص سے شادی رچاؤنگی جسکو میں اپنا دوست مانتی ہوں۔"

نوال کے چہرے پہ صدمے سا صدمہ تھا۔

وہ اُسی نرم مزاجی سے بولا۔۔۔

"نوال زہرہ میں تمہارا دوست نہیں ہوں۔ کیونکہ تم میرے بارے میں کُچھ بھی نہیں جانتی ہو۔ تم تو میرے اصل نام سے بھی واقف نہیں ہو۔ یہ بات تم خود مان چُکی ہو۔ نوال محمد حقیقت نہیں تھا۔ بلکہ تمہارا قُرب پانے کے لیے فرضی کردار تھا۔"

نوال کی آنکھوں میں اُداسی سی اُداسی تھی۔

"مجھے محمد بہت عزیز تھا۔ تمہارا مذاق ٹھہرا مگر زندگی میں وہی میرا دوست بنا تھا۔"

"مجھے اس بات کا افسوس رہے گا۔ مگر میں حقیقت نہیں بدل سکتا۔ جو سچ ہے۔ وہی سچ ہے۔"

"تمہیں محمد بننے کی ضروت کیوں محسوس ہوئی۔ کیوں میری زندگی میں آئے؟۔۔"

وہ کئی پل صرف اُسکو دیکھتا رہا۔ پھر نظر پھیر کر دور اُفق میں دیکھتے ہوئے گہرا سانس کھینچا۔

"تمہیں شائد یاد نہیں ہوگا۔ پر گرمیوں کی ایک شام تمہارے دروازے پہ ایک میٹر ریڈر نے دستک دی تھی۔ جس کی ساری داڑھی سفید تھی۔ سانولا رنگ مگر آنکھیں نیلی تھیں۔ اُس بُڈھے نے تمہارے چہرے پہ پڑے نیل کو دیکھ کر بہت سے سوال کئیے تھے۔"

نوال کی آنکھیں حیرت سے پھیلیں۔۔۔

"وہ۔۔۔؟۔۔۔ت۔۔"

"وہ میں ہی تھا نوال۔۔۔ لیلٰی کو تجسس تھا۔ اُسکا شوہر فل وقت اُسکے ساتھ کیوں نہیں رہتا۔ تمہیں وہاں دیکھ کر میں ایک دم سے فیصلہ نہ کر پایا کہ اب کیا کرنا ہے۔"

"تم نے مجھ سے پرسنل لیول کے سوال کئیے تھے۔ میرے شوہر کا نام کیا ہے؟۔۔ کتنے عرصے سے میں اُس گھر میں رہ رہی ہوں۔ میرا تعلق کہاں سے ہے۔ بظاہر تم پیڈ پہ کُچھ لکھ رہے تھے۔ مگر مجھے کہیں نہ کہیں لگا ضرور تھا کہ ایک میٹر ریڈر کو یہ سب سوال کیوں پوچھنے کی کیا ضرورت ہے۔ مگر میری اب ثابت ہوگیا۔ وہ میری بیوقوفی

تھی۔ مجھے کسی سوال کا جواب نہیں دینا چاہیے تھا۔ بلکہ تمہیں باہر دھکیل کر دروازہ بند کر دینا چاہیے تھا۔"

"تمہاری طرح میں بھی پچھتاتا ہوں۔ مجھے بھی خاموشی سے نہیں بیٹھنا چاہیے تھا۔ کم از کم لیلیٰ کو سب سچ بتا دینا چاہیے تھا۔ تو شائد اس خطرناک کھیل کا انجام وہ نہ ہوتا جو ہوا ہے۔"

"محمد کیوں بننا پڑا؟۔۔۔"

"تاکہ روز تمہیں دیکھ سکوں۔ تمہارے ساتھ باتیں کر سکوں۔"

"کیوں؟۔۔۔" "تم جانتے تھے۔ میں شادی شدہ ہوں۔ پھر کیوں؟۔۔"

"کچھ باتیں انسان کی سمجھ بوجھ اختیار سے باہر کی ہوتی ہیں۔ مجھے تم نے اپنی طرف اس قدر شدت سے کھینچا تھا۔ مجھے تم تک آنے کا کوئی نہ کوئی راستہ ڈھونڈنا ہی تھا۔"

"میں اس قسم کی فضولیات پہ یقین نہیں رکھتی ہوں۔"

"تو پھر کیوں اُس شخص کے حقیقت سامنے آتے ہی تم نے اُسکو چھوڑ نہیں دیا۔ اُس دن ٹاؤن میں میکڈونلڈ پہ تم نے لیلیٰ کو اُسکے شوہر اور بچے کے ساتھ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ اتنا بڑا دھوکا کھا کر بھی تم پیروں پہ قائم رہیں کیوں؟۔۔"

"کیونکہ مجھے بہت پہلے سے علم تھا۔ نہ وہ مجھے پسند کرتا ہے۔ نہ اُسکو مجھ سے محبت ہے۔ وہ مجھے میرے منہ پہ اتنی دفعہ رد کر چکا تھا۔ اُس نے میرا اعتماد اتنا ختم کر دیا تھا۔ کہ مجھے اب ہر حال میں ہر بات پہ اپنا ہی قصور نظر آتا تھا۔ اُس دن مجھے اپنے اندر تھوڑا سکون اُترتا محسوس ہوا۔ کہ چلو آج ہر قصور صرف میرا نہیں رہا۔ وہ اپنے حصے کی زندگی جی رہا ہے۔ آج کے بعد مجھے اس احساس سے پل پل مرنا نہیں پڑے گا کہ میری وجہ سے یہ شخص اولاد جیسی نعمت سے محروم ہے۔"

"تم نے اپنا کیوں نہیں سوچا؟۔۔ اُسکا گریبان کیوں نہیں پکڑا۔۔"

"تم نہیں سمجھو گے۔ میں اُس پہ بوجھ تھی۔ وہ مجھ پہ بوجھ نہیں تھا۔ بیوی شوہر کے ساتھ انکنڈیشنل محبت میں گرفتار ہوتی ہے۔ شوہر یہ زحمت نہیں کرتا ہے۔ بیوی اُسکے ایک سو ایک عیب دیکھ کر بھی گزارا کرتی ہے۔ شوہر ایک عیب برداشت نہیں کرتا۔ ہمارے معاشرے میں عورت کو اتنا مقام حاصل نہیں ہے۔ جہاں اُسکو برابری کے

حقوق میسر ہوں۔ اگر مرد بد کردار نکلے۔ جھوٹا ہو۔ دھوکے باز نکلے تب بھی کسی نہ کسی طرح الزام عورت پہ ہی آتا ہے۔ مرد کے لیے کلین چٹ تیار ہے۔ بڑے آرام سے کہہ دیا جاتا ہے۔ اگر اس آدمی کی بیوی میں دم ہوتا۔ یہ کسی اور جانب دیکھ جاتا اسکا تو سوال ہی پیدا نہیں ہونا تھا۔ باہر کے ممالک میں آزاد زندگی گزارنے والے مرد یہاں کی عورت پہ اپنے ملک کی عورت کو ترجیح کیوں دیتا ہے؟ صرف اس لیے کہ اپنی عورت مرتی مر جائے گی۔ کبھی منہ توڑ جواب نہیں دے سکے گی۔ اور جب وہ اپنے لیے کھڑا ہونا سیکھ جاتی ہے۔ وہی دنیا کی سب سے بری عورت سمجھی جاتی ہے۔ عورت جانتی ہے۔ مرد جب جب جھوٹ بولتا ہے۔ وہ جانتی ہوتی ہے۔ جھوٹ بول رہا ہے۔ مگر اُسکو اپنے آپ کو غافل ثابت کر کے بڑی خوشی ملتی ہے۔ مجھے دیکھو تو سہی اپنا حق وصول کرنے کی کیا سزا ملی ہے۔ مجھ سے میرا مرکز چھین لیا گیا ہے۔ میرے ماں باپ زندہ ہوتے تو شائد میں اتنا سب خاموشی سے برداشت نہ کرتی۔"

"یہی سوچ غلط ہے۔ تمہیں اپنے آپ کو اہمیت دینی چاہیے تھی۔ جس رشتے میں پہلے دن سے ہی اعتماد، عزت اور سکون نہ ہو۔ اُسکو کھینچنے کی بجائے وہیں ختم کر دو۔ دوسری صورت میں وہ تعلق کم اور کینسر زیادہ بن جاتا ہے۔ ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ آپ کو پہلے دن سے اہم نہ مانا گیا ہو۔ اور آپ دن رات کی خدمت سے کسی کا دل جیت لو۔ نہیں یہ صرف وصرف ایک خوابِ غفلت ہے۔ جس سے جو جتنی جلدی جاگ جائے اُتنا اچھا ہے۔"

"میں ایک مشن پہ تھی۔ باتوں میں لگا کر مجھے میرا مشن مت بھلاؤ۔"

"مجھے تمہاری ہٹ دھرمی پہ غصہ آتا ہے۔ بات پھر وہیں آکر ختم ہوتی ہے۔ کاش تم نے زندگی کو ہمیشہ ایسی بہادری سے جیا ہوتا۔ کاش تم اُس انسان کے سامنے ایک دفعہ تو کھڑی ہوئی ہوتیں۔"

نوال نے اپنا خاموش آنسو پونچھ ڈالا۔۔۔

"اس بات کا جتنا دُکھ مجھے ہے۔ تم جان بھی نہیں سکتے۔ میں روز اپنے بچے کو مرتا دیکھتی ہوں۔"

نوال کے لبوں سے ہچکی نکلی۔۔۔ اُس نے اپنے دونوں یوں پھیلائے ہوئے تھے۔ جیسے ہاتھ میں بچہ اُٹھا رکھا ہو۔ رندھی ہوئی آواز میں بولی۔۔

"مجھے اُسکا چہرہ نہیں بھولتا۔ ڈاکٹر نے مجھے دیکھایا تھا۔ جانتے ہو۔ اُسکا سارا جسم اتنی خوبصورتی سے ساخت

پا چکا تھا۔اُسکے باپ۔۔۔"

اُسکی ہچکیاں سعدیہ اوراُنکے بیٹے کے دل کے آر پار ہورہی تھیں۔

"اُسکے باپ نے اپنے بھاری جوتوں سے میرے پیٹ پہ ضربیں ماریں تھیں۔میرے بیٹے کے سر پہ چوٹ آئی تھی۔اُسکی دائیں آنکھ اور ماتھا سارا مسخ ہوگیا تھا۔وہ روئیں کے گالوں جیسا نازک وجود اتنا تشدد برداشت نہ کر پایا۔مجھے اُس شخص کے چہرے کی نفرت نہیں بھولتی۔وہ مجھ سے اتنی نفرت کیوں کرتا تھا۔؟مجھے میرے سوالوں کے جواب کون دے گا۔"

حدید نے اُسکے احتجاج کے باوجود اُسکے کانپتے روتے تڑپتے وجود کو اپنی آغوش میں لے لیا۔زور سے اپنے سینے میں بھینچ لیا۔

سعدیہ اپنی شال کے پلو سے آنکھیں رگڑتی ہوئیں وہاں سے ہٹ گئیں۔

وہ کتنی دیر تک روتی رہی۔اور وہ اُسکو تھامے کھڑا رہا۔اندر ہی اندر وہ مطمئن ہوگیا تھا۔گلیشیر پگھل گیا تھا۔

"میں ایک بات سوچ رہا ہوں۔"

اُسکے سینے سے بھنبھناہٹ کی آواز پہ نوال نے آنکھیں کھولیں۔۔۔تب اندازہ ہوا۔وہ کہاں اور کدھر موجود تھی۔

"کیا میں سوگئی تھی؟۔۔"

اُس نے سر اُٹھا کر اپنی رونے کے بعد نکھری ہوئی سُرخی مائل آنکھوں سے اُسکو دیکھا۔

"خراٹوں کی آواز سے تو یہی اندازہ ہوا تھا۔"

نوال اُسکی گرفت سے نکلی تو اُس نے ہاتھ ہٹا کر اُسکو جانے دیا۔

"پوچھو گی نہیں میں کیا سوچ رہا تھا۔"

وہ گھر کی جانب قدم بڑھاتے ہوئے بولی۔۔۔

"خود ہی بتا دو۔"

"ہمیں گھر کے اردگرد چاردیواری بنانی پڑے گی۔"

وہ ایک پل کو تھمی اُلجھن بھری نظروں سے مُڑ کو اسکو دیکھا۔۔

"ہمیں؟۔۔۔"

"ہاں ہمیں۔۔۔"

نوال نے دو چار پل سوچا پھر بولی۔۔۔

"کیا تم اپنے وعدے پہ قائم ہو؟۔۔"

حدید جیکٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑا ایک دم ساکت ہو گیا۔

"کیا تم ہاں کر رہی ہو؟۔۔۔"

"کر بھی سکتی ہوں۔"

وہ آگے بڑھ رہی تھی جب وہ بولا۔۔۔

"ایک منٹ رکو۔۔۔"

وہ رک گئی۔۔۔

"گریس ڈلیوری کے بعد امریکہ اپنے بیٹے کے پاس چلی جائے گی۔"

دونوں ہی خاموش کھڑے رہ گئے۔نوال کے الفاظ کھو گئے تھے۔اور حدید کو یہ خاموشی حد سے زیادہ بھلی معلوم ہو رہی تھی۔

نوال پلک جھپکائے بغیر گھر کی عمارت کو دیکھ رہی تھی۔اور وہ اُسکو۔۔۔

"بچوں کے برتھ سرٹیفکیٹ پہ گریس کا نام ہی ہوگا۔مگر اُنکی زندگی میں ماں کا رول تمہارا ہوگا۔گریس اس کام کے لیے راضی ہی اسی صورت میں ہوئی تھی۔کہ کبھی بھی بچوں کہ ذمہ داری اُس پہ نہیں ڈالی جائے گی۔اور میں اُسکی اس خواہش کی تاعمر عزت کرنا چاہتا ہوں۔گریس قانونی طور پر بچوں کی کسڈٹی تمہارے اور میرے نام لکھے گی۔اسکے ساتھ ساتھ عدالت کے سامنے وہ اپنا بیان بھی جمع کروائے گی۔کہ اُسکا ان بچوں پر کوئی حق ہے۔نہ ان بچوں کا اُس پہ کوئی حق ہے۔وہ راضی خوشی اُنکو تمہارے حوالے کر رہی ہے۔بچوں کی قانونی ماں تم ہی ہوگی۔اس سارے پراسس کے لیے ضروری نہیں ہے کہ ہم آپس میں شادی کریں۔پر میری ذاتی خواہش یہی ہے۔جب

ہم لوگ عدالت سے کسٹڈی لیں۔تب ہم دونوں وہاں پر میاں بیوی کی حیثیت سے موجود ہوں۔عدالت سے ملنے والے سرٹیفکیٹ پہ بچوں کے ماں باپ کے خانے میں تمہارا میرا نام ہو۔''

نوال کی ابھی تک اُسکی جانب پُشت تھی۔وہ اس آدمی کو سمجھ نہ پائی تھی۔اور اب مزید لڑنا نہیں چاہتی تھی۔

''گھر کے اردگرد چار دیواری کیوں بنانا چاہیے؟۔۔''

اُس کے اچانک سوال پہ حدید کے لب دلکشی سے پھیلے۔۔۔

''پہلے میں اکیلا تھا۔سکیورٹی کی اتنی فکر نہیں تھی۔مگر اب فیملی کے لیے تھوڑی تبدیلیاں کرنی پڑیں گی۔میں اپنا سٹوڈیو تہہ خانے میں لے جاؤنگا۔اور سٹوڈیو کی جگہ بچوں کی نرسری بن جائے گی۔''

''اگر میں واپس مانچسٹر جانا چاہوں تو؟۔۔۔''

''مشکل ضرور ہوگا۔ناممکن نہیں۔۔۔کیونکہ گھر اینٹوں اور سیمنٹ کی عمارت سے نہیں بنتا۔گھر فیملی سے بنتا ہے۔جہاں تم چاہوگی۔میں وہیں گھر بنا دونگا۔''

''اگر بچوں کی کسٹڈی لینے کے بعد میں نے تمہیں چھوڑ دیا تو؟۔۔۔''

وہ دھیرے سے ہنسا۔۔۔

''مجھے نہیں لگتا ایسا کُچھ ہوگا۔''

وہ اب بھی اُسکی جانب نہیں دیکھ رہی تھی۔

''مجھے تم سے نکاح کر کے گھر ملے گا۔بچے ملیں گے۔بنیادی طور پہ وہ سب کُچھ ملے گا۔جو میرے پاس نہیں ہے۔مگر تمہیں کیا ملے گا؟۔۔''

وہ ٹھہری ہوئی آواز میں بولا۔۔۔

''مجھے وہ ملے گا۔جو میرے پاس نہیں ہے۔''

''تمہارے پاس تو پہلے سے ہی سب کُچھ ہے۔''

''میرے پاس محبت نہیں ہے۔مجھے میری محبت ملے گی۔''

"محبت کے پیچھے نہیں بھاگنا چاہیے۔محبت سوائے غم کے اور کُچھ نہیں دیتی۔۔۔''

”محبت غم دے یا خوشی دونوں سر آنکھوں پر۔۔۔“

”جسکو تم محبت سمجھ رہے ہو۔وہ ہمدردی اور ترس کے سوا کُچھ بھی نہیں ہے۔انسانی فطرت میں یہ بات شامل ہے۔جو جتنی مشکل سے حاصل ہو اُسکا جنون اُتنا ہی سر چڑھ کر بولتا ہے۔پر ایک دفعہ حاصل ہو جائے محبت کا سارا بُخار اُتر جاتا ہے۔جس دن ہمارا نکاح ہوگا۔اُسی دن تمہیں ایک اسٹامپ پیپر پہ حلفیہ لکھ کر دینا پڑے گا۔جب تمہیں یہ علم ہو جائے تمہیں مجھ سے محبت نہیں تھی۔اور تم نکاح توڑنا چاہو اس صورت میں تم مجھ سے بچے واپس نہیں لو گے۔اور اگر تمہیں ذرا سا شک بھی ہے کہ ایسا دن آسکتا ہے۔تو ہم اس کھیل میں پڑیں گے ہی نہیں۔ ویسے جو کُچھ آج دیکھ چکے ہیں اُسکی بنیاد پہ مجھے نہیں لگتا تمہارے ماں باپ اپنی آنے والی نسل کی ذمہ داری میرے ہاتھ میں دیں گے۔یہ ساری سر درد تمہاری ہے۔اگر میری آزادی کی قیمت تمہارا میرا نکاح ہے۔تو یہی سہی۔۔۔ایک آخری سوال۔۔۔

پوچھو۔۔۔

تمہارا اصل نام کیا ہے؟

میرا نام محمد حدید احمد ہے۔

تو اسکا مطلب ہے۔محمد پوری طرح کھویا نہیں ہے۔کہیں نہ کہیں موجود ہے۔پر مجھے شمیم بہت یاد آئے گی۔

وہ منگنی دادا جان؟

”سب جھوٹ تھا۔۔۔“

کاش ایسا نہ ہوتا۔

وہ اپنی بات مکمل کر کے متوازی قدم اُٹھاتی آگے بڑھ گئی۔

وہ تب تک اُسکو دیکھتا رہا جب تک وہ دروازے کے پیچھے بند نہیں ہوگئی۔جو گفتگو سعدیہ کے کان پڑی تھی۔ وہ لفظ بالفظ اپنے شوہر اور بیٹی تک پہنچا دی ساتھ ہی اپنا فیصلہ سُنا دیا۔احمد کی شادی نوال سے ہی کرونگی۔

☆......☆......☆

وہ سیٹنگ روم کے کارپٹ پر فلور کُشن پہ بیٹھی ہاتھ میں پکڑے گریس کے فون کی سکرین پہ موجود میسج کو بار بار

پڑھ رہی تھی۔ کھلے پیلے رنگ کے سوٹ میں اُسکا صحت مند چہرہ دمک رہا تھا۔ نہ آنکھوں کے گرد ہلکے تھے۔ ہی چہرے پہ اُداسی تھی۔

گریس نے اُسکو دیکھا اور ہنستے ہوئے بولی۔۔۔

''اتنا جو اُسکے میسج پڑھنے کا شوق ہے۔ تو خود کیوں نہیں اُسکو میسج کر لیتیں۔ ہر روز میرے فون کو گھور رہی ہوتی ہو۔ اگر تمہارے پاس اُسکا نمبر نہیں ہے۔ تو مجھ سے لے لو۔''

گریس کی بات پہ نماز پڑھ کر کمرے میں آتی سعدیہ کے لبوں پر بھی مسکراہٹ دوڑ گئی۔

''ہم بھی دیکھتے ہیں۔ گریس یہ لوگ کب تک نہ ایک دوسرے سے بات کریں گے۔''

''آپ دونوں کی غلط فہمی دور کر دوں۔ ہماری بات چیت ہوتی رہتی ہے۔''

''اگر ایسا ہے تو وہ گھر کیوں نہیں آتا؟۔۔''

گریس کے سوال پہ شرمندہ نہ نظر آنے کی پوری کوشش کرتے ہوئے نوال نے کہا۔۔۔

''ہاں تو وہ پہلے بھی زیادہ تر گلاسگو میں ہی رہتا تھا۔''

''پر یہاں آتا جاتا تو رہتا تھا۔ جس دن سے تم دونوں کا نکاح ہوا ہے۔ اُس نے یہاں آنا بند کر دیا ہے۔ بھلا کتنا وقت ہوا تمہارے نکاح کو؟۔۔''

گریس کے سوال پہ اُس نے نظریں چُراتے ہوئے زیرِ لب سرگوشی کی۔۔۔

''ساڑھے تین ماہ۔۔۔''

''سعدیہ جی آپ کو نہیں لگتا دونوں کے درمیان کوئی ناراضگی چل رہی ہے۔''

''ان کا کوئی پتہ نہیں چلتا گریس۔۔۔ جیسے ایک دم سے سارے اختلافات بُھلا کر ایک ہو گئے ہیں۔ میں تو ابھی تک اللہ کا شکر ادا کرتی ہوں۔ اب تو نوال کے پہل کرنے کی بات ہے۔ وہ کہتا ہے۔ نوال سمجھتی ہے۔ میں نے اس پہ ترس کھا کر نکاح کیا ہے۔ اب تب ہی اس گھر میں آؤنگا۔ جب یہ خود اُسے بُلائے گی۔''

''نوال پھر کب فون کر رہی ہو؟۔۔''

''ہر روز آپ دونوں کو بات کرنے کو ایک ہی موضوع کیوں ملتا ہے۔ دنیا میں نوال احمد کے علاوہ بھی بہت

سے مسائل ہیں۔جن پر بات کی جاسکتی ہے۔"

"بھئی ہمیں تو یہی موضوع پسند ہے۔"

سعدیہ نے پیار بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔۔

نوال نے نفی میں سر ہلایا۔۔۔اور وہاں سے اُٹھ گئی۔

سعدیہ نے دھیرے سے ہنستے ہوئے حکم دیا۔

"آج لنچ میں سندھی بریانی بنوالو۔۔۔"

"میں خود بنا دیتی ہوں۔"

"ہاں یہ بھی ہے۔اس طرح سے تمہارا ذہن مصروف رہے گا۔ورنہ تو چار منٹ بعد پھر آ کر میرے فون پہ آئے حدید کے میسج دیکھو گی۔"

گریس نے چڑاتے ہوئے کہا تھا۔نوال نے خود کو کوسا۔۔۔

ربیکا کو سامان تیار کرنے کا بول کر خود اپنے کمرے میں آگئی۔

اُسکو بیگ تیار کرنا تھا۔گریس کی ڈیو ڈیٹ گزر چکی تھی۔چونکہ گریس کا سی سیکشن ہونا تھا۔جسکے لیے ڈاکٹر نے صبح چار بجے کا وقت دیا ہوا تھا۔

پچھلے ایک ماہ میں اُس نے سعدیہ آنٹی کے ساتھ مل کر بچوں کے لیے شاپنگ کی تھی۔سکین کے ذریعے اُنکو خبر ہو چکی تھی۔آنے والے مہمانوں کا جنڈر کیا ہے۔

الماری کا دروازہ کھول کر سٹول کھینچ کر بیٹھ گئی۔

دو الگ بے بی بیگ برآمد کیئے۔۔۔الماری کے دونوں خانوں میں بچوں کے کپڑے لٹک رہے تھے۔ایک طرف نوال کے لباس تھے۔دوسری طرف حدید کے۔۔۔دونوں خانوں کی بچی کُچی جگہ بچوں کی چیزوں نے سمیٹی ہوئی تھی۔

ایک جیسے زیرو سائز کے کپڑے۔۔مختلف رنگوں میں تھے۔وہ ایک ایک کر کے ہینگر سے نکالتی۔۔۔پیار سے چومتی پھر تہہ لگا کر بیگ میں رکھتی۔اسی طرح اُس نے ساری پیکنگ مکمل کی۔چھوٹے چھوٹے موزے،ببیں،

فیڈر۔۔ٹوپیاں کمبل۔۔۔دونوں بیگ تیار کر کے دروازے کے پاس رکھے۔

نیچے گریس کے کمرے میں جا کر اُسکا بیگ تیار کیا۔

آج تو یقیناً وہ آئے گا۔ پتا نہیں اب عین وقت پہ آتا ہے۔ یا پہلے آئے گا۔ جیفری سے پوچھتی ہوں۔اگر پہلے آ رہا ہے۔تو کھانے میں اہتمام کر لونگی۔آنا تو اُسکو پہلے ہی چاہیے۔"

اپنی سوچوں میں غلطاں اُس نے ربیکا کے ساتھ مل کر بریانی بنائی۔

ڈنر لگا دیا۔مگر وہ نہ آیا۔

سعدیہ نوٹ کر رہی تھی۔آج وہ کچھ زیادہ ہی خاموش تھی۔ورنہ کوئی نہ کوئی بات کرتی رہتی۔

"نوال۔۔۔"

اُس نے چونک کر پلیٹ سے سر اُٹھایا۔۔۔

"جی۔۔۔؟۔۔"

"تم کھانا کیوں نہیں کھا رہی ہو؟۔۔۔"

اُس نے گھبرائی ہوئی نظروں سے اُنکو دیکھا۔۔۔

مگر گریس کی موجودگی کا خیال کر کے ٹال گئی۔

"مجھے اتنی بھوک محسوس نہیں ہو رہی ہے۔شام میں دو سینڈوچ جو کھا لیے تھے۔

"نوال بریانی بڑی اچھی بنی ہے۔"

"شکریہ گریس ابھی ہی کھا لو کیونکہ دس بجے کے بعد تمہیں کچھ کھانے پینے کی اجازت نہیں ہے۔بس وہ دو گولیاں لینی ہیں۔جو ڈاکٹر نے دی ہیں۔"

"ہاں مجھے یاد ہے۔ایسا کرو تھوڑی سی بریانی اور ڈال دو۔میں تم سے ریسیپی لکھوا کر لے جاؤنگی۔مجھے یقین ہے۔اتنی اچھی تو نہیں بنا سکوں گی۔پر اپنے بیٹے کے لیے بناؤنگی۔"

"گریس اگر تم کوشش کرو تو ایسی بنانا بھی سیکھ جاؤ گی۔آخر ربیکا کی مثال تمہارے سامنے ہے۔"

"ربیکا تو پروفیشنل کک ہے۔میں تو بس گزارے لائق بنا لیتی ہوں۔"

نوال کے پیٹ میں بالکل گنجائش نہ بن رہی تھی۔انگزائٹی کی وجہ سے دل ڈوبتا محسوس ہورہا تھا۔جب گریس سونے کے لیے چلی گئی۔تب وہ دبے پاؤں سعدیہ کے کمرے میں آئی۔جوفون پہ مصروف تھیں۔

ایک پل کونوال کی دھڑکن تھمی کیا فون پہ وہ تھا؟۔۔پراگلے پل فری کا نام سُن کر مایوسی ہوئی۔وہ سعدیہ کے فارغ ہونے کے انتظار میں خاموشی سے بیڈ کی پائینتی پہ ٹک گئی۔

"فری چھٹیوں میں بچوں کو لے آؤ۔میں تو کُچھ عرصہ گھر سے نکل نہیں پاؤنگی۔تمہیں بھی گلاسگوآئے ساڑھے تین ماہ ہوگئے ہیں۔"

"بڑی بات ہے امی آپکو اتنی اچھے سے یاد ہے۔میں کب گلاسگوآئی تھی۔"

"ہاں آج نوال کے نکاح کی بات ہورہی تھی۔تب ہی مجھے یاد رہ گیا۔"

"نوال تو آج بہت خوش ہوگی۔"

سعدیہ نے ایک نظر نوال پہ ڈالی۔۔۔

"خوش ہی ہونا چاہیے مگرآج پریشان لگ رہی ہے۔"

"پریشان کیوں؟۔۔"

"پتانہیں لوتم خود ہی پوچھ لو۔۔۔"

نوال نے چونک کرسعدیہ کا بڑھا ہوا ہاتھ دیکھا۔۔

"فری سے بات کرلو۔۔"

"فری اورنوال کے درمیان ابھی تک کوئی خاص بے تکلفی نہیں ہوئی تھی۔اجنبیت ہنوز برقرار تھی۔

نوال نے جھجکتے ہوئے فون لیکر کان سے لگایا۔

"اسلام علیکم۔۔۔"

"وسلام نوال کیسی ہو؟۔۔"

"میں ٹھیک ہوں۔تم سُناؤ بچے کیسے ہیں۔"

"سارے ٹھیک ہیں۔کل گرمیوں کی چھٹیوں کا آغاز ہورہا ہے۔اسلیے بڑے خوش ہیں۔"

"چھٹیوں میں ادھر آجاؤ۔ ہمارے گھر میں بڑی خاموشی رہتی ہے۔"

سعدیہ کا دل اندر تک سرشار ہوگیا تھا۔ آج پہلی دفعہ نوال نے ہمارے گھر کا حوالہ دیا تھا۔ ورنہ وہ کبھی کسی چیز میں کسی بات میں کسی رشتے میں یہ تاثر نہیں دیتی تھی۔ کہ یہ سب اُسکا ہے۔ وہ یہی ظاہر کرتی جیسے کسی غیر کے ہاں موجود ہو۔ اور ایک دن یہاں سے چلی جائے گی۔

"گریس کو میری طرف سے بیسٹ آف لک بول دینا۔ میں دُعا کرونگی۔ سب خیر خیریت سے ہوجائے۔"

"بہت شُکریہ فری۔۔۔"

"نوال جب تم شکریہ ادا کرتی ہو۔ تو مجھے احساس ہوتا ہے۔ تم نے ابھی تک ہمیں اپنا نہیں سمجھا۔۔۔"

"فری پلیز مجھے شرمندہ نہ کرو۔"

"اچھا بس اب ہم فضول موضوع کی جانب جا رہی ہیں۔ حدید تو آج ادھر ہی ہوگا۔"

نوال کو اُداسی نے گھیرا۔۔۔ مگر آواز کو جذبات سے صاف رکھتے ہوئے بولی۔۔

"نہیں وہ ابھی تک تو نہیں آیا ہے۔"

"اُسکا کوئی بھروسا تھوڑی ہے۔ ہوسکتا ہے۔ عین تم لوگوں کے جانے کے وقت ٹپکے۔"

"ہاں ہوسکتا ہے۔"

"اچھا اب تم بھی تھوڑی نیند لے لو۔ کیونکہ کل سے تمہاری نیند ڈسٹرب ہونے والی ہے۔ میرے سے تو انتظار کرنا مشکل ہو رہا ہے۔ دل کر رہا ہے۔ جلدی سے دن چڑھے اور میں چھوٹے چھوٹے شہزادوں کو دیکھوں۔ خوشی سے مجھے آج نیند بھی نہیں آنی ہے۔ جیسے ہی گھر سے نکلو مجھے میسج کر دینا۔"

"ہاں ضرور انشااللہ۔۔۔ تم دُعا کرنا۔"

"یہ بھی کوئی کہنے والی بات ہے۔"

فون بند ہوگیا۔ نوال نے گہرا سانس خارج کرتے ہوئے اپنے اندر ڈوبنے والے احساس سے جان چھڑانا چاہی مگر کوئی خاص فرق نہیں پڑا۔۔

"نوال۔۔"

"جی آنٹی۔۔۔"

"بیٹی کیا بات ہے۔آج اتنی چُپ چُپ کیوں ہو؟۔۔"

"آنٹی مجھے بڑا ڈر لگ رہا ہے۔کہیں کُچھ بُرا نہ ہو جائے۔گریس کی عمر بھی کافی ہے۔"

"مجھے اپنے اللہ پہ یقین ہے۔وہ سب بہتر ہی کریں گے۔گریس کی عمر کو دیکھتے ہوئے میں بھی تحفظات کا شکار تھی۔مگر ماشاللہ سے اُسکی صحت اچھی ہے۔ڈاکٹر پوری طرح مطمئن ہیں۔اسلیے تم دو رکعت نفل پڑھ کر دُعا کرو۔اور سب اللہ پہ چھوڑ دو۔"

نوال نے اثبات میں سر ہلایا۔اور نظر وال کلاک پہ ڈالی۔۔۔ساڑھے گیارہ ہو رہے تھے۔

"آپ سو جائیں۔میں صبح ایک دو بجے کا آلارم لگا دیتی ہوں۔آپکو بھی اُٹھا دونگی۔"

"خود بھی آرام کرو۔"

"جی اچھا۔۔"

"شب بخیر۔۔"

وہ اُنکے لیٹ جانے کے بعد بتی بند کرتی باہر نکل آئی۔

اپنے کمرے میں جانے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔

کچن میں جا کر اپنے لیے کافی بنائی۔۔وہیں میز پہ بیٹھ کر نیم تاریکی میں باہر لان میں دیکھتے ہوئے پینے لگی۔

پچھلا لان اب تاحدِ نگاہ نہیں پھیلا تھا۔بلکہ لکڑی کی مضبوط باڑ نے کھیتوں کا نظارہ بند کر دیا ہوا تھا۔ایک کونے میں بچوں کا پلے گراؤنڈ بنایا گیا تھا۔جس میں سی سا، پینگیں، منکی بارز وغیرہ شامل تھے۔

ایک کے بعد دوسرا کپ پی گئی۔مگر جسکا انتظار تھا۔وہ جانے کہاں رُک گیا تھا۔بارہ بجے فون کی بیل ہوئی۔

دل میں ایک دم کھلبلی مچی۔۔۔جمپر کی جیب سے فون برآمد کر کے نمبر دیکھا۔

گلاسگو کے گھر کا نمبر تھا۔دل کی دھڑکن کانوں میں سُنائی دینے لگی۔ساڑھے تین ماہ بعد بلآخر اُسکو میرا نمبر ملانے کا خیال آ ہی گیا۔

دو تین گہرے سانس لیکر اپنے دل کو ذرا سنبھالنے کے بعد ہونٹوں پہ مسکراہٹ لیے اُس نے کال اُٹھائی۔

مگر دوسری طرف وہ نہیں تھا۔نوال کو لگا وہ رو دے گی۔

"اسلام و علیکم نوال بیٹی۔۔"

احتشام انکل کی کال تھی۔

"وعلیکم اسلام انکل آپ اس وقت جاگ رہے ہیں۔"

"بیٹی مجھے لگتا ہے۔سوائے ایک فرد کے ہماری فیملی کا ہر بندہ آج کی رات جاگ کر گزار رہا ہے۔"

"کس بندے کی بات کر رہے ہیں۔"

"اور کس کی بات کر سکتا ہوں۔ ہمارے گھر میں ایک ہی صاحب جی پائے جاتے ہیں۔جنکو آپ کے شوہر ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔"

نوال اپنی حیرت چھپا نہ پائی۔

"کیا وہ سو رہا ہے؟۔۔۔"

"جی ہاں آج آفس سے جلدی آ گیا تھا۔کھانا باہر سے پیک کروا لایا تھا۔دونوں نے ڈنر اکٹھے کیا۔اُسکے بعد سونے کے لیے چلا گیا تھا۔ابھی میں اُسکے کمرے سے ہو کر آیا ہوں۔خراٹے مارے جا رہے ہیں۔"

نوال نے خود کو تسلی دی۔

"آج جلدی اُٹھنا ہے۔اسی لیے ٹائم پہ سو گیا ہو گا۔"

"کیا کہا تم نے۔۔؟۔۔"

"کچھ نہیں انکل۔۔۔"

"اچھا تو پھر کس وقت ہسپتال کے لیے نکلنا ہے؟۔"

"انشااللہ ایک سوا ایک بجے تک چلے جائیں گے۔"

"ٹھیک ہے میں آ جاتا ہوں۔"

"نہیں آپ کیوں تکلف کریں گے۔جیفری ہے ناں وہ ہمیں لے جائے گا۔جو بھی پروگریس ہو گی۔ میں

آپکو بتاتی رہوں گی۔"

"بیٹی مجھے لگتا ہے۔گھر کے مرد کو خود ساتھ جانا چاہیے۔اسلیے میں آرہا ہوں۔"

وہ دل ہی دل میں بولی۔۔۔

"ابھی وقت ہے۔ مجھے یقین ہے۔ وہ پہنچ جائے گا۔ بھلا کیسے ہوسکتا ہے۔آج اتنے اہم دن پر وہ آرام سے سویا رہے۔"

"جیسے آپ مناسب سمجھیں۔۔میں گریس کو اُٹھا کر تیار ہونے کا بولتی ہوں۔اُتنی دیر آپ پہنچ جائیں۔۔"

"انشااللہ۔۔اللہ حافظ۔۔۔"

فون بند ہوگیا۔اُس نے میز پہ رکھے بازوؤں پر سر رکھ کر آنکھیں موندھ لیں۔چار منٹ تک یونہی بیٹھی رہی جب آلارم بجا۔۔۔آلارم بند کرتے ہوئے گریس کے کمرے کی جانب چل پڑی۔۔۔

"گڈ مارننگ بیوٹیفل۔۔۔"

ابھی نوال کمرے میں داخل ہوئی ہی تھی۔ جب گریس کی سوئی ہوئی آواز نے استقبال کیا۔

نوال دھیرے سے مسکرادی۔لائٹ جلائی۔۔۔

"تم سوئی نہیں ہوناں؟۔۔"

نوال نے نفی میں سر ہلایا۔۔۔۔

"ہو ہی نہیں سکتا آج مجھے نیند آجاتی۔۔"

"جسکا کل سے انتظار کررہی ہو۔وہ کدھر رہا؟۔۔"

"میں کسی کا انتظار نہیں کررہی ہوں۔"

"نوال تم جھوٹ بولنے میں بالکل فیل ہو۔تمہارے چہرے پہ یہ بڑا بڑا لکھا ہوا ہے۔"

"کیا لکھا ہوا ہے۔"

نوال نے ہاتھ کی پشت سے چہرہ رگڑا۔۔۔

گریس ہنستے ہوئے بولی۔۔

”ہاتھ سے یہ تحریر نہیں مٹنے والی۔۔میرا مشورہ لو اور اُسکو فون کرلو۔“

”ابھی بہت وقت ہے۔مگر تم بیڈ سے نکلو میں نے تمہارے کپڑے شاور میں لٹکا دئے تھے۔تیار ہو جاؤ۔“

نوال نے گریس کو اُٹھنے میں مدد دی۔جب گریس واش روم میں بند ہوگئی سعدیہ آنٹی کو اُٹھانے آ گئی۔مگر وہ پہلے سے تیار ہو کر جائے نماز پہ کھڑی ملیں۔نوال مسکراتی ہوئی اپنے کمرے کو بڑھ گئی۔

احتشام انکل نے ٹھیک کہا ہے۔۔آج ساری فیملی ہی جاگ رہی ہے۔اس بات کی تصدیق فری سے ملنے والے میسج نے بھی کردی۔اُس نے مختصر سا لکھا تھا۔

”نئی صبح مبارک۔۔“

نوال نے جلدی سے ٹائپ کیا۔

لو ہارٹ بھیجا ساتھ میں لکھا۔۔۔

”ہم لوگ تیار ہو رہے ہیں۔“

فوراً ہی جواب آ گیا۔

”فی امان اللہ۔۔۔“

جلدی سے شاور لیکر نوال نے کالی جینز کے اوپر براؤن لینن کا کُرتا پہنا۔بالوں کو پکڑ کر اونچی پونی میں قید کیا۔لائٹ سا کارڈیگن پہننے کے بعد گلے میں سکارف ڈالا اور بیگ میں اپنا فون چارجر وغیرہ رکھ کر سارا سامان لیکر نیچے آ گئی۔

جیفری انتظار میں کھڑا تھا۔

”میم باہر احتشام سر آپکو لے جانے آئے ہیں۔“

”شکریہ جیفری ذرا یہ سامان احتیاط سے گاڑی میں رکھ دو۔میں گریس کو لیکر آتی ہوں۔“

”گریس خود ہی آ گئی ہے۔تم اپنی ساس کی خبر لو۔“

اُسی وقت سعدیہ بھی نکل آئیں۔۔

”جس طرح سے تم نے ساس کا لفظ بولا ہے۔گریس مجھے اپنا آپ بڑا بوڑھا محسوس ہوا ہے۔حالانکہ میری

عمر ہی کیا ہے۔"

سعدیہ کی بات پہ نوال نے خوش دلی سے قہقہہ لگایا۔

تینوں خواتین احتشام صاحب کے ساتھ ہسپتال کو روانہ ہوئیں۔ نوال کو اندر ہی اندر اُمید تھی۔ وہ ضرور آئے گا۔ بھلا کیوں نہیں آئے گا؟۔۔"

وہ لوگ وقت پہ پہنچ گئے۔ گریس کو ٹیک کر لیا گیا۔ احتشام صاحب ہلکے پھلکے موڈ میں باتیں کر کے سب کی توجہ ہٹانے میں کامیاب رہے تھے۔

تھیٹر کی ٹیم گریس کو لینے آئی۔ فارم پہ سائن کیے۔ نوال کی نظریں تب بھی دروازے پہ لگی رہیں۔ تھیٹر کی ٹیم گریس کو لے گئی۔ نوال کو اُنہوں نے تھیٹر میں پہنے جانے والے کپڑے دیے۔ کیونکہ اگر وہ گریس کے ساتھ اندر آنا چاہتی تھی۔ تو اُسے تھیٹر کے سٹاف جیسا لباس پہن کر ہی اندر آنے دیا جا سکتا تھا۔

ڈھیلی سی نیلے رنگ کی شرٹ کے ساتھ ہم رنگ ٹراوزر سر پہ ٹوپی پیروں میں نیلن کے چپل جو نوال کے سائز سے بڑے تھے۔

نروس سی وہ تھیٹر میں داخل ہوئی۔ سارا کمرہ روشنیوں سے بھرا ہوا تھا۔ کوئی چھ سات لوگ مختلف جاب پہ لگے ہوئے تھے۔ ڈاکٹر گریس کی کمر میں انستھیٹک کا انجکشن لگا چکا تھا۔ لیڈی ڈاکٹر کی مددگار نرسیں سرجری کے اوزار ترتیب سے رکھ رہی تھی۔

میڈوائف نے نوال کو گریس کے سرہانے کی جانب بیٹھنے کے لیے ایک سٹول آفر کیا۔

نوال کے اپنے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ مگر سٹول پر بیٹھ کر اُس نے گریس کا ہاتھ مضبوطی سے اپنی گرفت میں لیا۔

جس پہ گریس ہنستے ہوئے بولی۔

"نوال او میری پیاری نوال تم اتنا گھبرا رہی ہو۔ تمہارا افق رنگ دیکھ کر مجھے اپنی فکر نہیں رہی۔ حوصلہ رکھو سب ٹھیک ہوگا۔ اور اگر مجھے کچھ ہو جائے تو وعدہ کرو تم میرے بیٹے کا خیال کرو گی۔"

نوال نے سختی سے سر نفی میں ہلایا۔

”گریس اس وقت مایوسی کا ایک لفظ برداشت نہیں کرونگی۔“

ڈاکٹر اور اُنکے درمیان پردہ اُٹھا دیا گیا۔

وہ دونوں باتیں کر کے ایک دوسرے کا دھیان بٹا رہی تھیں۔ جب یک دم کمرے میں بچے کے رونے کی آواز گونجی۔۔۔

نوال کی نظریں میکانکی انداز میں آواز کی جانب اُٹھیں۔۔۔

ڈاکٹر کی پُرسکون آواز آئی۔۔

”لگتا ہے۔لڑکے کے باپ کے بال کالے ہیں۔“

گریس دل سے قہقہہ مارتے ہوئے بولی۔۔۔

”باپ کے ہی نہیں لڑکے کی ماں کے بال بھی کالے ہیں۔“

نوال آنکھیں جھپکائے بغیر گلابی رنگ کے اُس وجود کو دیکھ رہی تھی۔ جسکو نرس تولیے سے صاف کر رہی تھی۔ مگر وہ برابر احتجاج کر رہا تھا۔آنکھیں بند کئے مٹھیاں بھینچے پورے زور سے اپنی آمد کا علان کر رہا تھا۔

دو چار سیکنڈ بعد دوسرے کی آواز سُنائی دے جانی چاہیے تھی۔نوال کا دل تھم رہا تھا۔ ہاتھ مزید تیزی سے کانپ رہے تھے۔اُس نے گریس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پریشانی سے سرگوشی کی۔۔۔

”دوسرا کیوں نہیں رویا۔۔۔؟۔۔“

اُسی پل قدرے باریک آواز کی چیخیں گونجیں۔۔۔

نوال کی آنکھوں میں روانی سے آنسو بھرنے لگے۔

”نوال مبارک ہو۔“

گریس کے الفاظ پہ نوال نے روتے ہوئے اُسکا منہ چوما۔۔۔

”تھینک یو سوچ گریس میں تمہارا شکریہ کیوں کر ادا کر پاؤنگی۔“

”پاگل مت بنو۔۔۔“

مِڈوائف نے بڑا بچہ لا کر گریس کے حوالے کرنا چاہا۔گریس نے صرف دور سے اُسکا چہرہ دیکھا۔ بچہ تھا منے

کے لیے ہاتھ نہیں بڑھایا۔ بلکہ مسکراتے ہوئے بولی۔

''یہ بچہ اسکی ماں کو دیں۔ سب سے پہلا حق اسی کا ہے۔''

مڈوائف نے کمبل میں لپٹا گل گوتھنا نوال کی جانب بڑھایا۔

وہ کئی پل اپنی برستی آنکھوں سے اُسکو دیکھتی رہی۔ جیسے اپنی آنکھوں پہ یقین نہ آ رہا ہو۔

بل آخر ہمت کر کے اُسکو گود میں اُٹھا ہی لیا۔

بچے نے اُسکی گود میں آتے ہی بھرپور انگڑائی لی۔ ساتھ ہی پٹ سے آنکھیں کھول دیں۔

نوال کی سانس تھم گئی۔ وہ گریس سے پوچھنے لگی۔

''کیا دنیا میں اس سے بڑھ کر خوبصورت کوئی لمحہ ہوگا۔''

گریس نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

''ہاں جب تم دونوں کو ایک ساتھ گود میں لوگی۔ وہ لمحہ بھرپور ہوگا۔''

بڑا بیٹا اور چھوٹی بیٹی تھی۔

مڈوائف نے بیٹی بھی کمبل میں لپیٹ کر نوال کے حوالے کر دی۔

اُسکو کمرے سے باہر بھیج دیا گیا۔

نوال نے باہر آ کر بچے سعدیہ اور احتشام کے حوالے کیئے اور خود واپس گریس کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ جسکی بینڈ یج وغیرہ کی جا رہی تھی۔

اُس نے نرم انگلیوں سے گریس کے بال سہلا کر پیشانی سے پیچھے کیئے۔

گریس اُسکے اس عمل سے بہت متاثر ہوئی تھی۔

''نوال تمہیں پہلے بھی کہہ چکی ہوں۔۔ اب پھر بتا دیتی ہوں۔ اگر میری بیٹی ہوتی تو وہ تقریباً تمہاری ہی ہم عمر ہوتی۔ تم اپنا اور بچوں کا بہت خیال رکھنا۔''

نوال نے اثبات میں سر ہلایا۔ اور بولی۔۔

''کیا تم سٹیون کو فون کرنا چاہو گی؟۔۔''

"اُف تم فون کی بات کر رہی ہو۔ میں جلد از جلد اُس تک پہنچنا چاہوں گی۔ کیا تم یقین کر سکتی ہو۔ پچھلے چار ماہ سے میں اپنے بیٹے سے نہیں ملی ہوں۔ اگر اُسکو علم ہو جائے ماں اس وقت کہاں اور کس حال میں موجود ہے۔ اُسکو حیرانگی کا جھٹکا لگے گا۔"

"تو کیا تم اُسکو بچوں کے بارے میں نہیں بتاؤ گی؟۔۔"

"بتاؤنگی۔۔ مگر آرام سے اگلے ماہ اُسکے امتحان ہیں۔ جنکے لیے میں اُسکو بے آرام نہیں کرنا چاہتی۔"

"ہاں یہ ٹھیک ہے۔ یا پھر میرے پاس ایک اور آئیڈیا ہے۔"

"وہ کیا؟۔۔"

"کیوں نہ ایسا کریں۔ جب تم امریکہ سٹیون کے پاس پہنچ جاؤ۔ اور اُسکے امتحان ہو چکیں۔ تو میں بچوں کو تم دونوں سے ملوانے لیکر آؤں۔"

"اس سے زبردست بات اور کیا ہو گی۔ پر نوال کیا تم واقعی میرے ساتھ رابطے میں رہنا چاہو گی؟۔۔"

"ہم اس پر بعد میں بات کریں گے۔ ابھی تو تم ٹھیک ہو جاؤ۔"

"میں نے مِڈ وائف سے پہلے ہی درخواست کی تھی۔ مجھے بچوں کے ساتھ ایک کمرے میں نہ رکھا جائے۔ سوری نوال تمہیں شائد میرا رویہ روڈ لگے۔ پر میں آرام کرنا چاہتی ہوں۔ اور اتنی چھوٹی عمر کے بچے ہر دو منٹ بعد روتے ہیں۔ بُرا مت منانا۔"

"نہیں بُرا منانے والی تو کوئی بات نہیں ہے۔ جیسے تم چاہو۔ مجھے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔"

"ایک بات اور۔۔۔ ابھی دن نکلتے ہی میری والدہ میرے پاس آجائے گی۔ اور پھر میں اُسی کے ساتھ اپنے گھر چلی جاؤنگی۔"

"نہیں گریس اس طرح تو تمہیں نہیں جانے دونگی۔ پہلے تم میرے گھر ہی چلو گی۔ کم از کم جب تک تمہارا زخم ٹھیک نہیں ہو جاتا۔ تم میرے ساتھ رہو گی۔"

"نوال ہم لوگ پچھلے چار ماہ سے ساتھ ہیں۔ میں گاؤں میں رہ رہ کر بور ہو گئی ہوں۔ مجھے اپنے گلی محلے کی گوسپ چاہیے۔ کچھ دن میں اپنی ماں کے ساتھ رہوں گی۔ پھر اپنے گھر جاؤنگی۔ اور ایک مہینے کے اندر اندر

اپنے بیٹے کے پاس چلی جاؤنگی۔"

"اُسکی فکر نہ کرنا۔سٹیون تمہارے سارے انتظامات کروادے گا۔"

"ابھی تم اپنے بچوں کا خیال کرو۔امریکہ جانے سے پہلے میں تمہیں ملنے آؤنگی۔"

"تو کیا تم اسی وقت مجھے الوداع کہہ رہی ہو؟۔۔"

گریس مسکراتے ہوئے بولی۔۔۔

"نہیں بھئی تم گھر جانے سے پہلے ایک دفعہ مل سکتی ہو۔بچوں کو جلد ڈسچارج کر دیا جائے گا۔البتہ میں دو چار دن یہی رہوں گی۔"

"میں تمہیں دیکھنے تو آسکتی ہوں نا؟۔۔"

"ہاں اگر اپنے مزے مزے کے کھانے لیکر آؤ گی۔تو موسٹ ویلکم۔۔"

چسکوری عورت آپریشن کے بعد مزے مزے کے کھانے نہیں بلکہ پھیکے کھانے ملتے ہیں۔"

"کون کہتا ہے؟۔میں نے پہلے ڈاکٹر سے پوچھ لیا تھا۔انٹرنٹ پہ بھی دیکھا تھا۔ایسا کوئی پرہیز کہیں نہیں لکھا تھا۔"

مڈوائف نے گریس کو وارڈ میں منتقل کرنے کی اطلاع دی۔

دو چار لوگوں نے مل کر گریس کو تھیٹر کے بیڈ سے دوسرے بیڈ پہ منتقل کیا۔جو کہ ٹائروں والا بیڈ تھا۔جسے بعد میں نرس اور مڈوائف کھینچ کر وارڈ تک لائے۔

گریس کو پُرسکون حالت میں چھوڑ کر وہ نچلے فلور پہ بچوں کی نرسری میں آئی۔ جہاں ایک کمرے میں دو ٹرالیاں موجود تھیں۔پر بچے ٹرالیوں میں نہیں تھے۔بیٹا دادی کی گود میں تھا۔اقر بیٹی کو دادا نے اُٹھایا ہوا تھا۔

اندر داخل ہوتے ہی نوال کے منہ سے پہلا سوال یہی نکلا۔۔

"کیا وہ اب بھی نہیں آیا؟۔۔"

سعدیہ نے فوراً پوچھا۔۔۔

"کیا تم نے اُسکو فون کر کے آنے کا کہا تھا؟۔۔"

”آنٹی یہ کیا بات ہوئی۔کیا آج کے دن بھی اُس نے میرے کہنے پر یہاں آنا تھا؟۔۔“

”وہ کبھی بھی تمہارے بُلائے بغیر نہیں آئے گا۔“

”میری بات نہیں ہے۔کیا یہ دونوں اُسکے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔اور اُس عورت کا کیا جو اس آدمی کے لیے اتنی تکلیف میں سے گزری ہے۔کیا وہ اُسکو دیکھنے بھی نہیں آئے گا۔“

”نوال وہ پہلے دن سے یہ بات بڑی اچھی طرح سے واضح کر چُکا ہے۔اگر تمہیں اُسکی ضرورت نہیں ہے۔ تو وہ کبھی بھی تمہارے سامنے نہیں آئے گا۔میں نے ابھی اُسکو فون کیا ہے۔وہ سو رہا تھا۔میرے سوال پر اُس نے صرف اتنا کہا ہے۔جب میرا نوال کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔تو اُسکے بچوں کے ساتھ تعلق بنانے کا کیا فائدہ۔ وہ اپنی دنیا میں خوش رہیں۔میں اپنی دنیا میں مگن ہوں۔“

نوال کو اُسکی بات پر دکھ ہوا تھا۔مری ہوئی آواز میں پوچھا۔۔۔

”کیا اُس نے واقعی ایسا بولا ہے؟۔۔“

”کیا وہ گریس کی خیریت بھی نہیں جانے گا؟۔۔“

”گریس کو وہ اتنی رقم دے چُکا ہے۔کہ اگر گریس چاہے تو اپنے لیے فُل وقتی پرائیوٹ نرس بھی رکھ سکتی ہے۔ چھوڑو تم سب کی فکریں۔یہ تمہارے باپ نے دونوں بچوں کے کان میں اذان دے دی ہے۔فری کا فون آیا تھا۔وہ لوگ شام کی ٹرین سے گلاسگو آرہے ہیں۔پر ابھی بیتاب ہے کہ اُسکو بچوں کی تصویریں لیکر بھیجوں۔میں نے کوشش تو کی ہے۔مگر میرے فون کا کیمرہ اتنا کلیر نہیں ہے۔“

”میں لباس بدل آؤں۔میرا فون بیگ میں موجود ہے۔پھر آکر تصویریں بناتی ہوں۔“

”ہاں جاؤ۔۔۔ابھی تو دونوں سو رہے ہیں۔پر جلد انکو بھوک لگ جانی ہے۔نرس سے پوچھ کر انکے فیڈر وغیرہ بھی تیار کرلو۔“

”میں ابھی کے ابھی آئی۔“

نوال اپنا بیگ اُٹھا کر واش روم میں بند ہوگئی۔

اور واقعی جب تک اُس نے اپنا لباس پہنا۔باہر سے شور آنا شروع ہوگیا تھا۔

ایک رویا تو دوسرے کو بھی خیال آیا۔وہ کیوں خاموش ہے۔

نوال نے واش روم سے نکلتے ہی ہاتھوں پہ انٹی جراسیم جیل لگائی اور احتشام انکل کی گود سے اپنی بیٹی کو اُٹھا لیا۔

وہ روتی رہی اور نوال نظروں میں دنیا بھر کا پیار سموئے اُسکو دیکھتی رہی۔اُسکے نرم نرم گال چومے۔۔۔اُسکی چھوٹی سی ناک چومی۔۔۔اُسکے ننھے ننھے ہاتھ چھوئے۔۔۔

اپنے چہرے کے پاس اُسکا منہ رکھ کر اُسکی گرماہٹ کو محسوس کیا۔

احتشام صاحب تب سے کھڑے اُسکو دیکھ رہے تھے۔جو یہ تک بھول چکی تھی۔وہ اس وقت کہاں ہے۔

جب احتشام انکل کا ہاتھ اُسکے سر پہ دھرا تو وہ چونکی۔ڈبڈبائی نظروں سے اُنکو دیکھا۔

”بیٹی تمہیں بہت مبارک ہو۔اللہ تمہاری خوشیوں کو کبھی کسی کی نظر نہ لگے۔“

بھرائی آنکھوں سمیت وہ مسکرائی۔۔

”آمین۔۔۔“

سعدیہ نے اپنے دوپٹے کے پلو سے آنکھیں رگڑیں۔

نرس دودھ والی چھوٹی چھوٹی بوتلیں لیکر آئی۔جو مختلف کمپنیوں کا بنا سوکھا دودھ تھا۔جسے فوری طور ہر استعمال کے لیے لیکوڈ فارم میں فراہم کیا گیا تھا۔کیونکہ ہسپتالوں میں اتنی سہولت نہیں ہوتی کہ ہر کوئی وہاں پانی گرم کر کے فیڈر وغیرہ تیار کر سکے۔اسلیے ایسا نظام دیا گیا تھا۔جب تک بچے اور ماں ہسپتال میں رہتے اُنکو فری میں بچے کی خوراک مہیا کی جاتی۔اگر ماں کا پی رہا ہے۔تو ٹھیک ورنہ تین چار کمپنیوں میں سے جسکا چاہے پسند کر لے۔پھر گھر جانے کے بعد بھی اُسی برینڈ کا دودھ خریدنا ہوگا۔نرس نے ساری تفصیل سمجھانے کے بعد پوچھا۔تو نوال نے اُسی پہ چھوڑ دیا۔

”جو دودھ بچوں کے لیے زیادہ استعمال ہو رہا ہے۔وہی دے دو۔“

اتنی سی دیر میں بچوں نے سارا کمرہ سر پہ اُٹھا لیا تھا۔

سعدیہ ہنس رہی تھیں۔اور نوال کے ہاتھ پیر پھول رہے تھے۔

جیسے ہی نرس نے بوتل تیار کر کے نوال کے ہاتھ میں دی۔نوال نے بسم اللہ پڑھ کر اپنی بیٹی کو فیڈ کروانا شروع کیا۔دو چار بڑے بڑے گھونٹ بھرتے ہی وہ سوگئی۔

نوال نے حیرت سے سعدیہ کی طرف دیکھا۔

”آنٹی یہ تو سوگئی ہے؟۔“

”تو پھر کیا؟۔۔۔“

”نہیں میرا مطلب تھا۔کچھ پل پہلے بھوک سے اتنا رو رہی تھی۔اتنی چھوٹی سی بوتل ہے۔آدھی بھی نہیں پی اور سوگئی ہے۔اسکا پیٹ تو نہیں بھرا ہوگا؟۔۔“

سعدیہ مسکراتے ہوئے بولیں۔

”اُسکا سائز بھی تو دیکھو سات پاؤنڈ کی اتنی سی گڑیا ہے۔اُس نے کونسا لگاتار دو چار گھنٹے آرام کرنا ہے۔ابھی پھر اُٹھ جائے گی۔تب پلا لینا۔“

نوال نے بچی کو کاٹ میں لٹایا۔اور تصویریں لیکر فری کو بھیجیں

احتشام صاحب گریس کو دیکھنے نکل گئے۔اگلے چند گھنٹے یہی کھیل چلتا رہا۔جب چائلڈ سپیشلسٹ نے آکر بچوں کا تفصیلی معائنہ کیا۔اُنکا وزن قد یہاں تک کہ ٹانگوں اور سر کی پیمائش تک کی۔جب ہر طرح سے تسلی ہوگئی۔ڈاکٹر نے بچوں کو گھر لے جانے کی اجازت دے دی۔مگر دو دن بعد اُنکی سماعت کا ٹیسٹ لینے کی اپوائنٹمنٹ دے دی۔ہسپتال سے نکلنے سے پہلے وہ سب گریس کے کمرے میں گئے۔اُسکی ماں آچکی تھی۔گریس کی بیڈ سائیڈ پہ بڑا سا بکے اور کارڈ پڑا تھا۔جسے دیکھتے ہی نوال کو صرف ایک شخص کا خیال آیا تھا۔گریس نے نوال کی نظروں کا تعاقب کیا پھر اُسکے شک کی تصدیق بھی کردی۔

”دو گھنٹے پہلے حدید آیا تھا۔“

تب تو نوال دھیرے سے مسکرا دی۔مگر دل میں ناراضگی مزید بڑھ گئی۔

بچوں کو اُنکی الگ الگ کار سیٹ میں ڈالا نوال بچوں کے ساتھ پچھلی سیٹ پہ بیٹھ گئی۔آگے احتشام صاحب کے برابر سعدیہ تھیں۔

نوال کھڑکی سے باہر دوڑتی بھاگتی زندگی کو دیکھ رہی تھی۔ یوں لگ رہا تھا۔ جیسے آج پہلی دفعہ یہ سڑکیں اور روشنیاں دیکھ رہی ہو۔

جب گاڑی موٹروے پہ چڑھنے کی بجائے اندرون شہر کو مڑی تب اُس نے پوچھنا ضروری سمجھا

"کیا ہم سیدھے گھر نہیں جا رہے؟۔۔"

سعدیہ اور احتشام صاحب کی نظریں ملیں۔

پھر سعدیہ ترچھی ہو کر نوال کی جانب دیکھتے ہوئے بولیں۔

"بیٹی معذرت کہ میں تمہیں پہلے نہ بتا سکی۔ پر ہم لوگ گاؤں نہیں جا رہے ہیں۔ پہلے دس دن تک ہر روز مڈ وائف بچوں کو دیکھنے گھر آیا کرے گی۔ خود سوچو بچاری گھنٹے ڈیڑھ کا سفر طے کر کے ہر روز اتنی دور آیا جایا کرے گی۔ اور اگر اللہ معافی دیں کوئی مسلہ ہو تب بھی بچوں کو یہاں لا کر ڈاکٹر کو دکھانا پڑے گا۔ ان وجوہات کے علاوہ میری یہ خواہش ہے۔ بچے سب سے پہلے اپنے ابائی گھر جائیں۔ کچھ دن یہاں گزار کر پھر تم لوگ اپنے گھر چلے جانا۔ ہم نہیں روکیں گے۔"

اتنے خلوص سے سب کچھ بتاتے ہوئے بھی سعدیہ کا انداز ایسا تھا۔ جیسے کہہ رہی ہوں۔ اگر تمہیں اعتراض ہے۔ تو گاؤں چلے جاتے ہیں۔ وہ صرف اتنا ہی کہہ پائی۔

"بچوں کا سارا سامان گھر پہ ہے۔ ساتھ تو بس میں انکے ایک دو جوڑے ہی لائی تھی۔"

"اوہ اُسکی فکر نہ کرو۔ میں نے جیفری کو فون کر دیا تھا۔ اب تک وہ تم لوگوں کا کمرہ سیٹ کر چکا ہوگا۔"

مزید وہ کچھ نہیں بولی۔۔۔ ویسے بھی بے وجہ اختلاف کرنا اُسکی فطرت نہ تھی۔

سب سے پہلا جو خیال آیا وہ اُسی کا تھا۔ جس شخص کا انتظار اُسکو کل سے تھا۔ وہ بچوں کو دیکھنے تک نہیں آیا تھا۔ نوال اس بات کو محسوس کرنا نہیں چاہتی تھی۔ پر دماغ سے نکل ہی نہیں رہا تھا۔ اب اُسکے گھر جا رہی تھی۔ ملاقات ہونا لازمی بات تھی۔ یا یہ بھی تو ہو سکتا ہے۔ وہ نوال اور بچوں کی وہاں موجودگی کا جان کر گھر ہی نہ آئے۔

آدھے گھنٹے کی ڈرائیو کے بعد گاڑی ایک سمی ڈیٹیچڈ گھر کے پارکنگ لاٹ میں رُکی۔

"لو بیٹا جی گھر آ گیا۔"

نوال بہت زیادہ نروس ہو رہی تھی۔

پہلی دفعہ سعدیہ آنٹی کے گھر جانا وہ بھی دو بچوں کے ساتھ جن بچوں کے ساتھ ابھی پورا تعارف بھی نہیں ہوا تھا۔اسلیے بھی وہ زیادہ نروس تھی۔کیا ہوگا اگر وہ بچوں کی پوری طرح سے دیکھ بھال کرنے میں ناکام رہی۔کیا سعدیہ آنٹی اپنے بیٹے کو کہہ کر بچے واپس لے لیں گی۔وہ ابھی تک اندر سے پُر یقین نہ تھی۔حالانکہ وہ اسکو ذہنی سکون دینے کی خاطر ہر قسم کا کنٹریکٹ سائن کر چکا تھا۔اگر نوال اجازت نہ دئے وہ بچوں سے مل بھی نہیں سکتا تھا۔اور نوال پھر بھی وہموں کا شکار تھی۔

ایک طرف اُس کی لاتعلقی پہ کڑھ رہی تھی۔دوسری جانب اُس سے ڈر بھی تھا۔

انہی سوچوں میں اُس نے اپنے بیٹے کو گود میں لیا۔بیٹی کو سعدیہ آنٹی نے اُٹھالیا۔احتشام انکل بچوں کے بیگز لیکر اُنکے پیچھے ہی آ گئے۔

گھر کی ساری روشنیاں گُل تھیں۔جس سے ثابت ہو رہا تھا۔گھر پہ اس وقت کوئی بھی موجود نہ تھا۔

باہر کا لاک کھول کر احتشام انکل نے پہلے اُسکو اندر جانے کا اشارہ کیا۔

نیم تاریکی میں وہ جھجھکتی ہوئی ہال سے ہو کر سیٹنگ روم تک آئی۔یک دم تاریک پڑا سیٹنگ روم زور و شور سے روشن ہو گیا۔بچے نے ڈر کر کپکپی لی جسے حیران پریشان کھڑی نوال نے زور سے اپنے ساتھ بھینچ لیا۔

”سرپرائیز۔۔۔!!!۔۔۔

”ویلکم ہوم ممانی جان۔۔۔!!!۔۔۔ویلکم ہوم نیو بورن بیبیز۔۔۔!!۔۔۔“

فری اپنی پوری فیملی سمیت موجود تھی ہی۔اسکے علاوہ بہت سے بچے‘ مرد اور خواتین موجود تھے۔جنکے ناموں سے بھی وہ واقف نہ تھی۔

اُس پر ہر جانب سے پھولوں کی برسات ہوئی۔۔

اتنے شاندار استقبال کا تو اُس نے سوچا تک نہ تھا۔

سارے ہجوم میں سے فری آگے آئی۔جھٹ پٹ نوال کے دونوں گالوں پہ بوسہ دیکر مبارکباد دی۔بھتیجے کو گود میں لیکر اُسے بھی چوم ڈالا۔۔۔ہجوم کو مخاطب کرتے ہوئے بولی۔۔۔

”ایک مہمانِ خصوصی کا استقبال کرنا ابھی باقی ہے۔اسلیے گزارش ہے۔تمام لوگ ابھی اپنی جگہ پہ موجود رہیں۔لائٹ دوبارہ بند کردی جائے۔“

فری کی ہدایت پہ فوری عمل کیا جارہا تھا۔فری نے بھتیجے کو اپنے شوہر کی گود میں دیا۔خود نوال کا ہاتھ تھام کر اُسکو لیکر سیڑھیوں کے نیچے بنی کلوزٹ میں گھس گئی۔

”یہاں کہاں لیکر جارہی ہو؟۔۔“

نوال کے حیرت بھر سوال پہ وہ لاپرواہی سے بولی۔۔۔

”تم آؤ میں سب بتاتی ہوں۔غضب خُدا کا لوگ ماں اور بچوں کو دیکھنے آئے ہیں۔ابھی تم ہسپتال سے آرہی ہو۔اور حلیہ دیکھو جینز کے ساتھ بوٹس پہنے ہوئے ہیں۔کہیں سے نہیں لگ رہا آج ماں بنی ہو۔“

”ہاں تو اور کیا گلے میں ڈھول لٹکا لوں؟۔۔“

”اب ایسا بھی نہیں کہا۔جلدی سے یہ جینز اُتار کر یہ پاجامہ پہنو۔“

”یہ کسکا پاجامہ مجھے دے رہی ہو؟۔۔“

”ظاہر ہے اپنا ہی ہے۔اور کیا ہمسائی کا مانگ لائی ہوں۔جلدی کرو ابھی مجھے تمہارے شوہر کی خبر لینی ہے۔جب تم دونوں نے شادی کرلی ہے۔تو اب کیا موت پڑی ہوئی ہے۔پہلے اُسکا تمہیں دیکھے بغیر دن نہیں گزرتا تھا۔اب بھاگتا کیوں پھر رہا ہے۔“

”بچارہ۔۔۔پچھتا رہا ہوگا۔“

نوال کے طنز پہ فری فٹ سے بولی

”اتنا اچھا نہیں ہے۔یقیناً اندر ہی اندر نئے منصوبے سوچ رہا ہوگا۔تم ابھی تک کھڑی کیوں ہو جلدی کرو۔پاجامہ پہننے کے بعد سر پہ یہ ٹوپی پہنو۔۔اور ساتھ میں یہ سلیپر۔۔“

”تم اپنے مہمانوں کے سامنے مجھے کارٹون بنا کر پیش کرنا چاہتی ہو۔اب علم ہو۔تم مجھے کس حد تک ناپسند کرتی ہو۔“

”یہ جو گلابی گال‘غزالی آنکھیں ہیں اور ماڈلوں والا فگر ہے ناں یہ اپنے چہیتے کو دیکھاتی رہنا۔لوگ بڑے

حاسد ہوتے ہیں۔ مجھے لوگوں کا خیال کرنا ہے۔ باہر ابو کے کزنز کی بیویاں اور آگے اُنکی بہویں وغیرہ موجود ہیں۔ ہمارے ہمسائے ہیں کُچھ امی کی فیملی کے لوگ ہیں۔ ماشااللہ جُڑواں بچے اتنا پیارا کپل مجھے ڈر ہے۔تم لوگوں کو نظر نہ لگ جائے۔اور چھیلے کی عورتیں یوں جینز پہن کر نہیں گھومتی ہیں۔"

"تم بھول رہی ہو۔جس بچاری کا چھیلا ہے۔وہ ہسپتال کے بیڈ پہ پڑی ہوئی ہے۔"

"مجھے تو یہ بات پتہ ہے۔رشتے داروں کو تو نہیں پتہ نا چلو اب جلدی بھی کرو۔"

باہر سے فری کے بڑے بیٹے نے دروازہ پیٹا۔۔۔

"ممی ماموں کی بائیک گلی میں داخل ہوگئی ہے۔جلدی باہر آئیں۔"

فری نے اندر والی لائٹ بند کر دی اور وہیں سے چلائی۔۔۔

"جلدی کرو سب چُھپ جاؤ۔"

فری نے جلدی جلدی کی جو افراتفری مچائی نوال نے اندھیرے میں ہی ٹٹول کر جینز سے جان چھڑائی۔

ڈھائی منٹ بعد باہر کے دروازے میں چابی لگنے کی آواز آئی۔ بھاری بوٹوں کی دھمک کے ساتھ ہی بھرپور مردانہ آواز گونجی۔۔۔

"امی۔۔۔!!۔۔۔ابو۔۔۔کوئی گھر پہ ہے؟۔۔۔"

وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا سیٹنگ روم کے دروازے تک آیا تھا۔جب ساری بتیاں روشن ہوگئیں اور گھر ایک دفعہ پھر سرپرائز کے نعرے سے گونج اُٹھا۔

حدید کے چہرے پہ پیچ والے بارہ بجے ہوئے تھے۔

"یہ کیا بکواس ہے؟۔۔"

"بدتمیز انسان بکواس نہیں تمہیں اور تمہاری نئی فیملی کو خوش آمدید ہے۔"

کلوزٹ سے نکل کر فری نے خبر لی۔جس پہ حدید کی گھوری مزید گہری ہوگئی۔۔

"اس تماشے کے لیے تم نے مجھے یہ واہیات میسج کیا تھا۔"

غُصے سے بولتے ہوئے حدید نے اپنے فون کی سکرین فری کے سامنے کی۔۔۔

فری نے با آوازِ بلند وہ میسج پڑھا۔۔۔

"بھائی فوراً گھر پہنچو ایمرجنسی ہوگئی ہے۔"

"سوری پر اسکے علاوہ تمہیں گھر بلانے کا اور کوئی حل نہیں تھا۔"

حدید نے گہری سانس کھینچ کر بالوں میں ہاتھ مارا۔۔۔

"میرا ڈرائیونگ لائسنس تو گیا ہی سمجھو۔۔۔چار اشارے توڑ کر آیا ہوں۔شکریہ تمہارے اس زرخیز دماغ کا۔"

"خیر ہے لائسنس دوبارہ مل جائے گا۔جو جرمانہ ہوا وہ بھی ادا ہو جائے گا۔مگر یہ گھڑیاں دوبارہ نہیں آنی ہیں۔نوال باہر نکل آؤ۔بہت چھُپ لیا۔۔"

وہ کچھ بولنے والا تھا۔مگر فری نے جب نوال کا نام لیا۔حدید کو پہلی دفعہ اپنے گرد کا جائزہ لینے کا ہوش آیا۔ رشتہ داروں سے بھرا کمرہ ایک نازک سا وجود اُسکی ماں کی گود کی گرمی میں چھپا ہوا تھا۔دوسرا اُسکے بہنوئی نے اُٹھا رکھا تھا۔حدید کی نظریں سعدیہ سے ملیں۔۔حدید کی نظروں میں حیرت تھی۔اندیشے تھے۔ماں کی نظروں میں مسکراہٹ تھی۔نمی تھی۔اُسکو یقین نہ آیا۔جو ماں نے اشارہ دیا ہے۔کیا وہ سچ ہے۔آنکھ کے کونے سے محسوس کر چکا تھا۔کلوزٹ کا دروازہ کھول کر کوئی باہر آیا تھا۔فری نے اُسکو حدید کے برابر کھڑا کیا۔حدید کی ہمت نہ ہوئی کہ وہ گردن موڑ کر دیکھ ہی لیتا۔ بظاہر مہمانوں سے مبارکباد وصول کرتا مسکرا رہا تھا۔اُنکو جواب دیئے رہا تھا۔مگر اندر سے بالکل تھم گیا تھا۔ایک دم ساکت۔۔۔

دونوں ابھی تک سیٹنگ روم کی چوکھٹ پہ کھڑے تھے۔

اس اجنبی ماحول میں صرف وہ ہی اپنا تھا۔جو اُسکے برابر کھڑا تھا۔جسکا چہرہ بھی نہ دیکھ پا رہی تھی۔وہ جانتی تھی وہ ناراض تھا۔مگر خود کو اُسکی موجودگی کا یقین دلانے کی خاطر نوال کو بولڈ ہونا تھا۔اپنے آپ کو اندر ہی اندر تسلیاں دیتی گئی وہ میرا ہاتھ کبھی نہیں جھٹکے گا۔مگر پھر خدشات سر اُٹھاتے۔۔۔اگر اُس نے اتنے لوگوں کی موجودگی میں جھڑک کر ہاتھ جھٹک دیا تو پھر؟۔۔۔آگے اندھیرا تھا۔اور دوسری کوئی راہ بھی نہ تھی۔

ایک ہاتھ چوکھٹ پہ رکھے دوسرا ٹراؤزر کی جیب میں ڈالے وہ اپنی ممانی کے سوال کا جواب دیئے رہا تھا۔

جب اُسکے ٹراؤزر میں چھُپے ہاتھ کے بازو پہ کپکپاتی گرفت جا گی۔

جیسے کوئی بے جان انگلیوں سے اُسکی جیکٹ سے پکڑ کر بازو کو اپنی طرف کھینچ رہا ہو۔ دیکھے بغیر ہی دل نے اُس لمس کی تصدیق کی تھی۔

گردن موڑ کر دیکھ ہی لیا۔ اُس نے ابھی تک حدید کا بازو پکڑا ہوا تھا۔ حدید کی رشتے کی چچی اُسکو صوفے پہ بیٹھنے کا اشارہ کر رہی تھیں۔ اور وہ اُنکو ٹال رہی تھی۔

حدید کے بازو پہ رکھا ہاتھ بُری طرح کانپ رہا تھا۔ صاف پتا چل رہا تھا۔ وہ وہاں سے ہٹنا نہیں چاہ رہی تھی۔ سہارے کے لیے اُسکو تھامے ہوئے تھی۔

حدید کے اندر تک سکون اُتر گیا۔ اُسکو لگا نوال کو لفظوں میں بتانے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ اُسکا انداز سب بتا گیا ہے۔ اُس نے اپنی جیب سے ہاتھ نکالا ہی تھا۔ جب وہ ڈر کے ساکت ہو گئی۔۔۔

وہ جان گیا۔

نوال کے نرم ہاتھ کو اپنی گرفت میں لیا۔ دوسرا بازو اسکے کندھے کے گرد ڈال کر اپنے ساتھ لگا کر صوفے تک لایا۔

باری باری تمام رشتے داروں نے مبارک باد کے ساتھ تحفے تحائف دیئے۔ فری نے کھانا باہر سے آرڈر کیا تھا۔ باہر بیل کی آواز پہ حدید اُٹھ کر باہر نکل گیا۔ رات کے گیارہ بارہ بجے تک رونق چلتی رہی۔ ایک بجے کے بعد سب نے گھروں کی راہ لی۔ مگر نوال گیارہ بجے کے بعد ہی بچوں کے ساتھ کمرے میں بند ہو گئی تھی۔ فری کے بچے بھی ساتھ ہی موجود تھے۔

سوال کر کر کے نوال کے ناک میں دم کر دیا تھا۔ ایک کہتا ممانی بے بی ڈول کے ہاتھ اتنے چھوٹے کیوں ہیں۔ دوسرا بولا۔۔ ممانی یہ دونوں تو ایک جیسے لگ رہے ہیں۔ کیسے پتہ لگے گا۔ عائشہ کون ہے۔ اور عزیر کون ہے۔ شام میں جو نام فائنل ہوئے بچے بھی وہی استعمال کر رہے تھے۔

نوال کے بولنے سے پہلے ہی اُنکی بہن بڑی سمجھداری سے بولی۔۔۔

”پاگلو جب ممانی دونوں کی نیپی بدلیں گی۔ تب پتا چل جائے گا۔ عائشہ کون ہے۔ اور عزیر کون۔۔۔“

نوال کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

"نہیں مجھے ویسے ہی پتہ ہے۔"

"تو پھر بتائیں عائشہ کونسی ہے۔"

نوال نے عائشہ کی نشانی بتائی۔۔۔

"عائشہ کی آواز باریک ہے۔عزیر کی موٹی ہے۔"

"اوہ۔۔۔!!!ہاں۔۔۔ایک بلی کی طرح روتا ہے۔دوسرا پپی کی طرح۔۔"

فری کے چھوٹے بیٹے کی مثال پہ نوال نے بمشکل ہنسی روک کر ٹوکا۔

"بڑے شرارتی ہو۔میرے بچوں کو بلی اور پپی سے ملا رہے ہو۔پٹائی لگاؤنگی۔"

"میں ماموں سے شکایت کروں گا۔پھر وہ آپکی پٹائی لگائینگے۔"

"تمہارے ماموں کی اتنی جرات۔۔۔اُسکو بھی میں دیکھ لونگی۔"

وہ اُسکا آخری جملہ ہی سُن پایا تھا۔

اندر داخل ہوتے ہی پوچھا۔

"کس کو دیکھنے کا پروگرام ہے؟۔۔"

نوال نے اس دفعہ غور سے اُسکو دیکھا۔کیونکہ آج وہ بالکل مختلف لگ رہا تھا۔کلین شیو چہرہ داڑھی کی نسبت اُسکو جوان دیکھا رہا تھا۔سر پہ قدرے لمبے بال جو سائیڈز پہ چھوٹے اور اوپر سے بڑے تھے۔

"ممانی کہتی ہیں۔اگر آپ نے اُنکی پٹائی لگائی تو وہ آپکو دیکھ لیں گی۔"

دونوں کی نظریں ملیں نوال کی دھڑکن اتھل پتھل ہوئی اور نظریں جھک گئیں۔۔

"تمہاری ممانی کو حق ہے۔جب چاہے جہاں چاہے جیسے چاہے مجھے دیکھ لے۔"

نوال نے اپنا سر پیٹ لیا۔گال دہک اُٹھے سوال کیا تھا۔اور جواب کیا آیا۔

نوال کو اپنے احساسات پہ حیرت ہوئی۔وہ اُسکا انتظار کرتی رہی تھی۔نہ آنے پہ دل ہی دل میں ناراض بھی تھی۔مگر یہ نہیں سوچا تھا۔جب وہ سامنے آئے گا۔تو احساسات یہ ہونگے۔یا پھر شائد یہ نکاح کی برکت تھی۔

ایک وقت تھا جب وہ اسی شخص کے ساتھ بے فکری سے گپیں مارا کرتی تھی۔اور آج اسکی موجودگی میں کمرہ چھوٹا لگ رہا تھا۔اچانک سے وہ اتنا اثر انداز کیسے ہو گیا؟

اپنی سوچ میں اتنی ڈوبی ہوئی تھی۔فری نے بچوں کو کمرے سے بُلا لیا۔وہ لاعلم رہی پہلے سے تہہ کئے بچوں کے کپڑے دوبارہ سے تہہ کر کر کے رکھے جا رہی تھی۔

وہ سینے پہ بازو باندھے اُسکے چہرے پہ پھیلی اُلجھن اور تیزی سے چلتے ہاتھ دیکھ رہا تھا۔عام سے گھریلو حلیے میں بھی وہ اتنی پیاری لگ رہی تھی۔فریش چہرہ کھلتا ہوا سفیدی مائل گندمی رنگ جس میں گلابیاں گھلی ہوئی تھیں۔

گلا صاف کیا۔توجہ حاصل کرنے کی ایک کوشش۔۔۔

جو کامیاب ہوئی۔۔اُس نے نظر اُٹھا کر دیکھا۔ہاتھ رُکے آنکھیں پھیلیں۔۔

کاٹ میں لیٹے فرشتے نیند میں مسکرائے۔۔۔وہ بولا۔۔۔

"آج میں بہت خوش ہوں۔"

وہ زبان سے نکلتے شکوے کو روک نہ پائی۔۔

"ہاں اسی لیے وقت پہ ہسپتال پہنچ گئے تھے۔"

وہ دھیرے سے مسکرایا۔۔۔اور بیڈ پہ نیم دراز ہو کر چہرہ نوال کے بالکل سامنے رکھا۔۔۔

وہ مزید سمٹ کر بیٹھ گئی۔وہ یک ٹک دیکھے گیا۔

"تم نے بُلایا ہی نہیں۔ورنہ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔تمہیں میری ضرورت ہوتی اور میں نہ آتا۔"

"کیا اپنے ہی گھر آنے کے لیے بُلاوے کی ضرورت ہوتی ہے؟۔۔"

"آج سے نہیں ہوگی۔کیا پوچھ سکتا ہوں تمہیں کیا بات اُلجھا رہی ہے؟۔۔"

نوال نے ایک نظر اُسکی آنکھوں میں دیکھا۔مگر اُسکے سوال کے برعکس بولی۔۔

"تم نے ایک دفعہ بھی عائشہ اور عزیر کو گود میں نہیں اُٹھایا۔ایسا کیوں؟۔۔۔"

"کیونکہ تم نے مجھے کہا ہی نہیں۔"

"یعنی اگر میں کہوں تو تم بچوں کو اُٹھاؤ گے۔ورنہ خود سے تمہیں کوئی شوق نہیں ہے؟۔۔"

”مجھے تمہارے ساتھ فیملی بنانے کا شوق تھا۔میں نے بنالی۔اب میری خواہش یہ ہے۔تم میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے اس خوبصورت دنیا میں داخل کرو۔اورتم نے یہ بھی نہیں پوچھا کہ میں خوش کیوں ہوں۔“

”ظاہری بات ہے۔ابا بننے کی کوشی ہے۔“

”نہیں۔۔۔اس کے علاوہ کسی اور بات کی بھی خوشی ہے۔“

”وہ کیا؟۔۔۔“

”تمہارے ملنے کی خوشی ہے۔خود سے کیا وعدہ پورا ہونے کی خوشی ہے۔“

”کیسا وعدہ۔۔۔“

”یہی کہ تمہیں وہ سب دونگا۔جو میرے اختیار میں ہوگا۔“

نوال خاموش ہوگئی۔۔۔

”کچھ دیر پہلے تم اندر ہی اندر کس بات پہ اُلجھ رہی تھیں۔“

”مجھے حیرت ہو رہی تھی۔“

”کس بات پہ۔۔؟۔۔۔“

وہ ادھر اُدھر دیکھتے ہوئے الفاظ ڈھونڈنے لگی۔وہ خاموشی سے انتظار کرنے لگا۔

بلآخر وہ بولی۔۔۔

”مجھے یقین نہیں آ رہا۔تمہیں دیکھ کر میری حالت ایسی کیوں ہو رہی ہے۔“

”کیسی۔۔۔؟۔۔“

”پتہ نہیں پر تم اور میں اتنا سارا وقت ساتھ گزارتے تھے۔تب تو کبھی ایسا نہیں ہوتا تھا۔“

”کیا نہیں ہوتا تھا؟۔۔“

”یہی جو ہو رہا ہے۔“

”کیا ہو رہا ہے۔“

”تمہارا سر ہو رہا ہے۔“

"کمرے میں بھرپور مردانہ قہقہہ گونجا۔۔۔

بے اختیار نوال نے اُسکے لبوں پہ ہاتھ رکھ کر تشویش سے کاٹ پر نظر ڈالی۔۔۔

"آہستہ ہنسو بچے ڈر جائینگے۔۔"

حدید نے اُسکو ہاتھ واپس نہیں کھینچنے دیا۔اپنی گرفت میں لیتے ہوئے بولا

"اگر اجازت ہو تو اس تبدیلی کی وجہ بتا دوں؟۔۔"

وہ کچھ نہیں بولی۔۔۔حدید کے ہاتھ میں رکھے اپنے ہاتھ کو دیکھ رہی تھی۔وہ بولا۔۔۔

"پہلے میں اجنبی تھا۔غیر تھا۔اب تمہارا شوہر ہوں۔

کیا رشتے بدلنے سے یا بننے سے احساسات یوں اچانک بدل جاتے ہیں؟

ہر کسی کے ساتھ ایسا نہیں ہوتا۔یہ خاص اُنکے لیے انعام ہے۔جنکے دلوں میں اللہ انکے ساتھی کی محبت ڈال دیتے ہیں۔"

جس طرح وہ بول رہا تھا۔نوال کے اندر اطمینان پھیلنے لگا۔وہ بولی۔۔۔

"اگر اب بھی اپنے راستے چلی جاؤں تو؟۔۔"

"یہ نہیں کہ میں روک نہیں پاؤنگا۔بات یہ ہے۔اب تم جا نہیں پاؤ گی۔"

"کیوں؟۔۔"

"کیونکہ تم نے حقیقت مان لی ہے۔"

"تمہیں کیسے پتہ۔۔۔؟۔۔"

"اگر نہ مانی ہوتی تو اس وقت یہاں میرے اتنے قریب نہ موجود ہوتیں۔

مجھے تم سے محبت نہیں تھی حدید مگر ان تین ماہ میں مجھے تمہارے علاوہ اور کچھ یاد نہیں رہا۔

وہ اسلیے نوال کیونکہ میرے اللہ نے مجھے مایوس نہیں کرنا تھا۔"

نوال اپنی جگہ سے اُٹھی۔۔۔اپنا ہاتھ کھینچا۔۔۔

وہ اُسکو بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ہاتھ چھوڑ دیا۔۔۔

وہ کاٹ کے پاس جھکی مڑی تو ہاتھوں میں عائشہ تھی۔

جیسے ہی وہ بیڈ کے پاس آئی۔حدید نظریں جھپکائے بغیر اُسکے عمل کو سوالیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

نوال نے اُسکی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔۔۔

"اُٹھ کر بیٹھو۔۔۔"

حدید نے نفی میں سر ہلایا۔نوال مزید سنجیدہ ہوئی۔۔۔

"اگر تم اُٹھ کر نہیں بیٹھے تو میں عائشہ کو تمہارے اوپر لٹا دونگی۔"

"تم ایسا ہرگز نہیں کروگی۔"

"تم ڈر رہے ہو۔"

وہ کچھ نہیں بولا۔۔۔

"محمد حدید احمد۔۔۔"

"نوال باز آجاؤ۔۔"

"نوال نے مزید کچھ کہے بغیر کمبل میں لپٹی عائشہ کو حدید کے سینے پہ رکھ کر ہاتھ ہٹا لیے۔

حدید کے کانپتے ہوئے ہاتھ اوپر اُٹھے بڑی احتیاط سے ڈرتے ہوئے اُس نے عائشہ کو پکڑ کر اوپر کیا اور خود اُٹھ کر بیٹھ گیا۔

اب بڑے غور سے عائشہ کو پڑھ رہا تھا۔

نوال سانس روکے دونوں باپ بیٹی کو دیکھ رہی تھی۔گلے میں آنسوؤں کا گولا اٹک گیا تھا۔

سر اُٹھا کر نوال کو دیکھا۔پھر اپنے برابر آکر بیٹھنے کا اشارہ دیا۔

نوال نے عمل کیا۔

آنسو لڑیوں کی صورت گر رہے تھے۔اُس نے حدید کے کندھے پہ اپنے ہونٹ رکھے پیشانی حدید کی کنپٹی سے مس ہو رہی تھی۔جب اُس نے سرگوشی کی۔۔۔

"حدید دنیا کے اس خوبصورت ترین تحفے کے لیے بہت شکریہ۔۔۔"

حدید نے اُسکے گرد بازو پھیلا کر اُسکے ماتھے پہ بوسہ لیا۔

”کیا اب میں یہ کہہ سکتا ہوں؟ کہ مجھے تم سے محبت ہے۔“

نوال نے نم پلکوں سے مسکراتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔۔۔

”میں جان گئی ہوں۔ کہ میں تمہاری محبت ہوں۔“

”میں تمہیں کُچھ دینا چاہتا ہوں۔“

”سب کُچھ مل گیا ہے۔“

”نہیں ابھی تو شروعات ہوئی ہے۔“

”مجھے ڈر لگتا ہے۔“

”کس بات کا ڈر؟۔۔“

”کہیں یہ سب خواب ہی نہ ہو۔“

”خواب میں بچے نیپی گندی نہیں کرتے۔ عائشہ سے اُٹھنے والی خوشبو بتا رہی ہے۔ کارروائی ڈالی جا چکی ہے۔“

اس دفعہ قہقہہ مارنے کی باری نوال کی تھی۔

”مجھے دو میں دیکھتی ہوں۔“

حدید نے عائشہ کی پیشانی چوم کر اُسکو نوال کے حوالے کیا خود کاٹ پہ جُھکا۔۔۔

”ینگ مین میں آپکا ابا بول رہا ہوں۔ ابا سمجھتے ہو؟ تمہاری ماں کا شوہر تمہاری دادی کا بیٹا۔ تمہاری پھوپی کا بھائی۔۔۔ اتنے حوالے بہت ہیں یا اور بھی دوں؟۔۔“

عائشہ کو بیڈ پہ لٹا کر اُسکی نیپی بدلتی نوال حدید کی باتوں پہ بڑی خوبصورتی سے مسکرا رہی تھی۔

حدید نے سوئے ہوئے عزیر کو پیار کیا۔ اور اپنی وارڈ روب کی جانب گیا۔

نوال نے واش روم سے ہاتھ دھو کر کمرے میں داخل ہوئی سامنے وہ ایک گلابی ویلوٹ کی ڈبیہ لیے کھڑا تھا۔

نوال ایک نظر دیکھتے ہی وہ ڈبیہ پہچان گئی تھی۔

"ہاتھ دو۔"

نوال نے احتجاجاً یاد کروایا۔

"یہ انگوٹھی شمیم کے لیے خریدی گئی تھی۔"

"میری شمیم تو تم ہی ہو۔"

"تو کیا اُس وقت بھی تمہاری نیت میں فتور تھا؟۔۔"

"نہیں فتور بہت بعد میں آیا تھا۔اب ہاتھ آگے کرو۔"

نوال نے ہاتھ آگے بڑھا دیا۔

حدید نے اُسی کی پسند کی انگوٹھی نوال کی اُنگلی میں ڈال کر ہاتھ چوما۔۔۔

نوال مسکرائی۔۔۔زندگی مسکرائی۔۔۔

☆......☆......☆

وہ آدمی کالا چشمہ لگائے بظاہر اپنے سامنے رکھے لیپ ٹاپ پہ مصروف تھا۔مگر اصل میں اُسکی نگاہیں بیچ پہ بیٹھی ایک فیملی پہ ٹکی ہوئی تھیں۔ایک ماں اپنے دو جُڑواں بچوں کے ساتھ مل کر ساحل کی گیلی ریت پر گھروندے بنا رہی تھی۔اُس کے لہراتے بال بار بار اُسکے چہرے پہ آتے جن کو وہ اپنے ریت سے بھرے ہاتھ سے پیچھے کرتی۔ بچوں کی باتوں پہ وقتاً فوقتاً قہقہہ لگاتی وہ عورت بہت حسین لگ رہی تھی۔سُرخ لپ اسٹک میں سجے اُسکے ہونٹ جب وا ہوتے تو۔موتیوں کی طرح جڑے دانت اُسکو اور بھی حسین دیکھاتے۔۔۔

چند لمحے وہ آدمی مبہوت ہو کر بس اُس عورت کے شاداب چہرے کو دیکھتا گیا۔تب ہی منظر میں ایک مرد کا اضافہ ہوا۔جس نے سوئمنگ شارٹس پہنی ہوئی تھی۔کندھے پہ تولیہ آنکھوں پہ سیاہ شیڈز۔۔۔جب وہ اُس عورت اور بچوں کے قریب آیا۔چھوٹی بچی نے اُس مرد کو دیکھتے ہی خوشی سے اُچھلتے ہوئے اُس سے سوال کیا۔۔۔

"بابا میرا گھروندا بڑا ہے نا؟۔۔"

اس سے پہلے کہ اُسکا بابا جواب دیتا۔دوسرا بچہ قدرے رُعب سے بولا۔۔۔

”اگر بابا نے کہہ بھی دیا کہ تمہارا گھروندا بڑا ہے۔تو وہ اسلیے کہ تم دوندھو ہو۔ورنہ صاف نظر آرہا ہے۔میرا گھروندا بڑا ہے۔“

”عزیرتم نے بابا کی پری کو چیلنج کیا ہے۔اب دیکھتے ہیں۔تم ماں بیٹے کا گھروندہ بڑا ہوگا۔یا ہم باپ بیٹی کا“

”بابا ہارنے والے کی کیا سزا ہوگی؟۔۔“

عزیر نے دونوں ہاتھوں سے ریت اکٹھی کرتے ہوئے جوش سے پوچھا۔۔

”ہارنے والے کو اُٹھا کر پانی میں پھینکا جائے گا۔“

ایک پل کو عزیر نے ہاتھ روک کر باپ سے پوچھا۔

”میں آپکو کیسے اُٹھاؤنگا۔“

جواب میں اُسکے باپ کا قہقہہ جاندار تھا۔

”اسکی نوبت نہیں آئے گی۔پانی میں تم اور تمہاری ماں جائینگے۔۔۔“

”میں تم لوگوں کے اس کھیل کا حصہ نہیں ہوں۔“

اُس عورت کے کہنے پر آدمی ایک دفعہ پھر ہنستے ہوئے بولا۔۔۔

”اب جانتی ہو نا ہار جانا ہے۔اسلیے بیان بدل رہی ہو۔“

”جی نہیں۔۔۔“

”جی ہاں پانی سے اتنا ڈرتی کیوں ہو۔“

”میں پانی سے نہیں ڈرتی۔پر مجھے پانی میں جانا پسند نہیں ہے۔سارا لباس بھیگ جاتا ہے۔“

وہ اُٹھ کر فرار ہونے کے چکر میں تھی۔جب اُسکے شوہر نے کلائی پکڑ لی۔۔

”ذرا دیکھ کر بتاؤ کس کا گھروندہ بڑا ہے؟“

وہ بڑی سنجیدگی سے غور کرنے کے بعد بولی۔۔

”دونوں ایک جیسے ہیں۔“

اُس کی اس بات پر اُسکے شوہر نے مصنوعی گھوری سے نوازا۔۔

”آہ نوال۔۔۔نہ بیٹے کا دل توڑنا چاہتی ہے۔نہ بیٹی کا۔۔اسکا ایک ہی علاج ہے۔اُن دونوں کی بجائے اس جھوٹے جج کو پانی کی سیر کروانی چاہیے۔“

”نہ نہ نہ نہ حدید۔۔۔تم ہرگز وہ نہیں کروگے۔جو سوچ رہے ہو۔“

”کون روکے گا۔“

”دیکھو سارا بیچ لوگوں سے بھرا ہوا ہے۔میں نے شور کیا تو تمہاری کیا عزت رہ جائے گی۔“

وہ اُسکی ہر دھمکی نظرانداز کرتا۔اُسکا بازو پکڑ کر کھینچ رہا تھا۔

”حدید یہ میرا نیا کُرتا ہے۔اتنا مہنگا کُرتا ریت سے خراب ہوجائے گا۔“

”کوئی نہیں میں نیا خرید دونگا۔“

”حدید میرے بالوں کا ناس ہوجانا ہے۔“

”سالون کا چکر لگا لینا۔“

”حدید اگر باز نہ آئے تو پورا مہینہ میں کوئی کیک نہیں بناؤنگی۔“

”اچھا ہے۔میرے جم کے پیسے بچیں گے۔نہ کیک کھاؤنگا۔نہ ہی موٹاپے کا ڈر ہوگا۔“

ایک بازو پہ بیٹی کو اٹھائے۔دوسرے ہاتھ سے بیوی کو لیے پانی تک پہنچ گیا۔بیٹا آگے آگے بھاگ رہا تھا۔

”اچھا چلو تم خوش ہوجاؤ۔میں آج اپنی مرضی سے پانی میں چلی جاتی ہوں۔“

حدید کے قدم رُک گئے۔پانی اُسکے گھٹنوں سے تھوڑا نیچے تھا۔

اپنا چشمہ اُتار کر نوال کے ہاتھ میں دیا۔اور شرارتی مسکراہٹ لیے بولا۔۔۔

”مجھے پاگل کُتے نے نہیں کاٹا ہوا جو تمہیں پانی کا چکر لگواؤں۔"

اُسکے بعد حدید نے بیوی کے کان کے پاس جھک کر کچھ کہا تھا۔جس پہ اُسکا منہ حیرت سے کُھلا پھر وہ اُسکے چوڑے شانے پہ تھپڑ مار کر مُڑتے ہوئے بولی۔۔

”تم انتہائی بُرے شوہر ہو۔میں ہوٹل سے بچوں کے کپڑے لینے جا رہی ہوں۔“

اُسکے شوہر کے قہقے نے دور تک تعاقب کیا تھا۔پانی سے باہر آنے کے بعد تولیہ کُرسی پہ رکھ کر وہ ہوٹل کی

جانب چل پڑی۔یہ جانے بغیر کہ کوئی اُسکا پیچھا کرتا آ رہا تھا۔

ہوٹل کی لابی میں وہ لفٹ کے انتظار میں تھی۔

"نوال زہرہ۔۔"

نوال آواز پہچان نہیں پائی مگر مڑ کر دیکھتے ہی دو پل کو حیران ہوئی۔سامنے کوئی اور نہیں فراز تھا۔نوال کا سابقہ شوہر۔۔۔

"کیا ہم منٹ بات کر سکتے ہیں؟۔۔"

نوال نے ایک نظر فراز پر ڈالنے کے بعد اثبات میں سر ہلا دیا۔

"کیوں نہیں آ جائیں اُدھر کیفے میں چلتے ہیں۔"

فراز حیران ہوا۔کیا یہ مجھے اب بھی پسند کرتی ہے۔ورنہ اتنی آسانی سے ملنے پر کبھی رضامند نہ ہوتی۔

کیفے میں ایک خالی پڑے میز کی کُرسی کھینچ کر نوال بیٹھ گئی۔دوسری کی جانب فراز کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

جب وہ بیٹھ گیا تو پوچھنے لگی۔

"آپ یقیناً یہاں پہ بیوی بچوں کے ساتھ چھٹیاں منانے آئے ہونگے۔"

فراز کو بات بھول گئی۔وہ کہنا کیا چاہتا تھا۔اس عورت کے سامنے آیا کیوں تھا۔

"نہیں بیوی بچے ساتھ نہیں ہیں۔میں یہاں بزنس کے سلسلے میں موجود ہوں۔"

"میں اپنے شوہر اور بچوں کے ساتھ آئی ہوئی ہوں۔"

"ہاں میں نے آپ لوگوں کو بیچ پہ دیکھا ہے۔آپکے بچے بہت کیوٹ ہیں۔"

"جی ماشاءاللہ۔۔"

"آپ نے کیا بات کرنی تھی؟۔۔"

فراز کا گلا خُشک ہو گیا۔ماتھے پہ پسینے کے قطرے نمودار ہوئے۔۔۔

"میں نے آپ سے معافی مانگنی ہے۔"

"مجھ سے؟۔۔"

”ہاں نوال زہرہ آپ سے۔۔“

”مگر میں تو آپکو بہت پہلے ہی معاف کر چکی ہوں۔ میں نے آپکو اُسی دن معاف کر دیا تھا۔ جس دن اللہ نے مجھے حدید جیسا شخص نوازا تھا۔ اپنے بیٹے کی موت اُس دن معاف کر دی۔ جس دن اللہ نے مجھے اولاد سے نوازا تھا۔ میرا آپکی طرف کوئی حساب نہیں نکلتا ہے۔ اسلیے معافی مانگ کر مجھے گنہگار مت کریں۔“

”نوال آپ ہمیشہ سے ایک رحم دل عورت رہی ہو۔ میں نے آپ کے ساتھ کبھی اچھا برتاؤ نہیں کیا۔“

”فراز صاحب کیوں ماضی کی بھول بھلیوں میں گھومتے ہیں۔ مجھے تو بھولے سے بھی آپکے ساتھ گُزارا گیا وقت یاد نہیں آتا۔ میں کبھی غلطی سے بھی اُداس چہرہ بنالوں۔ میرے پانچ سالہ بچے دس دفعہ مجھ سے میری اُداسی کی وجہ پوچھتے ہیں۔ میرا شوہر اگر میری آنکھ میں آنسو دیکھ لے وہ تب تک سکون سے نہیں رہتا جب تک مجھے دوبارہ مسکراتا ہوا نہ دیکھ لے۔ فراز صاحب میرے اللہ نے مجھے اتنا نوازا ہے۔ اگر میں ہر پل اللہ کی ذات کا شُکر ادا نہ کروں۔ تو دل پہ بوجھ آتا ہے۔ کہیں میں مغرور تو نہیں ہو رہی۔ تو بتائیے میں آزمائش کو یاد کروں یا انعام کی قدر کروں؟۔۔ ماضی میں رہنے والے آگے نہیں بڑھ پاتے۔ فراز صاحب میرے ماضی میں کُچھ بھی نہیں ہے۔ میرا حال ہی میرا خزانہ ہے۔ اسلیے آپ بھی ماضی بھول کر حال میں اپنے بیوی بچوں کے ساتھ جئیں۔“

”لیلی اور میرے درمیان بہت فاصلے آگئے ہیں۔ آپ نے مجھے معاف کر دیا ہے۔ مگر میری بیوی مجھے کبھی معاف نہیں کرنا چاہتی۔ وہ مجھے قاتل کہتی ہے۔ ایسا درندہ جس نے اپنے ہی بچے کو نگل لیا۔ میں وہ سب نہیں کرنا چاہتا تھا۔ مگر مجھ سے وہ گناہ ہو گیا۔ لیلی وہ عورت نہیں لگتی جس سے مجھے محبت تھی۔ جسکی خاطر میں ہر حد سے گُزر گیا۔ وہ کہتی ہے۔ میری وجہ سے اُسکا دوست چھوٹ گیا ہے۔ وہ ان چھ سالوں میں ایک دفعہ بھی گلا سگو نہیں آئی ہے۔ اُس نے کوئی نئی دوستی نہیں بنائی۔ وہ دن میں میرے ساتھ چند ایک جملے بولتی ہے۔ وہ بھی ضرورت کے تحت اور رات کو میرے پہلو میں اجنبی بن کر سو جاتی ہے۔ میں اپنے گناہ کی سزا کاٹتے تھک رہا ہوں۔ لیلی نے پاکستان جا کر میری ساری فیملی کو حقیقت سے آگاہ کر دیا تھا۔ سب نے دو سال تک میرا بائی کاٹ رکھا۔ تین سال پہلے امی کی وفات پہ پاکستان گیا تھا۔ اُن سے معافی مانگ چُکا ہوں۔ مگر مجھے سکون نہیں آتا۔ اگر آپ حدید سے کہیں وہ لیلی سے بات کرلے تو شائد لیلی مجھے معاف کر دے۔“

نوال بھاری دل لئے وہاں سے اُٹھ آئی۔ وقت بھی کیسے کیسے مناظر دیکھاتا ہے۔ ایک وقت تھا۔ اس شخص کا غرور اسکو اُڑائے رکھتا تھا۔ اور آج فراز جُھکی نظروں اور شکستہ کندھے لئے اُسکے سامنے آیا تھا۔

وہ اپنے سوئٹ میں آئی واش روم سے آتی آوازوں نے بتا دیا اُسکے پیارے سوئمنگ کا شوق پورا کر کے واپس آچکے ہیں۔

حدید نے تولیے میں لپٹی عائشہ کو ٹب سے نکال کر نوال کے سامنے کھڑا کیا۔

''اسکو کپڑے پہنا لو۔ میں عزیر کو لاتا ہوں۔''

جب تک نوال نے عائشہ کو تیار کیا۔ حدید نے عزیر کو نہلا کر باہر نکالا۔۔۔ جو نہانے کے دروان مسلسل احتجاج کرتا رہا تھا۔

''میں بڑا ہو گیا ہوں۔ خود نہا سکتا ہوں۔''

''تم چار گھنٹے نکال کر نکلو گے۔ جبکہ ہمیں ڈنر کے لیے جانا ہے۔''

حدید نے بیوی کی خاموشی کو نوٹ کر لیا تھا۔ اب انتظار میں تھا۔ وہ کب بولتی ہے۔

''ممی آپکو کیا ہوا ہے؟۔۔''

وہ ڈنر کے لیے تیار ہو کر نکلی تھی۔ جب عزیر کے پوچھنے پر وہ مسکراتے ہوئے اُسکے چہرے پہ جُھکی۔۔۔ عزیر کے گالوں پہ پیار کیا۔۔۔

''میری جان آپکے ہوتے ہوئے مجھے کیا ہونا ہے۔''

عزیر کو تو مطمئن کر لیا تھا۔ مگر عزیر کے باپ نے سونے کے لیے لیٹتے وقت اُسکو پکڑ کر اپنے سامنے کیا۔۔۔

''اب بولو۔۔۔ کیا ہوا؟۔۔''

''آج فراز ملا تھا۔''

''میں جانتا ہوں۔ وہ کل رات اس ہوٹل میں بک ہوا تھا۔ آج شام بیچ پہ بھی موجود تھا۔''

''کب؟۔۔۔''''

''جب تم بچوں کے ساتھ ریت پہ گھر بنا رہی تھیں۔''

”اچھا مجھے تو علم نہیں ہوا۔“

”مگر میں نے اُسکو تمہارے پیچھے آتے دیکھا تھا۔“

”احمد۔۔۔“

”جب تم اتنے پیار سے بُلاتی ہو نا پیچھے کوئی نہ کوئی کام ہوتا ہے۔“

نوال مسکرائی کیونکہ وہ سچ کہہ رہا تھا۔

اُس نے احمد کے بازو کھولے پھر اُسکے سینے پر سر رکھا۔تھوڑی دیر تک صرف اُسکے توانا دل کی دھڑکن سُنتی رہی۔پھر بولی۔۔۔

”میں جانتی ہوں۔اگر میں تم سے کُچھ مانگوں تو تم انکار نہیں کرو گے۔“

”نوال۔۔۔مجھے لگتا ہے۔تمہاری تمہید کا اختتام لیلٰی کے نام پہ ہونا ہے۔“

”وہ تمہاری بچپن کی دوست ہے۔تمہیں بہت مس کرتی ہے۔بلکہ اپنے شوہر سے ناراض ہے جسکی وجہ سے تم دونوں کی دوستی میں دراڑ آئی۔“

”تم کیا چاہتی ہو؟۔۔“

نوال نے اُسکے سینے سے سر اُٹھایا۔۔۔

اُسکی آنکھوں میں دیکھا۔مسکرائی۔۔۔

”تمہیں اپنی دوست سے ایک دفعہ رابطہ ضرور کرنا چاہیے۔ہوسکتا ہے۔اپنے اندر کا غم تمہارے ساتھ بانٹ کر وہ اپنی زندگی میں خوش ہونے کی کوشش کرے۔“

”اور اگر رابطے کی بحالی کے بعد وہ مجھ سے ملنے گھر آ گئی تو؟۔۔۔“

”تو کیا؟۔۔۔“

”تمہیں بُرا نہیں لگے گا فراز کی بیوی تمہارے گھر آئے۔“

”فراز میرا کون ہے؟۔۔۔اگر فراز میرے لیے کوئی اہمیت یا حیثیت رکھتا ہوتا تو تم آج اُسکو مجھ تک پہنچنے سے پہلے ہی روک لیتے۔فراز صرف تمہاری دوست کا شوہر ہے احمد میرا کُچھ نہیں لگتا۔ویسے بھی اگر ہمارے

درمیان کسی دوسرے تیسرے کی گنجائش ہوتی تو سب سے پہلے تم فراز کو دیکھ کر غُصے سے پاگل ہوتے۔“

اُس نے دونوں ہاتھوں میں نوال کا چہرہ بھرا۔۔۔ چہرے پہ آنے والی لٹوں کو نرمی سے پیچھے کیا۔ پیشانی پہ اپنے لب رکھے۔۔۔

”میں سوچوں گا۔“

وہ مطمئن سی مسکرا دی۔

دو ہفتے بعد لیلیٰ کے آفس ڈیسک پہ موجود فون بجا۔۔۔

”ہیلو۔۔۔“

”کیسی ہو بلبتوڑی۔۔۔ادھی میٹھی ادھی کوڑی۔۔۔ایم سوری ایم سوری۔۔۔“

لیلیٰ پہلے حیران ہوئی۔۔۔ پھر دماغ کی گھنٹی بجی آنکھوں میں آنسو لیے ہنستی چلی گئی۔۔۔ جب کہیں بولنے کے قابل ہوئی تو چلائی۔۔۔

”کمینے بلبتوڑی کس کو بولا۔۔۔؟۔۔“

”ظاہری بات ہے۔تمہیں اور کس کو۔۔۔“